معاشرے کو سنوارنے میں ایک استاذ کا کردار سب سے اہم ہے
اس سلسلے میں قرآن و حدیث کی روشنی میں اساتذہ کرام کے لئے ہدایات،
بزرگانِ دین کے نصائح اور ارشادات پر مشتمل ایک راہ نما کتاب

حصہ دوم

مثالی استاذ

دینی مدارس اور اسکول و کالج کے
اساتذہ و معلمات کے لئے یکساں مفید

استاذ بحیثیت مربی
استاذ بحیثیت دوست
استاذ بحیثیت روحانی باپ

منصب استاذ کی فضیلت
استاذ کا مقام و مرتبہ
بہترین استاذ کی صفات

تالیف
محمد حنیف عبدالمجید
سابق استاذ و رفیق دارالافتاء جامعہ تعلیم الاسلامیہ کراچی

تقریظ
مولانا راحت علی ہاشمی صاحب
استاذ الحدیث و ناظم التعلیمات دارالعلوم کراچی

بیت العلم ٹرسٹ

معاشرے کو سنوارنے میں ایک استاذ کا کردار سب سے اہم ہے
اس سلسلے میں قرآن وحدیث کی روشنی میں اساتذہ کرام کے لئے ہدایات،
بزرگانِ دین کے نصائح اور ارشادات پر مشتمل ایک راہ نما کتاب

حصہ دوم

مثالی استاذ

دینی مدارس اور اسکول وکالج کے
اساتذہ ومعلمات کے لئے یکساں مفید

استاذ بحیثیت مربی
استاذ بحیثیت دوست
استاذ بحیثیت روحانی باپ

منصب استاذ کی فضیلت
استاذ کا مقام ومرتبہ
بہترین استاذ کی صفات

تالیف
محمد حنیف عبدالمجید
سابق استاذ ورفیق دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ کراچی

تقریظ
مولانا راحت علی ہاشمی صاحب
استاذ الحدیث وناظم التعلیمات دارالعلوم کراچی

بیت العلم ٹرسٹ

مِثالی اُستاذ (حِصّہ دوم)

11030609

اسٹاکسٹ

مکتبہ بیت العلم

فون:0300-8948974, 0322-2583199

فیکس:+92-21-4972736

کتاب کا نام:............مثالی استاذ (حصہ دوم)

تاریخ اشاعت:............جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ بمطابق جون ۲۰۰۹ء

کمپوزنگ، ڈیزائنگ:........فاروق اعظم کمپوزر

ناشر:.............مکتبہ بیت العلم

ST-9E بلاک ۸، گلشن اقبال، کراچی

فون نمبر:+92-21-4976073 فیکس:+92-21-4976339

ویب سائٹ:www.mbi.com.pk ای میل:info@mbi.com.pk

ملنے کے دیگر پتے

- ☆ دار الھدیٰ اردو بازار کراچی۔ فون:021-2726509
- ☆ مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار لاہور۔ فون:042-7224228
- ☆ مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور۔ فون:042-7228196
- ☆ مکتبہ امدادیہ، ٹی۔بی روڈ، ملتان۔ فون:061-4544965
- ☆ کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار، مدینہ کلاتھ مارکیٹ، راولپنڈی۔ فون:051-5771798
- ☆ مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ، کوئٹہ۔ فون:081-662263
- ☆ کتاب مرکز، فیریئر روڈ، سکھر۔ فون:071-5625850
- ☆ بیت القرآن، نزد ڈاکٹر ہارون والی گلی، چھوٹی گھٹی، حیدرآباد۔ فون:022-3640875

نوٹ: یہ کتاب اب آپ بیت العلم سے بذریعہ VP بھی منگوا سکتے ہیں۔



ضروری گزارش

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

حضرات علماء کرام اور معزز قارئین کی خدمت میں نہایت ہی عاجزانہ گزارش ہے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ .... ہم نے کتاب میں تصحیح و تخریج کی پوری کوشش کی ہے تاکہ ہر بات مستند اور باحوالہ ہو پھر بھی اگر کہیں مضمون یا حوالہ جات میں کمی بیشی یا اَغلاط وغیرہ نظر آئیں تو اَزراہِ کرم ہمیں ضرور مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں وہ غلطی دور کی جائے۔ مزید اس کتاب کے متعلق کوئی اصلاحی تجویز ہو تو ہم نے آخر میں خط دیا ہے وہ ضرور بھیجیں۔

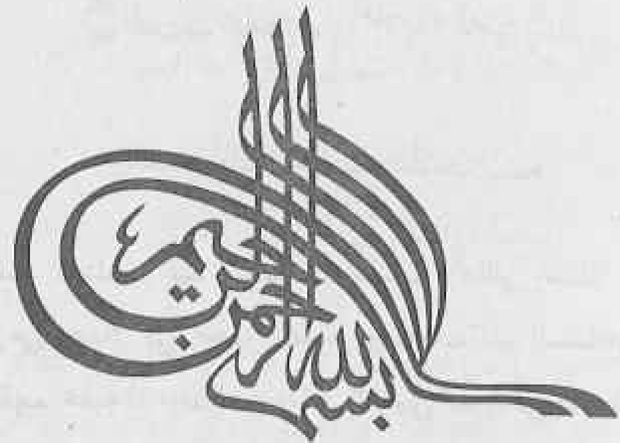
اس کتاب کی تصحیح اور کتابت پر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ .... کافی محنت ہوئی ہے اُمید ہے قدردان لوگ مسلمانوں کے لئے کی گئی اس محنت کو دیکھ کر خوش ہوں گے اور اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی دعا کرتے رہیں گے۔

جَزَاکُمُ اللّٰہُ خَیْرًا

آپ کی قیمتی آراء کے منتظر

احباب بیت العلم ٹرسٹ

فہرست مضامین





تقریظ

حضرت مولانا محمد حسن جان صاحب مدظلہ

شیخ الحدیث بجامعۃ امداد العلوم الاسلامیۃ پشاور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لقد استلمت بيد المسرات الكتاب "مثالی استاذ" وطالعت الفهارس إجمالاً فی عجلة المتوفر وشاهدت تأثر المشائخ الكرام وتقريظهم عليه فدعوت لحضرتكم التوفيق المزيد فی خدمة الإسلام وأهله وقبوله عنكم بفضله وكرمه وهذا أعجبت جدًا بالمسائل والعناوين التی أشرتم إليها فی بداية الكتاب وأرى من الواجب على مسلم واعٍ وعالمٍ داعٍ أن يطالعه ويستفيد من هذه العلوم المكنونة فيه. ويبلغها بلسانه وبنانه إلى ربوع البلاد وأهاليها:

وهو الموفق والمعين.



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا راحت علی ہاشمی صاحب مدظلہم

استاذ جامعہ دار العلوم کراچی

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ.

امّا بعد!

مدارسِ دینیہ میں تعلیمی نصاب کی تدریس کا طریقہ کار ایسا رہا ہے کہ طلبہ کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ پڑھانے کی بھی تربیت ملتی رہتی ہے اور باذوق طلبہ اپنے اساتذہ کرام سے، ان کا اندازِ تفہیم، طلبہ میں دل چسپی پیدا کرنے کے طریقے اور انہیں دین دار بنانے کا سلیقہ بھی سیکھ لیتے ہیں۔

تدریسی طریقوں میں بہتری، سہولت اور افادیت بڑھانے کے معاملہ میں ہر دور کے اساتذہ اور منتظمین، اپنے زمانہ کی ضرورتوں کو سامنے رکھ کر مشاورت کرتے رہے ہیں جس کا اثر بحمداللہ تعالیٰ مدارسِ عربیہ کے تعلیمی نظام کو دیکھ کر بخوبی ہوجاتا ہے۔

البتہ اب ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ اکابرِ امت کے ان تجربات ہدایات اور زریں مشوروں کو کتابی شکل میں مرتب کرلیا جائے اور نئی نسل کے لئے یک جا، یہ تمام ذخیرہ فراہم کردیا جائے۔

بیت العلم ٹرسٹ کے احباب بالخصوص مولانا محمد حنیف عبدالمجید صاحب

زید مجدہم کی مساعی جمیلہ سے اس موضوع پر ایک کتاب ''مثالی استاذ'' کے نام سے مرتب ہوکر شائع ہو چکی ہے جسے قبولِ عام نصیب ہوا۔ پیشِ نظر اوراق اسی کتاب کا دوسرا حصہ ہے۔

امید ہے کہ اس کتاب کے دونوں حصے تدریس کے میدان میں اترنے والے نئے حضرات کے لئے تربیتِ استاذ کا کام دیں گے اور دیگر حضرات کے لئے بھی ایک تذکیر ثابت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ سارے مدارس اسلامیہ دینیہ میں درس و تدریس کی سرگرمی قائم رکھیں اور اس سلسلۂ خیر کو پوری امت کے لئے نافع بنائیں۔ اور اس کاوش کو کتاب کے مرتب، ناشر و دیگر معاونین کے لئے صدقہ جاریہ بنادیں۔ آمین

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ أَجْمَعِيْنَ.

(حضرت مولانا) محمد راحت علی ہاشمی (صاحب مدظلہ)

۱۵/۱۲/۱۴۲۶ھ



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عرضِ مؤلف

پہلے زمانے میں طلبہ اپنے اساتذہ کرام سے صرف علم ہی نہیں سیکھتے تھے، بل کہ اُن کی صحبت میں رہ کر اپنے باطن کی اصلاح، تقویٰ، دیانت، اور امانت کی تربیت بھی حاصل کرتے تھے جس سے اُن میں دین کی باتیں آگے پہنچانے اور تبلیغِ دین کی لگن پیدا ہوتی تھی، لیکن جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا اس تعلق میں کمی آتی رہی، اس کمی کو دور کرنے اور استاذ، شاگرد کا آپس میں تعلق بہتر سے بہتر بنانے کے لئے بیت العلم ٹرسٹ نے کچھ عرصہ پہلے ''مثالی استاذ'' کو شائع کیا تھا جس کو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے علمی حلقوں نے امید سے زیادہ پسند کرکے ہاتھوں ہاتھ لے لیا تھا۔ جس میں اساتذہ اور اربابِ مدارس کے فرائضِ منصبی کو خوش اسلوبی سے انجام دینے، تدریس کو بہتر سے بہتر انداز میں پیش کرنے، طلبہ کی استعداد بڑھانے اور ان کی اچھی تربیت کرنے کے لئے قرآن و احادیث کی روشنی میں بزرگانِ اسلاف کے نصیحت آموز واقعات بھی ہیں اور علمی لطائف بھی۔

چوں کہ یہ کتاب ضخیم تھی اس لئے اس کو دو حصوں میں منقسم کر دیا گیا، پہلا حصہ طباعت کے زیور سے آراستہ کیا گیا ہے اور اب الحمد للہ ادارہ دوسرے حصے کو اضافات کے ساتھ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

نہایت ہی ادب سے عاجزانہ گزارش ہے کہ اپنی دعاؤں میں ان تمام بزرگوں کو، مصنفین اور مؤلفین کو جن کی کتب سے یہ کتاب تیار کی گئی ہے (جن کے ماخذ اور

مراجع آخر کتاب میں ہیں) ان کے لئے دعا کریں اور اس کتاب کی تیاری میں مولوی مفتی محمد عثمان ارکانی اور مولوی خلیل الرحمٰن (فضلاءِ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی) نے جو تعاون فرمایا ان کے لئے بھی دعا کیجئے اور بندہ کے لئے بھی فرض نماز کے بعد ضرور دعا کیجئے اس سے آپ کو بھی فائدہ ہوگا اس لئے کہ حدیث شریف میں آتا ہے:

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَدْعُو لِأَخِيْهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ إِلَّا قَالَ الْمَلَكُ: وَلَكَ بِمِثْلٍ."[1]

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی مسلمان اپنے بھائی کے پیٹھ پیچھے اس کے لئے دعا کرے تو ایک فرشتہ کہتا ہے، تیرے لئے بھی ایسا ہی ہو۔"

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حصہ اوّل کی طرح حصہ دوم کو بھی اپنی بارگاہ ایزدی میں شرف قبولیت سے نوازیں۔

ع گر قبول افتد زہے عز و شرف

اصلاح ودعا کا محتاج

محمد حنیف عبدالمجید

۱۷ ذوالحجہ ۱۴۲٦ھ - ۱۸ جنوری ۲۰۰٦ء



[1] مسلم، کتاب الذکر، باب فضل الدعاء للمسلمین بظهر الغیب: ۲/۳۵۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تعلیم کو کام یاب اور ثمر آور بنانے کے لئے

ہر نئے استاذ سے گزارش

معلّم تعلیمی ڈھانچے کا ایک اہم عنصر ہے۔ معلّم ہی وہ ہستی ہے جس کے ذریعے سے تمام تعلیمی مواد متعلّم تک پہنچایا جاتا ہے۔ معلّمی پیشہ پیغمبری ہے۔

حضور اکرم ﷺ دنیا کے سب سے بڑے معلّم ہیں۔ آپ کا ارشاد ہے "إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا"[1] اس لئے ضروری ہے کہ ایک معلّم (استاذ) اعلیٰ اخلاق و کردار کا مالک ہو۔ اب آپ کی زندگی کا ایک نیا مرحلہ شروع ہو رہا ہے۔ استاذ ہونے کا شرف آپ کو حاصل ہو رہا ہے، لہٰذا آپ اپنی نیت کو درست فرمائیں، کیوں کہ اس کا کردار پر بڑا اثر پڑتا ہے۔

اب تک آپ طالب علم تھے، لیکن زمانہ طالب علمی میں طبیعت میں لاپرواہی کے اثرات ہوتے ہیں۔ جب آپ کا نقطہ نظر، یہ ہوگا کہ اب ہماری زندگی کا ایک نیا دور شروع ہو رہا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ہم معلّم ہیں۔ استاذ ہونے کا شرف ہم کو حاصل ہو رہا ہے تو ان شاء اللہ اس کا لازمی اثر یہ ہوگا کہ آپ اپنی عادت، معاشرت، معاملات، معیارِ تعلیم، معیارِ تربیت، کردار اور گفتار ایسے رکھنے کی کوشش کریں گے جو کہ ایک معلّم اور استاذ کے شایانِ شان ہے۔

[1] ابن ماجه، كتاب السنة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم: رقم الحديث ۲۲۹

① تعلیمی ترقی کے لئے معاون کتب

اس نقطۂ نظر اور اس کے اثرات کو باقی رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ اکابر اسلام رحمہم اللہ تعالیٰ کی ایسی کتب جو اس سلسلہ میں آپ کی رہنمائی کر سکیں، ہمیشہ اپنے پاس رکھیں اور وقتاً فوقتاً ان کا مطالعہ کرتے رہیں تاکہ معلمانہ صفات واطوار میں نکھار و پختگی حاصل ہو جائے۔ اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کی بہت سی کتب اس موضوع پر دستیاب ہیں، ان میں سے چند ایک کی نشان دہی کی جاتی ہے۔

① آداب المعلمین۔

② آداب المتعلمین۔

یہ دونوں کتابیں حضرت مولانا قاری صدیق احمد صاحب قدس سرہ کی تصنیف ہیں۔ حضرت موصوف حضرت شیخ الحدیث سہارنپوری رحمہ اللہ تعالیٰ کے متوسلین میں سے تھے۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں کتابیں معلّمین و متعلّمین کے لئے بڑے سوز سے لکھی ہیں۔ ان میں تعلیمی زندگی کے رہنما اصول ذکر کر دیئے گئے ہیں:

③ رحمة للمتعلمین: (مؤلفہ مولانا عبدالرحمٰن صاحب اعظم گڑھی) یہ کتاب تقسیم ہندوستان سے پہلے کی لکھی ہوئی ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے بہت پسند فرمایا تھا۔ مدرّسین اور طلبہ اگر اس کا مطالعہ کرتے رہیں اور اپنا عمل اس کے مطابق کر لیں تو عزت بھی ملے گی اور توقعات سے زیادہ تعلیمی کامیابیاں بھی حاصل ہوں گی۔ اس کتاب کے کل چار باب ہیں۔

پہلے باب میں معلّمین کے لئے، دوسرے میں متعلّمین کے لئے۔

تیسرے باب میں کاتبین کے لئے اور چوتھے باب میں عامة المسلمین کے لئے کچھ نصیحتیں مذکور ہیں۔ اس کتاب کے سب کے سب مضامین حرزِ جان بنانے کے قابل ہیں۔

مگر اوّل کے دو باب کے مضامین کی اہمیت کی بنا پر معلّمین و متعلّمین کے افادہ کے پیش نظر حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ حضرت مولانا شاہ ابرار الحق رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو مبوب و مرتب فرما کر رسالہ کی صورت میں شائع کرا دیا ہے۔ جس کا نام ''اشرف التفہیم لتکمیل التعلیم'' رکھا ہے۔

④ حقوق العلم: یہ کتاب حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف ہے۔ اس کے دو باب ہیں۔

پہلے باب میں علم دین کے ان حقوق کو بیان کیا ہے جو عوام کے ذمہ ہیں۔

دوسرے باب میں ان حقوق کا بیان ہے جو خود اہل علم کے ذمہ ہیں۔ پہلے باب کا مطالعہ عوام کے لئے زیادہ مفید اور نافع ہے اور دوسرے باب کا مطالعہ مدرسین کے لئے بہت مفید اور نافع ہے۔ اس کتاب کے آخر میں ناصح الطلبہ کے نام سے ایک چھوٹا سا رسالہ بھی لگا ہوا ہے۔ یہ صاحبِ تیسیر المنطق حضرت مولانا عبداللہ گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ کا ایک مضمون ہے۔ جس میں بتایا ہے کہ ابتدائی کتب کے طلبہ میں قابلیت کیسے پیدا کی جا سکتی ہے۔

⑤ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک کتاب اصلاحِ انقلابِ امت ہے۔ اس میں امت کے تمام طبقات کی خامیوں کی نشان دہی کی گئی ہے اور ان کی اصلاحات احادیث صریحہ کی روشنی میں فرمائی گئی ہے۔ اس کتاب کے استدلال اور استنباط فرحت بخش ہیں۔ اس میں معلّمین اور متعلّمین کی کوتاہیوں کی اصلاح کے لئے بھی ایک مستقل حصہ ہے۔ اس حصہ کا مطالعہ ضرور کر لیا جائے۔

ان کتب کے علاوہ اکابرِ اسلاف رحمہم اللہ تعالیٰ کی دیگر کتب یا ان کے متفرق ملفوظات مل جائیں تو انہیں اپنے پاس محفوظ کر لیں اور اپنے ماحول میں ان کے سننے سنانے کا رواج ڈالیں۔ یہ ارتقائے علمی کا توشہ ہے، اس کو استعمال کرنا آپ کا کام ہے۔ اس کے علاوہ ''ہمارا نصابِ تعلیم کیا ہو؟'' مولفہ مولانا محمد سید سلیمان ندوی

رحمہ اللہ تعالیٰ اور "الرسول المعلم" مولفہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ تعالیٰ "النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم معلما"۔ مولفہ ڈاکٹر فضل الٰہی نامی کتابیں بھی مفید ہیں۔

۲ ذوق مطالعہ

ذوق مطالعہ ہر انسان کے لئے بالخصوص معلّم کے لئے ایک بہت بڑی خوبی ہے بل کہ تمام خوبیوں کی جڑ اور بنیاد ہے۔ معلّم کی اصل ذمہ داری معلومات اور انوارِ علم، احسن اسلوب سے شاگردوں میں تقسیم کرنا ہے۔ جو مواد تلامذہ کو دینا ہے، جو موتی ان میں تقسیم کرنے ہیں، جو پھولوں کے ہار ان کے گلے میں ڈالنے ہیں۔ ان سب کی تحصیل کا ذریعہ مطالعہ ہے۔ مطالعہ ناقص ہو اور پھر یہ توقع رکھنا اور دعویٰ کرنا کہ میری تعلیم کامل ہے۔ شاید دھوکہ دہی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ تکمیل مطالعہ، تکمیل علم کے لئے اور معیار تعلیم کو بلند کرنے کے لئے سب سے بڑا موقوف علیہ ہے۔

جب مطالعہ کا ذوق ہوگا تو یہ معلّم کے اطوار میں نمایاں امتیاز پیدا کرے گا۔
پہلی امتیازی شان تو یہ ہوگی کہ تکمیل مطالعہ کے لئے غیر ضروری اشغال اور تمام فضولیات کو ذوق مطالعہ ایک ہی ضرب سے اڑا کر رکھ دے گا۔ مطالعہ کے بغیر اس کی تسکین نہیں ہوگی۔ اس لئے غیر تعلیمی مشاغل میں وقت ضائع کرنے سے اسے بہت زیادہ تنفر پیدا ہو جائے گا۔ آپ کے اندر ذوق مطالعہ ہے تو یقین کیجئے کہ حق تعالیٰ آپ کو محروم نہیں رکھیں گے۔ آپ کے فیوض نمایاں نظر آئیں گے۔ اگر آپ کے اندر یہ وصف نہیں ہے تو پھر ادارے کی ملازمت اللہ نہ کرے دنیا و آخرت میں پکڑ کا ذریعہ نہ بن جائے۔ معلّم کے لئے ذوق مطالعہ کا پہلا ثمرہ "تفریغ الاوقات للمطالعہ" ہے اور یہی آپ کے ذوق کو پرکھنے کی کسوٹی ہے۔

۳ مطالعہ کی اہمیت

اساتذہ کو چاہئے کہ مطالعے کا اہتمام فرمائیں۔ سبق پڑھانے سے پہلے اس سبق کا اچھی طرح مطالعہ کریں، اس لئے کہ یہ تدریس امانت ہے۔ اس میں معمولی کوتاہی بھی خیانت ہے۔ طلبہ کی جماعت اور ان کے والدین اور ادارے کے ذمہ دار احباب نے آپ پر اعتماد کیا ہے کہ آپ درس گاہ میں داخل ہونے سے پہلے درس کی پوری تیاری کر کے آئیں گے۔ یعنی اس بات کی پوری تیاری کر کے آئیں گے کہ درس گاہ کے کمزور سے کمزور بچے کو کس طرح سمجھائیں۔ یہی ایک اچھے استاذ کا کمال ہے۔ اُس کا طرہ امتیاز ہے کہ اُس میں سمجھانے کی اعلیٰ استعداد ہو۔ خود سمجھ لینا ایک کمال ہے، لیکن دوسروں کو سمجھانا اور پھر جس عمر کا جو بچہ ہے، اُسی کے معیار پر اُستاذ کو نیچے آنا اور اُس کی زبان میں بولنا، یہ اعلیٰ کمال ہے۔ جو محنت، شوق اور لگن سے حاصل ہوا کرتا ہے۔ بزرگوں نے اس کے لیے تین باتیں بتلائی ہیں۔

1. مطالعہ کا اہتمام۔
2. دعا کا اہتمام۔
3. طلبہ جو کچھ سمجھیں اُن سے پوچھنا اور ان کو سوالات کرنے کے لئے موقع دینا۔

مطالعہ کا راز یکسوئی میں پوشیدہ ہوتا ہے۔ انسان جو کام کر رہا ہو جو کتاب پڑھ رہا ہو، جس سے بات کر رہا ہو، اس پر اگر پوری توجہ ہو تو وہ بات ذہن میں پوری طرح نقش ہو جاتی ہے۔ مطالعہ کرتے وقت اتنی یکسوئی ہو کہ اس کتاب کے سوا کوئی دوسرا خیال اُستاذ کے ذہن میں نہ آسکے۔ تھوڑی سی مشق کرنے کے بعد انسان کو یہ کیفیت حاصل ہو جاتی ہے۔ ارتکازِ توجہ کی صلاحیت سے نہ صرف حافظہ بہتر ہوتا ہے، بل کہ ذہانت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

محمد ابن سماعہ رحمہ اللہ تعالیٰ، جو امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے خاص شاگرد

ہیں، فرماتے ہیں کہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو مطالعے میں اس قدر انہماک ہوتا تھا کہ اگر کوئی شخص ان کو سلام کرتا تو انہماک اور بے خبری میں جواب دینے کی بجائے اس کیلئے دعا کرنے لگتے۔ ان کے نواسے فرماتے ہیں کہ امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات کے بعد میں نے اپنی والدہ سے دریافت کیا کہ نانا جب گھر میں رہتے تھے تو کیا کرتے تھے؟

انھوں نے اشارہ کر کے فرمایا اس کوٹھری میں رہا کرتے تھے اور گردوپیش کتابوں کا انبار لگا رہتا تھا۔ میں نے مطالعے کے وقت ان کو بولتے ہوئے نہیں دیکھا۔

لکھا ہے کہ حضرت امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ رات کو بہت کم سوتے تھے، اکثر حصہ درس وتدریس میں اور مطالعہ میں گزرتا تھا۔

بعض احباب نے کم خوابی اور زحمت کشی کی وجہ دریافت کی تو حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے جوابًا عجیب جملہ ارشاد فرمایا، جو اس زمانے میں ہر استاذ ومعلّم کو یاد کر لینا چاہیے اور لکھ کر اپنے کمرے کے کسی نمایاں جگہ میں لٹکا دینا چاہیے کہ ہر وقت اس پر نگاہ پڑے۔ فرمایا:

"كَيْفَ أَنَامُ، وَقَدْ نَامَتْ عُيُونُ الْمُسْلِمِينَ، تَوَكُّلًا عَلَيْنَا يَقُولُونَ: إِذَا وَقَعَ لَنَا أَمْرًا رَفَعْنَا، إِلَيْهِ فَيَكْشِفُهُ لَنَا، فَإِذَا نِمْتُ فَفِيهِ تَضْيِيعُ الدِّيْنِ." [1]

ترجمہ: "میں کس طرح میٹھی نیند سوؤں، حالاں کہ مسلمانوں کی آنکھیں تو ہمارے بھروسے پر سو رہی ہیں، مسلمان یہ سوچتے ہیں، ہمیں جب کوئی مسئلہ پوچھنا ہوگا ہم ان (امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ) کے پاس جا کر پوچھ لیں گے، اب اگر میں بھی سو جاؤں (اور دینی کتابوں کا

[1] آداب المتعلمین: ص ۵۱

مطالعہ نہ کروں) تو اس میں (ان کے) دین کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے۔"

استاذ کو بھی چاہیے کہ وہ سوچے کہ طلبہ کی آنکھیں، ہمارے بھروسے پر سو چکی ہیں۔ طلبہ نے سوچا سمجھا ہے کہ استاذ سے کل پوچھ لیں گے۔ اب اگر استاذ بھی کل ان کی تسلی نہیں کر سکے گا تو ان کو علم کس طرح آئے گا؟

وہ عربی سیکھنا چاہتے ہیں، اگر استاذ ہی عربی نہیں بول سکے گا تو وہ کس طرح بولیں گے؟ استاذ انشاء ومضمون نگاری کی صلاحیت اپنے اندر نہیں پیدا کریگا تو وہ کس طرح اس میں ماہر بنیں گے؟

دیکھو شہد کی مکھی ہی ایسا کیڑا نہیں ہے جو پھولوں پر پھرتی ہے، دوسرے کیڑے بھی پھرتے ہیں، لیکن شہد صرف وہی لے جاتی ہے، باقی کیڑوں کے ساتھ کبھی شہد نہیں آتا۔

ایک محقق سے کامیابی کا راز دریافت کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ میں نے کبھی کسی ایسے کام کو ہاتھ نہیں لگایا، جس میں اپنی تمام طاقتوں کو صرف نہ کر سکا۔

ایک محقق کا کہنا ہے کہ میں جب مطالعہ کرتا ہوں تو اس میں ایسا محو ہو جاتا ہوں کہ گویا اس وقت دنیا میں اس کام کے سوا کچھ اور ہو ہی نہیں رہا، محنتی انسانوں کی کامیابی کا راز یہی ہے۔

یک سوئی طبیعت سے مطالعہ شروع کر کے کمزور سے کمزور طالب علم بھی بہت کچھ حاصل کر لیتا ہے، مگر منتشر الطبع چالاک اور ہوشیار ہونے کے باوجود بھی بہت سی طرف اپنا دھیان بٹانے کی وجہ سے مہارت حاصل نہیں کر پاتا۔

پانی کا ایک قطرہ ایک ہی جگہ لگاتار ٹپکتا رہے تو آخر کار وہ ایک مضبوط چٹان میں بھی سوراخ کر دیتا ہے، لیکن جلد باز لہریں زور دار شور سے آتی ہیں اور چٹان سے ٹکرا کر گزر جاتی ہیں اور ان کا نشان تک پیچھے نہیں رہتا۔

مطالعہ کا انہماک واستغراق اتنا ہو کہ مطالعہ کا ذوق وشوق پورے شباب اور عروج پر ہو، استاذ کی ہمت کا طائر بلند پرواز ہو اور کسی بلند سے بلند شاخ پر بھی آشیانہ بنانے کے لئے تیار نہ ہو۔ کوئی دور سے دور جگہ استاذ کو دور اور کوئی مشکل سے مشکل کام اس کو مشکل معلوم نہ ہو۔ استاذ اپنی تیز رفتاری بل کہ برق رفتاری اور اپنی طبیعت کی بے چینی اور بے تابی سے برسوں کا کام مہینوں میں اور مہینوں کا کام ہفتوں میں اور دنوں میں کرلے۔

امام زہری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا مطالعے کے وقت یہ عالم ہوتا کہ ادھر اُدھر کتابیں ہوتی تھیں اور وہ ان کے مطالعے میں ایسے مصروف ہوتے کہ دنیا ومافیہا کی خبر نہ رہتی، بیوی کو کب گوارہ تھا کہ اس کے سوا کسی اور طرف اس قدر التفات ہو، ایک روز بگڑ کر کہا: وَاللّٰهِ هٰذِهِ الْكُتُبُ أَشَدُّ عَلَيَّ مِنْ ثَلٰثِ ضَرَائِرَ۔

"قسم ہے رب کی! یہ کتابیں مجھ پر تین سوکنوں سے زیادہ بھاری ہیں۔"

حضرت امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے جلیل القدر شاگرد امام مزنی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اپنے استاذ کی ایک کتاب کا پچاس برس مطالعہ کیا اور خود ہی ناقل ہیں کہ ہر مرتبہ کے مطالعہ میں مجھ کو نئے نئے فوائد حاصل ہوئے۔

ابوالعباس ثعلب نے بغداد میں اسحاق موصلی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے کتب خانہ میں ایک ہزار جزو فن لغت کے دیکھے ہیں، جو سب کے سب اسحٰق رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے سماع میں آچکے تھے۔

حضرت امام رازی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو افسوس ہوتا تھا کہ کھانے کا وقت کیوں علمی مشاغل سے خالی جاتا ہے۔ چناں چہ وہ فرمایا کرتے تھے:

"وَاللّٰهِ أَنِّيْ أَتَأَسَّفُ فِي الْفَوَاتِ عَنِ الْإِشْتِغَالِ بِالْعِلْمِ فِيْ وَقْتِ الْأُكُلِ، فَإِنَّ الْوَقْتَ وَالزَّمَانَ عَزِيْزٌ."[1]

[1] قيمة الزمن عند العلماء: ص٦٦

ترجمہ: "خدا کی قسم! مجھ کو کھانے کے وقت علمی مشاغل کے چھوٹ جانے پر افسوس ہوتا ہے کیوں کہ زمانہ اور وقت بہت عزیز چیز ہے۔"

در بزم وصال تو بہنگام تماشا
نظارہ ز جنبیدن مژگاں گلہ دارد[1]

حضرت ابوبکر بن بشار رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ادب کے مشہور امام بغداد ہوئے، شہزادوں کے اتالیق تھے۔ ایک روز قصرِ خلافت کو جاتے ہوئے، نخاس سے گزرے، وہاں ان دنوں ایک باندی فروخت ہونے کو آئی، جس کے حسن اور سلیقے کا سارے بغداد میں شہرہ تھا۔ ابن بشار اس کو دیکھ کر مفتون (عاشق) ہوگئے۔ دارالخلافہ میں پہنچے تو خلیفہ نے دیر سے پہنچنے کی وجہ دریافت کی، انھوں نے باندی کا قصہ بیان کیا۔ یہ سن کر خلیفہ نے خفیہ طور پر خدام کو حکم دیا کہ وہ باندی خرید کر ابوبکر بن بشار کے مکان پر اُن کے پہنچنے سے پہلے پہنچا دی جائے۔ جب علامہ ممدوح اپنے مکان پر واپس آئے تو وہاں اُس باندی کو موجود پایا۔ دریافت کرنے پر حال معلوم ہوا تو باندی کو بالا خانہ پر بھیج دیا اور خود وہیں بیٹھ کر ایک علمی مسئلے پر (جس کی تحقیق میں وہ ان دنوں مصروف تھے) غور کرنے لگے۔ طبیعت تو اور ہی طرف لگ رہی تھی غور کرنے میں خلل ہوا قلب کا یہ رنگ دیکھ کر حضرت ابوبکر بن بشار رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے خادم کو آواز دی اور کہا: اس باندی کو لے جا کر واپس کر آؤ میرے نزدیک اس کی اتنی قدر نہیں ہے کہ میرے دل کو علم سے پھیر دے۔ خادم گیا اور باندی کو واپس کر آیا۔[2]

حضرت امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ دن تو خیر دن تھا راتوں کو بھی حضرت امام کا یہ حال تھا کہ بظاہر سونے والوں کی وضع بنا کر لیٹ جاتے، لیکن تھوڑی، تھوڑی دیر بعد اپنے خادم کو حکم دیتے، وہ چراغ جلاتا اور وہ کچھ لکھتے، اس کے بعد چراغ گل کردیتے۔

[1] علمائے سلف: ص۳۰ [2] علمائے سلف: ص۳۱

مولانا گیلانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے مولانا انوار اللہ خاں صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے مطالعے کا حال انہی کے الفاظ میں لکھا ہے کہ ہم کوشش کرتے کہ کتاب کا مضمون مطالعہ ہی میں حل ہوجائے۔ طریقہ یہ تھا کہ پہلے عبارت اور ترجمہ کی طرف توجہ ہوتی جو نئے الفاظ آتے تھے ان کو لغت کی مدد سے حل کیا جاتا، پھر مطلب سمجھنے کی کوشش ہوتی۔ اگر ایک مرتبہ میں مضمون حل نہ ہوتا تو دو بار یا سہ بار سعی کی جاتی، اس پر بھی اگر کچھ رہ جاتا تو استاذ محترم حضرت مولانا فرنگی محلی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے درس میں حل ہوجاتا۔ جب استاذ سے مطلب معلوم ہوتا تھا تو فرطِ مسرت سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کہیں سے بیش قیمت خزانہ مل گیا، اس طرح سے مطالعہ کرنے کا نتیجہ یہ تھا کہ روزانہ کئی کئی صفحات کا درس ہوتا تھا۔[1]

شیخ محدث دہلوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنی طالب علمی کا حال درج کرتے ہوئے رقم فرماتے ہیں:

”دراثناء مطالعہ کہ وقت از نیم شب درمی گذشت والد قدس سرہ مرا فریاد می زدہ باباچہ می کنی۔“

یعنی آپ اتنی دیر تک مطالعہ میں مشغول رہتے کہ والد ماجد کو رحم آجاتا اور فرماتے کہ کب تک جاگو گے، اب آرام کرو۔ شیخ فرماتے ہیں کہ ”والد صاحب کی آواز سن کر فی الحال میں لیٹ جاتا اور جب والد صاحب سوجاتے تو پھر اُٹھ کر مطالعہ کرنے لگتا۔“ اسی محنت نے تو ان کو محدث بنادیا تھا۔

قطب العالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے حالات میں لکھا ہے کہ مطالعہ میں ایسا انہماک ہوتا تھا کہ پاس رکھا ہوا کھانا، کوئی اُٹھا کر لے جاتا تو آپ کو خبر بھی نہ ہوتی۔[2]

اسی محنت کا اثر تھا کہ زمانہ طالب علمی ہی میں آپ نے بڑی بڑی کتابوں کا

[1] مطلع الانوار [2] تذکرۃ الرشید: ص۳۵

سبق پڑھایا، حضرت مولانا شاہ محمد اسعد اللہ صاحب ناظم اعلیٰ مظاہر العلوم نے فرمایا کہ فراغت کے بعد بھی میرے مطالعے کا اوسط ایک ہزار صفحات یومیہ ہوتا تھا۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ایک عرصہ سے صرف ایک وقت دوپہر کو کھانا کھاتے تھے، شام کو کھانا تناول نہیں فرماتے تھے۔ قریبی رفقاء فرماتے ہیں کہ ہم نے متعدد بار حضرت سے سنا کہ میری ایک مشفق ہمشیرہ تھیں میں شام کو مطالعہ میں مصروف ہوتا تھا اور وہ لقمہ میرے منہ میں دیا کرتی تھیں، اس طرح مطالعہ کا حرج نہ ہوتا تھا، لیکن جب سے ان کا انتقال ہوگیا، اب کوئی میری اتنی ناز برداری کرنے والا نہیں رہا اور مجھے اپنی کتابوں کا نقصان گوارا نہیں، اس لئے شام کا کھانا ہی ترک کردیا۔

حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو کتب بینی سے اتنا شغف تھا کہ بیماری کی حالت میں بھی سرہانے کتابیں رکھی رہتیں اور فرماتے میری بیماری کا علاج ہی کتب بینی ہے۔ اپنے شغف کا اظہار بھی عربی اشعار میں فرمایا ہے۔ نفحۃ العرب، ادب میں ان کی کتاب ہے، اس میں باب النظم میں وہ اشعار موجود ہیں۔

حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو مطالعہ کا بہت شوق تھا بعض خدام سے سنا کہ کتاب دیکھتے دیکھتے کبھی سو جاتے، جب بیدار ہوتے تو پھر مطالعہ شروع کردیتے۔ مطالعہ سرسری نہ کرتے بڑے امعان کے ساتھ کرتے، طالب علمی ہی کے زمانے میں اکثر کتابیں زبانی یاد تھیں۔

علامہ صدیق احمد صاحب کشمیری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنی طالب علمی کے زمانے میں صرف روٹی لیتے تھے، سالن نہ لیتے تھے۔ روٹی جیب میں رکھ لیتے تھے، جب موقع ہوتا کھالیتے، فرماتے: روٹی سالن کے ساتھ کھانے میں مطالعہ کا نقصان ہوتا ہے۔

حضرت مولانا منہاج رحمہ اللہ تعالیٰ بڑے پایہ کے عالم تھے۔ حضرت شاہ عبدالقدوس گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ بھی ان کے وعظ میں بیٹھتے تھے۔ یہ لاہور سے دہلی علم حاصل کرنے کے لئے آئے اور بڑی بڑی سختیاں جھیل کر علم کی دولت حاصل کی۔ ان کے واقعات میں ہے کہ طالب علمی کے زمانے میں تھوڑا سا آٹا اور گھی دکانوں سے لیا کرتے تھے، آٹے کا چراغ بنا کر اس میں گھی ڈالتے اور اس کی روشنی میں رات بھر مطالعہ میں مشغول رہتے، دن میں اس کی ٹکیاں پکا کر کھا لیتے اور اسی پر قناعت کرتے۔ بعد میں سلطان بہلول لودھی کے عہد حکومت میں دہلی کے مفتی مقرر ہوئے۔

حضرت مولانا منظور نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں کہ جب میں ''میو'' ضلع اعظم گڑھ میں پڑھتا تھا تو وہاں کچھ ساتھی ایسے مل گئے تھے، جن کو مطالعہ کا ذوق تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ ہم لوگ رات کو دو تین بجے تک مطالعے اور مذاکرے میں مشغول رہتے، دن بھی اسی انہماک میں گزرتا۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ امتحان کے زمانے میں تمام کتابیں یاد رہتی تھیں۔ اسی محنت کا نتیجہ تھا کہ دورۂ حدیث کے امتحان میں کئی کتابوں کے سوالات کے جواب میں مستقل رسالے تحریر کئے تھے، فرمایا کہ مہتمم صاحب سے میں نے اجازت لے لی تھی کہ جواب کے لئے جو وقت مدرسہ نے مقرر کیا ہے وہ کافی نہیں، مجھ کو زائد وقت دیا جائے۔ چناں چہ مہتمم صاحب نے ایک نگراں مقرر کیا تھا اور وقت میں اضافہ کر دیا۔

حضرت مولانا عبدالوحید صاحب مدظلہ العالی نے ایک مرتبہ فرمایا کہ طالب علمی کے زمانہ میں بسا اوقات ایسا ہوتا کہ پوری رات مطالعے میں گزر جاتی۔ مولانا کی ذہانت اور استعداد ہمارے اطراف میں مشہور ہے۔ اسی محنت کا اثر تھا کہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ڈابھیل میں حدیث شریف پڑھانے کے لئے اصرار کیا، مگر خدمت والدین کی وجہ سے نہ جاسکے اور تقریباً تیس

سال تک صدر مدرسی کے فرائض مدرسہ اسلامیہ فتح پور میں انجام دیتے رہے۔

حضرت مولانا عجب نور صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اکثر ایسا ہوتا کہ میں عشاء کے بعد مطالعہ شروع کرتا اور فجر تک اس میں مشغول رہتا۔ اس محنت کا نتیجہ تھا کہ تمام کتابیں حفظ پڑھاتے تھے، شاید ہی کسی جگہ کتاب دیکھنے کی ضرورت پیش آتی۔

مولانا اسعد اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک نظم مطالعہ کے بارے میں ملی جو درج کی جارہی ہے۔ ؎

انسان کو بناتا ہے، اکمل مطالعہ
ہے چشم دل کے واسطے، کاجل مطالعہ
دنیا کے ہر ہنر سے ہے، افضل مطالعہ
یہ تجربہ ہے، خوب سمجھتے ہیں، وہ سبق
جو دیکھتے ہیں، غور سے اول مطالعہ
ہم کیوں مطالعہ نہ کریں، ذوق وشوق سے
کرتے نہیں ہیں، احمق واجہل مطالعہ
ناقص تمام عمر، وہ رہتے ہیں علم سے
ہوتا نہیں ہے، جن کا مکمل مطالعہ
کھلتے ہیں راز علم کے، انھیں کے قلوب پر
جو دیکھتے ہیں دل سے، مسلسل مطالعہ
اسعد، مطالعہ میں گزاروں تمام عمر
ہے علم وفضل کے لئے مشعل مطالعہ

مطالعہ سے پہلے وضو کا اہتمام کیا جائے، دعا کی جائے اور یکسوئی سے مطالعہ کیا جائے، اور ممکن ہو تو جس کمرے میں فون رکھا ہوا ہے، وہاں مطالعہ نہ کریں، یا فون پر

بات کرنے کے اوقات اس طرح مقرر کریں کہ مطالعہ کے اوقات میں کسی سے کوئی بات نہ ہو۔ تھوڑی دیر مطالعہ ہو، لیکن یکسوئی سے ہو تو وہ آپ کے لئے آپ کے گھر والوں اور شاگردوں سب کے لئے مفید رہے گا۔

اوپر گزارش کی گئی ہے کہ کامیاب مدرس کے لئے کامل مطالعہ بہت ضروری ہے۔ تکمیلِ مطالعہ کے لئے کن مراحل سے گزرنا پڑے گا؟ سادہ الفاظ میں ان کی نشان دہی کی جاتی ہے۔

۱ **جمع معلومات:** جس کتاب کا جتنا سبق پڑھنا ہے اس حصہ کی عبارت ٹھیک کی جائے، ترجمہ ٹھیک کیا جائے، اس کا مطلب سمجھا جائے، کوئی اشکال ہے تو اس کا حل نکالا جائے۔ اگر کسی دخل مقدر کا جواب ہے تو اس دخل مقدر اور سوال کو سمجھا جائے کہ وہ کیا ہے؟ یہ عبارت اس کا جواب کیسے بنتی ہے؟

غرض یہ کہ اس حصہ کی صرفی، نحوی تحقیق، صحتِ ترجمہ، متعلقات ترجمہ، اس عبارت کا نفس مطلب یہ ساری باتیں حل کر لینا، یہ مطالعہ کا پہلا مرحلہ ہے۔ اولاً آپ اتنے حصہ میں متن میں غور کریں ان سب امور کو سمجھنے کے لئے اپنا دماغ استعمال کریں۔

مدرسہ نے بارہ سال میں آپ کو عالم نہیں بنایا، البتہ علمی مہم کے لئے آپ کا دماغ تیار کیا ہے۔ لہٰذا سب سے پہلے دماغ استعمال کریں۔ اپنے دماغ سے بالکل کام نہ لینا اور سارا بوجھ کسی شرح یا حاشیہ پر ڈال دینا۔ یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ آپ اپنا دماغ استعمال کریں۔ آخر آپ کا دماغ کب کام آئے گا۔ ان معلومات میں درک فہم وہی ہے جو آپ کے دماغ نے غور کرنے کے بعد لے لیا ہے۔ محض حواشی اور شروح پر قناعت کرنا یہ تو مستعار لباس پہننے کی طرح ہے۔ آپ کا اپنا کیا ہے؟ وہ وہی ہے جہاں آپ کا دماغ پہنچا ہے۔ وہی آپ کا علم ہے۔

البتہ مذکورہ باتوں پر زور دماغ استعمال کرنے کے بعد کمی کا تدارک کرنے کے

لئے ضروری ہے کہ کسی کا تعاون حاصل کرلیا جائے، چاہے وہ تعاون حاشیہ اور بین السطور سے ہو، چاہے شرح یا کسی ماہرِ فن استاذ کی کاپی سے ہو۔ لیکن ان کا درجہ اپنے دماغ کا زور لگانے کے بعد ہے۔ اب ان حواشی و شروح کی طرف مراجعت کرنے سے آپ کے فہم کی غلطیاں نکلیں گی کہ میں نے جو سمجھا تھا، وہ ٹھیک نہیں تھا، بات تو کچھ اور نکلی، فہم کی خامیاں دور ہوں گی۔

اس مضمون کے کئی شعبوں کی طرف دماغ پہنچا نہیں تھا۔ ان معاونین نے پہنچا دیا۔ اس میدان میں کئی شیر سوئے ہوئے تھے۔ جھاڑیوں میں چھپے رہ گئے، ان معاونین نے توجہ دلا دی۔

اس ساری گفتگو کا مقصد یہ ہے کہ نہ شروح و حواشی پر اکتفاء کیا جائے اور نہ صرف اپنے زور دماغ پر، بل کہ ان دونوں کی آمیزش سے صحتِ عبارت، صحتِ ترجمہ، صحتِ فہم، مطلب اور صحتِ متعلقات سب چیزوں کو منقح کر کے جمع کرلیا جائے۔

۲ **ترتیبِ معلومات اور ضبطِ معلومات:** پہلے مرحلہ میں جو آپ نے اکٹھا کیا ہے اس کو حسن ترتیب سے اپنے ذہن میں محفوظ کریں۔ جیسے مسافر سفر پر جانے سے پہلے اپنا سامان ترتیب سے بریف کیس میں رکھتا ہے اور ہر چیز اپنے مقام پر رکھتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ذہن میں ان معلومات کو ترتیب دیں اور ان معلومات مرتبہ کو بار بار دماغ میں تازہ کریں۔ اگر اشارات مرتب کر کے کسی کاغذ پر نوٹ کرلیں تو اس ترتیب کو ذہن میں پختہ کرنے اور جمانے میں مدد مل جائے گی۔ ایسے نوٹس کے لئے ایک کاپی مستقل طور پر بنالی جائے تو بہتر ہے۔

۳ **تلاشِ تعبیراتِ حسنہ:** آپ نے معلومات جمع کر کے ان کو مرتب کرلیا ہے اور ذہن میں ان کا بار بار اعادہ بھی کرلیا ہے۔ لیکن یاد رکھیں کہ معیارِ تعلیم کو بلند کرنے کے لئے اتنی بات کافی نہیں ہے۔ ابھی ایک اہم مرحلہ باقی ہے۔ اس مرحلہ میں آپ نے موازنہ کرنا ہے کہ آج کے سبق کی معلومات، کس وزن کی ہیں؟

اور جو جماعت صبح میری مخاطب ہوگی اس کی ذہنی سطح کیا ہے، اس کی ذہنی پرواز کہاں تک ہے؟ اس کے مطابق اپنی آسان اور سہل تعبیرات تلاش کریں اور ایسی چسپاں تمثیلات تیار کریں کہ آپ کی زبان سے بات نکلتی جائے اور بڑی جلدی اور سرعت سے طالب علموں کے ذہنوں پر نقش ہوتی جائے، طلبہ سبق کو سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہ کریں۔

استاذ کی تعبیرات کئی قسم کی ہوسکتی ہیں، ایسی تعبیرات بھی ہوسکتی ہیں جو بدیہی مسئلہ کو نظری بنادیں اور ایسی تعبیر بھی ہوسکتی ہے جو نظری مسئلہ کو بدیہی میں تبدیل کر دے۔ پہلی تعبیر خامی والی ہے اور دوسری تعبیر خوبی والی ہے۔ معلم اور مدرّس کا کمال یہ ہے کہ تعبیر اتنی آسان لائے کہ کند ذہن بھی سمجھ جائے اور جامع اتنی ہو کہ کوئی متعلقہ گوشہ آپ کی تقریر سے باہر نہ رہے۔

۴ تکمیلِ مطالعہ

تکمیلِ مطالعہ کے لئے مذکورہ بالا مراحل بہت ضروری ہیں۔ اگر آپ واقعی نیک نیتی سے علم اور طلبہ علم کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ تو آپ کو ان مراحل سے گزرنا پڑے گا ورنہ علم اور طلبہ علم کی حق تلفی ہوگی۔ یک سوئی سے مطالعہ، موبائل فون کو آنسر آن یا وائس میل پر رکھ کر مطالعہ باہر کسی ایسی جگہ پر مطالعہ جہاں کسی کو پتہ نہ ہو کہ کہاں ہے۔

۵ مطالعہ میں احتیاط کا پہلو

بعض اوقات غیر اختیاری طور پر کوئی ایسا کام پیش آجاتا ہے جو مطالعہ کرنے سے مانع ہو جاتا ہے۔ سبق کے ناغہ سے بچنے کے لئے قبل از وقت یہ حکمت عملی اختیار کریں کہ اپنا مطالعہ سبق سے کافی آگے رکھیں۔ کم از کم تین چار دن کا مطالعہ آگے چلے۔ ورنہ یہ سبق کا ناغہ ہوگا یا اپنی کمی چھپانے کے لئے طلبہ کی کوئی خامی پکڑ کر

ان پر برس پڑیں گے اور یہ کہہ دیں گے کہ تم اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں پڑھایا جائے۔ اس طرح سبق کے ناغے کے ساتھ نفاق اور تلبیس بھی جمع ہو جائیں گے۔ یا پھر تکمیلِ مطالعہ کے بغیر ہی پڑھانا ہوگا۔ جس پر یقیناً آپ خود بھی مطمئن نہیں ہوں گے۔ ایسے موقع پر دو احتیاطیں کریں۔

۱ عوارضِ مطالعے سے بچنے کی پوری کوشش کریں۔

۲ مطالعہ آگے تو ضرور کریں لیکن مزید احتیاط یہ کریں کہ دو تین دن پہلے کے پرانے مطالعہ پر تدریس نہ کریں۔

بل کہ پہلے اس کی تجدید کریں۔ اگر دورانِ مطالعہ اس احتیاطی پہلو کا لحاظ رکھا جائے یعنی ہر درس کا دو مرتبہ مطالعہ کرلیا جائے، بسا اوقات دوسرے مطالعہ میں بعض غامض اور مشکل چیزیں بہت آسانی سے حل ہو جاتی ہیں تو کتاب کی کمیت اور کیفیت میں بڑا فرق پڑے گا۔

۶ سبق میں حاضری

مدرّس کا فریضہ ہے کہ درس گاہ میں وقت پر حاضر ہو اور تمام وقت طلبہ پر لگائے۔ جس جماعت کا یہ گھنٹہ ہے۔ وہ اس جماعت اور سبق کا حق ہے۔ اس میں کوتاہی کرنا حق تلفی ہے۔ تنخواہ پورے گھنٹے کی ملے گی اور اگر پورا گھنٹہ نہ دیا تو خیانت متصور ہوگی اور اتنے حصہ کی تنخواہ بھی حلال نہ رہے گی۔ ناشتہ، وضو یا غسل کریں، کپڑے تبدیل کریں۔ سب شرعی و طبعی ضروریات بہر کیف پوری کریں، لیکن اوقات مدرسہ میں درس گاہ میں پہنچنے کو یقینی بنائے رکھیں۔ تاخیر کو زندگی کا حادثہ سمجھیں معمول نہ بنائیں۔ کسی حادثہ مسرت یا حادثہ غم کا ایسا اثر اپنی طبیعت پر ظاہر نہ ہونے دیں، جو تقریر و تدریس کے نشاط میں مانع ہو۔

صاف ستھرے کپڑے اور جسم، توجہ کامل، انتہائی کیف و سرور کے ساتھ علم کے

منظم موتیوں کے ہار اپنے ذہن کے گوشے میں مرتب کر کے درس گاہ میں پہنچیں، سبق اور طلبہ پر حاوی رہیں۔ اپنی دھن میں مست اور منہمک رہیں اور طلبہ کو بھی اس دھن میں مشغول رکھنے کا اہتمام کریں۔

سبق سے قبل اگر اشراق کا وقت ہو چکا ہو تو دو رکعت نفل پڑھ لیں، جس میں تداخلِ نیات ہو یہ نفل ① صلوٰۃ التوبہ بھی ہوں کہ اے اللہ! میرے مطالعہ کی خامیاں دور کر دے، گناہوں کی ظلمات کے اثرات دور کر دے کہ وہ تقریر پر چھا نہ جائیں ② اور صلوٰۃ الحاجۃ کی بھی نیت ہو کہ میں نے جو مطالعہ کیا ہے، اس کو سہل انداز سے منتقل کرنے کی توفیق عطا فرما دے۔ ان شاء اللہ یہ سونے پر سہاگہ کا کام دے گا۔

ورنہ کم از کم استاذ باوضو ہو، وضو سے نورِ قلب حاصل ہوتا ہے، باوضو اور بے وضو پڑھانے میں زندہ اور مردہ کا فرق ہے۔ غذا وغیرہ کی ترتیب ایسی رکھیں جس سے وضو باقی رکھنے میں مدد ملے۔ جب مطالعہ کامل ہوگا اور طلبہ کو فیض پہنچانا استاذ کی زندگی کا مقصد ہوگا اور طبیعت بھی مشوش نہ ہوگی۔ مجلسِ علم بھی نشاط سے بھرپور ہوگی۔ تو سبق کا یہ کیف و سرور استاذ کو کتنا چڑھائے گا اور طلبہ کے شوق میں کیا تلاطم پیدا کرے گا؟ اور ان میں علم کی کیسی مہارت پیدا کرے گا؟ "یُذَاقُ وَلَا یُوْصَفُ" چکھنے کی چیز چکھ کر ہی معلوم ہوگی۔

طلبہ میں دل چسپی پیدا کرنا

اساتذہ کرام کو چاہئے کہ طلبہ میں دل چسپی اور شوق پیدا کرنے کے لئے سبق کو مختلف طریقوں اور عنوانات سے پڑھائے، جس سے طلبہ میں شوق و لگن اور دل چسپی پیدا ہو اور اسباق کو ایک ہی انداز میں نہ پڑھائے، جس سے طلبہ اکتا جائیں، بل کہ مختلف پیرائے اور اسلوب میں اسباق سمجھائے، تاکہ طلبہ شوق سے اسباق کو سنیں، اور

کوئی اکتاہٹ بھی محسوس نہ کریں۔

جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے مخاطب میں دل چسپی پیدا کرنے کے لئے کبھی یہ انداز اختیار فرمایا:

"مَنْ یَّاْخُذُ عَنِّیْ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ ...... الخ" مجھ سے یہ کلمات کون حاصل کرے گا؟[1] اور کبھی کبھی آپ ﷺ اس طرح دل چسپی پیدا فرماتے تھے۔

"أَلَا أُعَلِّمُكِ كَلِمَاتٍ تَقُوْلِیْنَهُنَّ عِنْدَ الْكَرْبِ"

"اے اسماء بنت عمیس میں تمہیں ایسے کلمات نہ بتاؤں! جن کو تم مصیبت کے وقت پڑھ سکتی ہو۔"[2]

کبھی آپ ﷺ نے سوالیہ انداز سے سامعین کے دل میں اس طرح شوق پیدا فرمایا: "أَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ؟" کیا تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟[3]

اور کبھی آپ ﷺ نے یوں ارشاد فرمایا:

"أَلَا أَدُلُّكَ عَلٰی بَابٍ مِنْ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ"[4]

ترجمہ: "کیا میں تم کو جنت میں جانے کا دروازہ نہ بتاؤں؟"

اور کہیں آپ ﷺ نے فرمایا:

"ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِیْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْإِیْمَانِ"[5]

ترجمہ: "جس کے اندر تین خصلتیں پائی جائیں گی، اس کو ایمان کی حلاوت محسوس ہوگی۔"

اس روایت میں آپ ﷺ نے حد بندی کے ذریعہ سے مخاطب کے دل

[1] ترمذی، کتاب الزهد، باب من اتقی المحارم فهو اعبد الناس، رقم: ۲۳۰۵
[2] ابوداؤد، کتاب الوتر، باب فی الاستغفار رقم: ۱۵۲۵
[3] مسلم، کتاب البر والصلة والاداب، باب تحریم الظلم: ۳۲۰/۲
[4] ترمذی، کتاب الدعوات، باب فی فضل لا حول ولا قوة الا بالله: ۱۹۹/۲
[5] بخاری، کتاب الایمان، باب حلاوة الایمان: رقم: ۱۶

میں جستجو پیدا فرمائی۔

الغرض آپ ﷺ نے اپنے اصحاب کو مختلف انداز میں کبھی استفسار ...... کبھی استفہام...... کبھی قیاس کے اسلوب اختیار کر کے تعلیم دی ہے...... کبھی نمبروار عدد بیان کر کے سوال فرمایا اور کبھی ایک بات کو تقطیع یعنی قطعات اور اجزا میں تقسیم فرما کر سمجھایا تاکہ بات ان کی سمجھ میں آئے، سننے کا شوق پیدا ہو اور عمل کرنے میں آسانی ہو۔

لہٰذا اساتذہ کرام کا کمال یہ ہوگا کہ وہ ایسی محنت کرے کہ جو فن ان کو پڑھانے کے لئے دیا گیا ہے اس میں دل چسپی پیدا ہو، پھر ان شاء اللہ یہ شکایت نہیں رہے گی کہ ① طلباء کام نہیں کرتے، ② یا غیر حاضریاں کرتے ہیں، ③ یا توجہ سے نہیں سنتے۔ جو استاذ حضور اکرم ﷺ کے اس مبارک طریقے پر عمل کر کے طلبہ کے لئے درس کو دل چسپ بنائے گا وہ سنت کا ثواب پائے گا۔

طلبہ سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آنا

اساتذہ کو چاہیئے کہ طلبہ کے ساتھ ہنس مکھ لہجے میں بات کریں اور جب ملاقات ہو تو مسکراتے ہوئے چہرے سے ملیں، نرم میٹھی زبان سے خیریت وغیرہ دریافت کریں۔

یہ انداز طلبہ پر بڑا موثر ہے، خاص طور سے غریب طلبہ پر، اس سے ان کا دل جیتا جا سکتا ہے اور ان کے اندر موجود غم و پریشانی کو دور کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اساتذہ کو چاہیئے کہ طلبہ کے سامنے اپنے آپ کو بہت بڑا نہ سمجھے، بل کہ ان سے تواضع اور عاجزی سے پیش آنا چاہیئے اس سے طلبہ کے دل میں استاذ کا ادب و احترام جاگزین ہوتا ہے۔ مزید اس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ طلباء میں عاجزی انکساری پیدا ہوتی ہے۔

اساتذہ، خاص طور پر ناظم تعلیمات کی قوتِ فراست ایسی ہونی چاہیئے کہ طلبہ کے چہرے دیکھ کر ان کی حالت پہچان لے، اگر کوئی پریشانی ہے تو انہیں تسلی دے اور اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو ان کی ضرورت کو پوری کرے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ شدتِ بھوک سے نڈھال ہو کر راستہ میں بیٹھ گئے ...... جب آپ ﷺ کا وہاں سے گزر ہوا تو آپ نے ان کو دیکھتے ہی پہچان لیا، مسکرائے اور اپنے ساتھ لے گئے، آپ ﷺ کے پاس کسی کا دودھ بطور ہدیہ موجود تھا، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا: اصحاب صفہ کو بلاؤ اور ان کو دودھ پلاؤ، ان کے پینے کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا: بیٹھ کر تم بھی پیو، اس کے بعد آپ ﷺ نے باقی ماندہ دودھ پیا۔[1]

طلبہ کے ساتھ حکمت سے پیش آنا

اساتذہ کرام کو چاہیئے کہ طلبہ کے ساتھ ہر معاملہ میں حکمت و مصلحت سے پیش آئیں، تاکہ ادارہ میں کسی قسم کی بدمزگی اور نامناسب حالات پیش نہ آئے۔ اور اگر ایسے حالات پیش آئیں تو اساتذہ اپنی حکمت و دانائی سے اس مسئلہ کو حل کریں تاکہ طلبہ کے درمیان کسی قسم کا انتشار پیدا نہ ہو اور اسباق و مطالعہ میں یکسوئی برقرار رہے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ کی خدمت میں کہیں سے ہدیہ میں دودھ آیا اور آپ ﷺ کے دائیں جانب ایک اعرابی، بائیں جانب بڑے صحابہ تشریف فرما تھے، آپ ﷺ نے دودھ کا پیالہ اعرابی کو دے دیا۔[2]

اسی طرح اور ایک مرتبہ آپ ﷺ کے پاس کہیں سے دودھ آیا آپ کے

[1] بخاري، كتاب الرقاق، باب كيف كان عيش النبي واصحابه وتخليهم عن الدنيا، رقم: ٦٤٥٢

[2] بخاري، كتاب الاشربة، باب الأيمن فالأيمن في الشرب، رقم: ٥٦١٩

دائیں جانب ایک لڑکا (ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا) تھا اور بائیں جانب کبار صحابہ تشریف فرما تھے، آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اس لڑکے سے اجازت چاہی کہ کیا تم سے پہلے ان بڑوں کو دے سکتا ہوں؟[1]

مذکورہ دونوں حدیثوں میں آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے بصیرت، حکمت و دانائی سے دونوں کی حالت کی رعایت کرتے ہوئے اعرابی سے اجازت نہیں چاہی اور لڑکے (ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا) سے اجازت چاہی۔

ڈاکٹر فضل الٰہی علامہ قرطبی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی کے حوالہ سے ان دونوں واقعہ کے درمیان فرق بیان کرتے ہیں:

"إِنَّمَا اسْتَأْذَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْغُلَامَ، وَلَمْ يَسْتَأْذِنِ الْأَعْرَابِيَّ فِي الْحَدِيْثِ الآخَرِ، وَبَدَأَ بِهِ قَبْلَ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ بِمَا عَلِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ حَالِ الْغُلَامِ أَنَّ ذٰلِكَ الإِسْتِيْذَانَ لَا يَخْجَلُهُ وَلَا يَنْفِرُهُ لِرِيَاضَتِهِ وَحُسْنِ خُلُقِهِ وَلِيْنِهِ، بِخِلَافِ الْأَعْرَابِيِّ، فَإِنَّ الْجَفَاءَ وَالنُّفْرَةَ غَالِبَةٌ عَلَى الْأَعْرَابِ، فَخَافَ عَلَيْهِ أَنْ يَصْدُرَ مِنْهُ سُوْءُ أَدَبٍ"۔[2]

یعنی "آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے غلام کے حسن اخلاق اور نرم طبیعت کی بناء پر ان سے اجازت لی، بخلاف دیہاتی کے، اس لئے کہ دیہاتیوں میں عموماً ضدی پن غالب ہوتا ہے، اس لئے ان سے اجازت نہیں چاہی اگر اجازت چاہتے تو اس سے بے ادبی صادر ہو جاتی۔"

فَائِدَہ: ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص کو ایک لاٹھی سے نہ ہانکا

[1] بخاري، كتاب الأشربة، باب هل يستاون الرجل من عن يمينه: ۸۴۰/۲

[2] النبي الكريم معلما: ص ۲۳۰

جائے، ہر طالب علم پر ایک ہی اصول نہ نافذ کیا جائے، بعض طلبہ صرف سمجھانے پر سمجھ جاتے ہیں، بعض کے لئے تنہائی میں ڈانٹ کافی ہو جاتی ہے، بعض کے لئے درس گاہ میں رعب جمانا کافی ہو جاتا ہے۔

مفلس طلبہ کی، مالی مدد کرنا

بعض طلبہ دیہات اور گاؤں سے علم دین حاصل کرنے کے لئے آئے ہوئے ہوتے ہیں جو مالی اعتبار سے بہت کمزور اور غریب ہوتے ہیں۔ لہٰذا اساتذہ کرام کو چاہیے کہ ایسے طلبہ کی مالی مدد بھی کیا کریں۔

عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی بڑے مشہور محدث تھے۔ شام کے شہر طرسوس میں ان کا آنا جانا لگا رہتا تھا، عموماً "رقہ" نامی جگہ پر قیام ہوتا۔ وہاں ایک نوجوان ان کے پاس آتا، ان کی خدمت کرتا، ان کے ضروری کام نمٹاتا، اور ان سے حدیث کا درس لیتا۔ اس طرح اس سے انہیں اچھا خاصا انس ہو گیا۔ ایک دفعہ تشریف لائے تو خلاف معمول وہ نوجوان نظر نہ آیا۔ جلدی میں تھے، قافلے کے ساتھ نکل گئے۔ کچھ دنوں کے بعد واپس آئے تو آتے ہی لوگوں سے اس نوجوان کے بارے میں پوچھا۔ لوگوں نے بتایا کہ نوجوان مقروض تھا، جب قرض واپس نہ کر سکا تو قرض خواہوں نے اس پر مقدمہ کر دیا، چناں چہ اب وہ جیل میں ہے۔ سوال کیا کہ نوجوان پر کتنا قرض تھا۔ بتایا گیا کہ دس ہزار درہم تھا۔

اب عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اس آدمی کو تلاش کرنا شروع کیا جس کا اس نوجوان کے اوپر قرض تھا۔ رات گئے اس آدمی سے رابطہ ہو سکا، اس کو بلوایا، علیحدگی میں لے گئے اور کہنے لگے: میں تمہیں اس نوجوان کا قرض واپس کرنا چاہتا ہوں، مگر اس کے لئے ایک شرط ہے۔ اس نے پوچھا: کیا شرط ہے؟ کہا: جب تک میں زندہ ہوں، اس نوجوان کو پتا نہیں چلنا چاہیے کہ اس کا قرض کس نے واپس

کیا ہے۔

اس نے کہا: مجھے کیا اعتراض ہے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ کسی کو نہیں بتاؤں گا۔ چناں چہ عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اس کو دس ہزار درہم ادا کر دیئے۔ چوں کہ رات کا وقت تھا اس لئے اس نوجوان کی قید سے رہائی کے امکانات اگلے دن ہی ممکن تھے۔ خود عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اسی رات اس شہر سے اگلے سفر پر تشریف لے گئے۔

اگلے دن اس نوجوان کو قید خانے سے رہا کر دیا گیا۔ اسے جب معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ ادھر ہی تھے اور اس کے بارے میں پوچھ رہے تھے تو ان کی محبت نے جوش مارا اور وہ اپنے استاذ کو تلاش کرنے لگا۔ پوچھتا ہوا اگلی بستی میں ان سے جا ملا۔ انہوں نے پوچھا: نوجوان! تم کہاں تھے؟

میں تمہاری بستی میں تھا، نظر نہیں آئے۔ اس نے کہا: اے عبدالرحمٰن! میں قرض کی مصیبت میں پھنس گیا تھا، اس لئے مجھے جیل جانا پڑا۔ عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے پوچھا: مگر یہ تو بتاؤ کہ تم جیل سے کیسے رہا ہوئے؟

نوجوان نے تفصیل بتائی: کوئی اللہ کا نیک بندہ تھا، میں اسے نہیں جانتا۔ اس نے میرا قرض ادا کر دیا تو میرا مقدمہ واپس ہو گیا اور مجھے جیل سے رہائی ہو گئی۔

عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کہنے لگے: میرے عزیز! اس شخص کے لئے دعا کرو اور اللہ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہیں جیل سے رہا کیا ہے۔ اس نوجوان کو انہوں نے احساس تک نہ ہونے دیا کہ اس کا قرض انہوں نے ادا کیا ہے۔ اسے قید خانے سے اپنی رہائی کی وجہ کا علم اس وقت ہوا جب عبداللہ بن مبارک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔[1]

بلاشبہ اللہ کے نیک بندے خفیہ طریقے سے لوگوں کی مدد کرتے ہیں اور اس

[1] سیر اعلام النبلاء: ۸/۳۸۶

حدیث کے مصداق ہو کر ان کو اجر و ثواب ملتا ہے، جس میں آپ ﷺ نے فرمایا:

"قیامت کے دن سات قسم کے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائیں گے جس دن اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ان میں ایک خوش قسمت وہ آدمی بھی ہوگا جس نے صدقہ کیا تو اس کو چھپا کر دیا۔ حتیٰ کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی پتا نہ چلا کہ اس نے دائیں ہاتھ سے کیا خرچ کیا ہے۔"[1]

صدر وفاق المدارس (حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صاحب مدظلہم)
کی چند قابل تقلید ہدایات

جامعہ فاروقیہ کراچی میں اسباق کا آغاز ہوا تو حضرت صدر صاحب مدظلہم نے ابتدائیہ سے لے کر خامسہ تک کے درجات کو پڑھانے والے مدرسین کا ایک اجلاس بلایا جس میں آپ نے اپنے طویل تجربات، فن تدریس کے اتار چڑھاؤ سے گہری واقفیت، کتب درس نظامی کے وسیع مطالعے اور کامل ممارست کی روشنی میں پرانے اور نئے مدرسین کے سامنے چند باتیں فرمائیں جو تعلیم و تعلم کے ایک باقاعدہ نظام اور منضبط طریق کے اشارے اور اجمالی خاکے کی حیثیت رکھتی ہیں۔ ہم نے افادۂ عام کے لئے ذیل میں حضرت والا کے ان فرمودات کو جا بہ جا اپنے وضاحتی اور تبصراتی جملوں کے ساتھ یوں مرتب کیا ہے:

(1) ہر سبق کے لئے متعلقہ استاذ پہلے سے مضبوط مطالعہ کرے اور ہر کتاب کے روز مرہ سبق کے لئے ابتدا ہی سے اندازہ لگا کر ایک مناسب مقدار مقرر کی جائے، پھر اس ہر روز کے سبق کو درس گاہ جانے سے پہلے استاذ خود پوری طرح سمجھ کر اسے اپنے دماغ میں محفوظ کرے اور پھر ایک آدھ مرتبہ طلبہ کو اپنے سامنے بیٹھا متصور کر کے اسے باآواز دہرائے، اس عمل کے بعد استاذ کی ایک تو اپنے سبق پر گرفت انتہائی

[1] بخاري، كتاب الأذان، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة وفضل المساجد: رقم: ٦٦٠

مضبوط ہو جاتی ہے اور وہ بلا جھجک اپنے تلامذہ کو سمجھانے کی قدرت حاصل کر لیتا ہے اور ساتھ ہی اپنے سبق کی صحت وسقم کا بھی اسے کافی اندازہ ہو جاتا ہے۔ جس کے بعد وہ اسے مزید مہذب اور مفید بنا سکتا ہے۔

۲ استاذ اپنے سبق کی تقطیع کرے یعنی اسے قطعات اور اجزاء میں تقسیم کرے، مثلاً: ”آج کے سبق میں چار باتیں بتائی جا رہی ہیں“ پھر پہلی دوسری تیسری اور چوتھی بات بالترتیب سمجھائے۔

۳ تقریر کو عبارت پر منطبق کیا جائے یعنی استاذ جو باتیں طلبہ کو اوپر بتاتا ہے نیچے کتاب کی عبارت پر بھی، وہ اسے منطبق کرے اور طلبہ کو بتائے کہ صاحب کتاب نے یہاں سے لے کر یہاں تک یہ بات یوں بتائی ہے اور یہاں سے لے کر یہاں تک یہ بتایا ہے، اس طریقے کی ایک تو اس واسطے ضرورت ہے کہ بعض لوگ جو تدریس اور تفہیم کی فطری صلاحیت سے محروم ہوتے ہیں، خواہ مخواہ کی باتیں رٹ کر طلبہ کو سناتے ہیں، جن کی کتاب کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں ہوتی، اور پھر وہ حل عبارت کے لئے ناکافی ہوتی ہیں، اس سے طلبہ کی حق تلفی ہوتی ہے اور ان کا وقت ضائع ہوتا ہے لہٰذا مذکورہ عمل اس وبا کی روک تھام میں معاون ثابت ہوگا اور پھر اگر خارجی تقریر کی داخل (اندرون) کتاب سے مطابقت بھی ہو تو بھی اس کی تطبیق کے بغیر طلبہ میں فہم کتاب اور حل عبارت کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی جو مقصود اولیٰ ہے۔

۴ تمام فنون کی ابتدائی کتب (جو تقریباً درجہ رابعہ اور اس سے نچلے درجات میں پڑھائی جاتی ہیں) میں بالخصوص اور دیگر کتب میں بالعموم کتاب کی عبارت سے باہر جانے کی بالکل کوشش نہ کی جائے، بل کہ صرف حل عبارت پر توجہ دی جائے خاص طور پر نحو میر، میزان (یا درجہ اولیٰ میں نحو وصرف کی جو بھی کتاب پڑھی جائے) ہدایۃ النحو، علم الصیغہ، قدوری، کافیہ اور اصول الشاشی وغیرہ میں لمبے چوڑے خارجی مباحث سے طلبہ کے ذہنوں کو مشوش کرنے سے لازمی طور پر اجتناب کیا جائے۔

۵ درج بالا ابتدائی کتابوں میں مذکورہ قواعد اور مسائل سہل اور بے غبار انداز میں طلبہ کو پڑھائے جائیں اور پھر عام فہم داخلی وخارجی امثلہ (خارجی مثالوں اور خارجی مباحث میں فرق ملحوظ رکھا جائے) سے انہیں سمجھانے کی کوشش کی جائے۔

۶ ترجمہ اور تفسیر قرآن پڑھانے والے اساتذہ، طلبہ کو لفظی ترجمہ سمجھانے کا اہتمام کریں اور ساتھ ہی مقصود قرآن اور حق تعالیٰ شانہ کی مراد کو بیان کرنے کا التزام ہو یعنی یہ بتایا جائے کہ قرآن کس جگہ کیا کہنا چاہ رہا ہے اور اس کا مقصود و مدعا کیا ہے۔

۷ طلبہ سے عبارت پڑھوائیں اور ان کی عبارت صحیح کرانے کی طرف توجہ دیں کیوں کہ عبارت سمجھے بغیر تقریریں یاد کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

۸ قدوری میں طلبہ کو صرف صورۃ مسئلہ، اس کا حکم اور مختصر دلیل بتایا کریں اور کنز میں ذرا آگے بڑھ کر اس کی علت بیان کریں اور تعارضِ ادلہ، تطبیقِ اقوال، اسباب ترجیح اور اس طرح کی دیگر تفصیل طلب گتھیاں سلجھانے سے انہیں بالکل پریشان نہ کریں کہ ابھی وہ اس کی فہم وضبط کی حد تک نہیں پہنچے ہیں۔

۹ استاذ اپنے مقررہ وقت پر درس گاہ جایا کرے اور مقررہ وقت پر ہی درس گاہ سے اٹھے۔ وقت کی پابندی نہ کرنا دیانت داری کے خلاف اور موجب گناہ بھی ہے، اس سے استاذ کا وقار بھی متاثر ہوتا ہے، طلبہ کے ذہنی انتشار، تکاسل اور بے توجہی کا بھی باعث ہے اور عموماً وقت کم رہ جانے کے سبب سبق بھی شایان شان نہیں ہو پاتا۔ لہٰذا پورا پیریڈ درس گاہ میں گزارا جائے اور فاضل وقت میں طلبہ سے آموختہ سنا جائے یا انہیں کوئی مفید نصیحت کی جائے۔

درس وتدریس کا ذوق رکھنے والے اس کی فنی باریکیوں کے رمز آشنا اور افادے واستفادے کے طریق وتقاضوں سے واقفیت رکھنے والے حضرات، حضرت شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب (صدر وفاق المدارس العربیہ) کے بتائے

ہوئے یہ چند نکات وارشادات ملاحظہ فرما کر بتا سکتے ہیں کہ ایک کہنہ مشق اور نباض فن مدرس نے کس حسین پیرائے میں فنِ تدریس کی موجودہ اور ممکنہ کوتاہیوں کا احاطہ فرما کر، ایک مفید وموثر طریق اپنانے کی ضرورت پر زور دیا ہے اور اس کی کس قدر عمدہ ترکیب وتخطیط کی طرف رہنمائی فرمائی ہے، چناں چہ فرمایا:

"یقیناً نصاب بہتر بنائے جانے کے بعد اگر طریقۂ تعلیم وتدریس کی طرف بھی شایانِ شان توجہ دی جائے اور کم از کم مذکورہ بالا ہدایات پر بالالتزام عمل کیا جائے تو دینی مدارس کی افادیت دوبالا ہو جائے گی، ان کی خدمات، واثرات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہو جائے گا اور ان کے مطلوبہ اہداف کے حصول کا تناسب تیزی سے بڑھنا شروع ہو جائے گا اور اگر خدانخواستہ رسمی انداز پر اکتفا کیا گیا، بے سوچے سمجھے تقریریں رٹنے اور سنانے کی عادت برقرار رہی اور وہی ابتدائی طلبہ کو مبادیات سمجھانے سے قبل، مطولات میں الجھانے کی روش جاری رہی، لاطائل تقریروں اور لاحاصل قیل وقال سے نوآموزوں کو مرعوب کیا جاتا رہا، ہوائی تقاریر کو طلبہ کے سروں کے اوپر سے گزارا جاتا رہا تو ذہین اور زود فہم طلبہ کے علاوہ طلبہ کا عمومی مجمع اور اکثریتی تعداد مطلوبہ معیار کے قریب بھی نہیں آسکے گی۔ نصاب میں لاکھ تبدیلیوں کے باوصف استعدادیں روز بہ روز گرتی چلی جائیں گی، طلبہ کا معیار مسلسل انحطاط پذیر رہے گا۔ مدارس کی طرف نئی نسلوں کا رجحان کم سے کم ہوتا جائے گا اور اگر کم نہیں ہوگا تو کوئی خاص اضافہ بھی اس میں نہیں ہوگا، مدارس سے تعلیم پانے والے لوگوں میں صالح معاشرے تشکیل دینے اور قوم وملت کی تقدیر بدلنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوگی۔ اور نہ ہی ان میں سلف صالحین کی طرح تاریخ کا دھارا موڑنے والے کردار جنم لے سکیں گے۔ مدارس دینیہ سے اگر یہ مقاصد حاصل نہیں ہوں گے تو پھر کس ادارے سے یہ توقع رکھی جائے کہ وہ اس حوالے سے مسلمانوں کی کوئی خدمت کر سکے گا۔"

لہٰذا ہمارے ارباب مدارس اور خود مدرس طبقہ حضرت صدر وفاق المدارس

العربیہ کی ان ہدایات پر عمل کر کے مدارس دینیہ اور اسلامی تعلیم کی ترقی، اسلامی معاشرے کی تشکیل، اپنے ہم وطنوں کی دینی اصلاح اور قوم کی افکار، عادات اور اخلاقیات کی صالح تعمیر کے لئے پوری تندہی، سمجھ داری اور ذمہ داری سے اپنی خدمات پیش کریں اور طریق تعلیم وتدریس کو بہتر سے بہتر بنا کر موجودہ نصاب تعلیم کو زیادہ سے زیادہ نتیجہ خیز بنائیں۔ [1]

کامیاب مدرّس عالم اور طریقۂ تدریس

ازقلم...... محدث العصر حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی

مدارس عربیہ کا نصاب تعلیم جس طرح محتاج اصلاح ہے اس سے کہیں زیادہ نظامِ تعلیم کی اصلاح کی حاجت ہے، نظام تعلیم سے میری مراد ایک وسیع مفہوم ہے جس میں طلبہ کی تربیت ونگرانی، طلبہ کا علمی معیار، طلبہ کا اخلاقی معیار، تدریس کا طریقہ، (کن کن مضامین پر زیادہ توجہ دینے کی ضرورت) طلبہ کی ذہنی تربیت کے لئے کیا کیا ذرائع اختیار کئے جائیں؟ طلبہ میں علمی استعداد پیدا کرنے کے لئے ترغیب وترہیب کے کیا کیا وسائل ہونے چاہئیں؟ غرض صلاح وتقویٰ، علمی معیاری قابلیت، اخلاص وعمل کی روح پیدا کرنے کے لئے کن کن تدابیر کو کام میں لایا جائے؟ جب تک طلبہ کے قلوب میں امراض نہیں تھے، دماغوں میں جدوجہد کا جذبہ موجود تھا، طبیعتیں علمی مسابقت سے سرشار تھیں، اساتذہ میں اخلاص وتعلق مع اللہ کی روح جلوہ گر تھی اور تعلیم وتعلّم دونوں کا مقصد خدمتِ علم وخدمتِ دین تھا یا کم از کم حصولِ علم میں تو ان تدابیر کی حاجت نہیں تھی، لیکن نقطۂ خیال بدل گیا تعلیم کا مقصد حصولِ سند ہے یا حصولِ ملازمت، اساتذہ میں وہ روح نہ رہی، ان کا مقصد مشاہرہ کا حصول یا مہتمم کو خوش کرنا یا پھر طلبہ سے خراج تحسین کی سند حاصل کرنا، جب یہ امراض پیدا ہو گئے تو اب ضرورت ہے کہ انتہائی دل سوزی اور جاں فشانی کے ساتھ

[1] بشکریہ۔ ماہنامہ وفاق المدارس صفر المظفر ۱۴۲۵ھ

اس کے علاج کی طرف توجہ کرنی چاہئے، سابق الذکر امور میں سے ہر ایک کافی تفصیل طلب ہے لیکن نظامِ تعلیم کی اصلاح کے لئے یہاں چند اہم ترین امور کی اصلاحی تدابیر کا اجمالی خاکہ پیش کرنا ہے۔

(۱) مدرّسین حضرات کا طریقہ تدریس یہ ہونا چاہئے کہ:

(الف): کتاب کی مشکلات کو سادے الفاظ میں اور اختصار کے ساتھ حل کرنے کی کوشش۔

(ب): تعبیر کے لئے عمدہ دل نشین واضح طریقہ اختیار کریں۔

(ج): کتاب کے حل کرنے میں قطعاً تسامح سے کام نہ لیا جائے۔

(د): حل کتاب کے بعد فن کی مہمات پر طلبہ کو متوجہ کیا جائے۔

(ہ): جس مشکل کی شرح کسی نے عمدہ کی ہے ان کا حوالہ دیا جائے اور طلبہ کو ان مأخذ سے روشناس کرایا جائے تاکہ مستعد وذہین طلبہ اپنی معلومات کو آگے بڑھا سکیں۔

(و): فضول وبے کار مباحث میں طویل طویل تقریر کر کے طلباء سے دادِ تحقیق حاصل کرنا یہ تدریس کا سب سے بڑا فتنہ ہے اس کو ختم کرنا چاہئے۔

(۲) کتابوں کے اختتام، اور اوّل سے آخر تک تعلیم میں تطابق (یکسانیت ہو)، جو کتابیں ایسی ہیں جن کا ختم کرنا ضروری ہے پوری توجہ کرنی چاہئے کہ کتاب ختم ہوجائے، کوئی بحث رہ نہ جائے، جب تک کتاب ختم نہ ہو اس کا امتحان نہ لیا جائے بل کہ تا اختتامِ کتاب سالانہ امتحان مؤخر کیا جائے، اور اس شکل پر قابو پانے کے لئے کتابوں کو تین حصوں پر تقسیم کرنا چاہئے کہ سہ ماہی، شش ماہی، سالانہ امتحان تک کہاں سے کہاں تک کتاب پہنچ جانی چاہئے، اس کا شدت سے انتظام کیا جائے، ایسا نہ ہو کہ ابتداء میں ماہ دو ماہ بڑی بڑی تقریریں ہوں اور آخر میں صرف ورق گردانی ہو (جیسا کہ ہدایہ، مشکوٰۃ اور درجہ ثامنہ کی کتابوں کے ساتھ کیا جاتا ہے) جس نے علم کی ریڑھ کی ہڈی توڑ دی ہے۔

(۳) جو اساتذہ جن کتابوں کے لئے زیادہ موزوں ہوں علمی استعداد اور طبعی رجحانات کے اعتبار سے تقسیم اسباق میں اس کا خیال ضرور رکھا جائے۔

(۴) ابتدائی دو سال کی تعلیم میں نتائج امتحانات میں نہایت سختی کی جائے، ناکام کو قطعاً کسی مراعات کی بنا پر کامیاب نہ بنایا جائے، وسط اور انتہائی تعلیم میں معقول اعذار کی بنا پر تسامح قابل برداشت ہے لیکن ابتدائی تعلیم میں ہرگز ایسا نہ کیا جائے۔

(۵) ابتدائی تعلیم اچھے اور تجربہ کار اساتذہ کے حوالہ کرنی چاہئے جو مسائل کو عمدہ اور مفید ترین طریقے پر ذہن نشین کرنے کی قابلیت رکھتے ہوں، الغرض ابتدائی تعلیم کی عمدگی وپختگی پر بے انتہا توجہ کی ضرورت ہے، اگر اعلیٰ تعلیم کے اساتذہ کو ابتدائی درجہ کا کوئی سبق بھی دیا جائے تو اس میں بہت فوائد ومصالح ہیں۔

(۶) مدرّسین کو اسباق اتنے دیئے جائیں تاکہ وہ مطالعہ وتدریس کی ذمہ داری پر صحیح طریقے سے عہدہ برآ ہوسکیں، جس کا اجمالاً اندازہ یہ لگایا جاسکتا ہے کہ ابتدائی درجہ کے اساتذہ کے پاس زیادہ سے زیادہ پانچ گھنٹے تعلیم کے لئے ہوں، متوسط درجات کے لئے چار گھنٹے اور آخری درجات کے لئے تین گھنٹے۔

(۷) اساتذہ ایسے رکھے جائیں جو ہمہ تن مدرسہ سے وابستہ ہوں، ایسا نہ ہو کہ صرف دو تین گھنٹے کا رسمی تعلق ہو یا کہیں اور ملازم ہوں، مدرسہ کے مصالح کے پیشِ نظر یہ صورت بہت اہم وقابل توجہ ہے۔

(۸) اساتذہ کے انتخاب میں حسبِ ذیل معیار انتخاب ہوں:

(۱) اخلاص۔
(۲) تقویٰ وصلاح۔
(۳) اعلیٰ قابلیت۔
(۴) تدریس سے شوق۔
(۵) اس فن سے مناسبت جو استاذ کو حوالہ ہوں۔

(۶) مدرسہ کے نظام سے وابستگی۔

(۷) طلبہ کے تعلیمی واخلاقی معیار کو بلند کرنے کا جذبہ۔

مفوضہ کتابوں کی تدریس میں اعلیٰ درجہ کی مہارت رکھتے ہوں جس کا حاصل یہ ہے کہ استعداد بہت اعلیٰ ہو اور جن علوم کو پڑھاتے ہوں ان سے شغف وطبعی مناسبت ہو، غرض یہ کہ محض وقت گزارنا یا معاش کی ضرورت کو پورا کرنا مقصد نہ ہو، یہ سب باتیں بہت اہم ہیں، ان میں سے کسی ایک بات کی بھی کمی ہو تو صحیح کام نہ ہو سکے گا۔

(۹) اساتذہ کو فن کی اعلیٰ کتابوں کی طرف مراجعت کرنی چاہئے تاکہ عمدہ معلومات طلبہ کے لئے فراہم کرسکیں، الغرض مطالعہ وجدوجہد ضروری ہے تن آسانی وراحت کوشی سے صرف سابقہ معلومات پر اکتفا نہ کرنا چاہئے، طلبہ کے اندر اعلیٰ علمی معیار پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ اساتذہ اس معیار کے ہوں۔

(۱۰) جہاں تک مقدرت ہو طلبہ کو راحت وآسائش پہنچائی جائے اور طلبہ اتنے رکھے جائیں جن کی عمدہ خدمت ہو سکے، لیکن اس کے ساتھ ان کی علمی نگرانی، درس میں حاضری، رات کا مطالعہ، امتحان میں سختی، ان سب باتوں میں کوئی رعایت یا مسامحت اختیار نہ کی جائے، باقاعدہ طلبہ کے احوال کا تفقد رکھا جائے اور اس کے لئے انتظام ہو، اگر کوئی طالب علم سہ ماہی میں ناکام ہو تو اس کا کھانا بند کردیا جائے، اور اگر ششماہی میں بھی ناکام ہو تو آخر سال تک مزید موقع دیا جائے، اگر سالانہ امتحان میں بھی نتیجہ ساقط رہا تو اس کو علیحدہ کردیا جائے، ان امور میں تسامح ومراعات کرنا علم کو دفن کرنے کے مترادف ہے۔

(۱۱) ابتدائی درجہ عربی کے طلبہ کا ماہانہ امتحان لازمی قرار دیا جائے، مقدار خواندگی متعین کی جائے، کوشش ہو کہ اس حد تک کتاب پہنچ جایا کرے۔

(۱۲) ہر درجہ کے مناسب مطالعہ کے لئے کوئی نہ کوئی کتاب منتخب کرکے متعلم کو دی

جائے اس کتاب کا امتحان سالانہ لازمی قرار دیا جائے۔

(۱۳) طلبا کی اخلاقی نگرانی، عادات کی اصلاح، دینی وضع کی پابندی بے حد ضروری ہے، باجماعت نماز کی پابندی سیرت وصورت کی تربیت واصلاح کی طرف پوری توجہ ہونی چاہئے، ان امور میں تسامح سم قاتل ہے، غیر ذکی طالب علم اگر محنتی ہو وہ صالح ہو اس کو برداشت کیا جاسکتا ہے لیکن ذکی بدشوق وبداطوار ہرگز رعایت کے مستحق نہیں۔

(۱۴) مدرسہ کے ضوابط ایسے ہوں کہ طلباء خودبخود دینی وضع، صالحین کے شعار، پوشاک، خوردونوش ومعاشرت وعبادت میں پابند ہوجائیں۔

(۱۵) امتحانات میں مسابقت وتقدم کے لئے ترغیبی وظائف رکھے جائیں، سالانہ امتحان میں اعلیٰ کامیابی پر انعامات مقرر کئے جائیں، انعامات میں بجائے نقد رقوم کے عمدہ عمدہ کتابیں دی جائیں، اگر انعامی کتب میں ان کی علمی استعداد وطبعی خصوصیت کی رعایت رکھی جائے تو اور سونے پر سہاگہ کا کام دے گی، مثلاً حدیث میں اعلیٰ کامیابی پر حدیث کی کوئی عمدہ کتاب تفسیر میں اعلیٰ کامیابی پر تفسیر کی اعلیٰ کتاب دی جائے۔

(۱۶) ہر سال کے امتحانات میں ایک پرچہ امتحان کا ایسا ہو جس سے عام اہلیت وقابلیت وعلمی استعداد کا پتہ چلے کسی خاص کتاب سے تعلق نہ ہو، آخری فراغت علوم کے امتحان میں یہ تشخیص بہت ضروری سمجھی جائے۔

(۱۷) عربی ادبی زبان کی قابلیت مقاصد تعلیم میں شامل کرنی چاہئے، ابتداء سے عربی انشاء نویسی کی مشق وتمرین کا سلسلہ جاری رکھنا چاہئے ایک گھنٹہ مخصوص تحریر عربی کا ہو جو ہر درجہ میں لازمی ہو، تین سال تعلیم حاصل کرنے کے بعد چوتھی جماعت میں تدریس کی زبان عربی ہو، مدرس عربی میں پڑھائے، طلبہ واساتذہ کے سوالات وجوابات کا سلسلہ بھی عربی میں ہونا چاہئے۔

۱۸ طلباء میں عربی ادب ذوق پیدا کرنے کے لئے عربی مجلات وصحف وجرائد کا اجراء لازمی ہے اور ایک دارالمطالعہ کا قیام اس مقصد کے لئے ضروری ہے۔

۱۹ طلبہ میں تقریر وخطابت کی روح پیدا کرنے کے لئے ہفتہ وار جمعہ کی رات تقریر کرنے کے لئے مجلسیں قائم کی جائیں، ہر درجہ کے طلبہ کے لئے علیحدہ مجلس تربیت ہو اور ہر ایک مجلس کی نگرانی وتربیت ایک استاذ کے سپرد ہو، آخری تقریر استاذ کی ہو، ہر جلسہ کے لئے تقریر کا موضوع متعین ہو اور آخری استاذ کی تقریر میں تقاریر پر تنقید وتبصرہ ہو، ہر ہفتہ وار مجلس کا وقت کم از کم تین گھنٹہ ہو۔

۲۰ مدرسے میں طلبہ کی تکثیر جماعت وتکثیر افراد کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، کمیت قابل التفات نہ ہو بل کہ کیفیت پر توجہ مرکوز رکھی جائے، مستعدین کی قلیل جماعت غیر مستعد نااہل کے جم غفیر سے زیادہ قابل قدر سمجھی جائے، ارباب مدارس کو تکثیر سواد کے تنافس سے بے حد نقصان پہنچا، دس صحیح طالب علموں پر سالانہ بیس ہزار کا خرچ قابل برداشت ہونا چاہئے، لیکن سو نااہلوں پر بیس ہزار کا خرچ بھی قابلِ مواخذہ ہے، الغرض خطرناک وبا کی شکل میں مدارس عربیہ دینیہ میں یہ مرض پیدا ہوگیا، اس کے علاج وتدارک کی طرف پوری توجہ کی ضرورت ہے۔

۲۱ نظام تعلیم میں عوام کو مدرسے کی امداد پر مائل کرنے کے بجائے علم ودین کی خیر خواہی مقدم ہونی چاہئے، خالق کی رضا مخلوق کی رضا سے مقدم ہونی چاہئے، مخلوق کی رضا مندی کی کوشش اور حق تعالیٰ کی رضا جوئی سے غفلت کے نتائج دینی ودنیوی خسران ہے۔

۲۲ مدرسے کے سالانہ بجٹ میں امتیازی وظائف وانعامی کتب کی مد ضرور رکھی جائے۔

۲۳ ہر زمانے کا ایک فن ہوتا ہے اس زمانے کا مخصوص فن تاریخ وادب ہے، اس پر توجہ زیادہ کرنی ہوگی۔

۲۴ قرآن کریم کا ترجمہ ابتدا سے شروع کرنا چاہئے اور تین چار سال میں ختم کرنا چاہئے، بغیر کسی تفسیر کے محض ترجمہ ابتداء زیر درس ہونا چاہئے اور قابلیت بڑھانے کے لئے مخصوص اجزاء اور سورتوں کا انتخاب کرنا چاہئے اور لغوی وادبی تحقیق کے ساتھ پڑھانا چاہئے۔

۲۵ بہت غور وخوض کے بعد ہم جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ اس موجودہ پرفتن دور میں جب تک حاملینِ علم میں حسبِ ذیل صفات نہ ہوں وہ کبھی بھی حفاظت دین کی خدمت کے اہل نہیں بن سکتے، وہ صفات مندرجہ ذیل ہیں:

① اخلاص۔
② صلاح وتقویٰ۔
③ کامل علمی استعداد۔
④ صبر واستقلال۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اخلاص نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے یہاں سے قبولیت کی خلعت عطا نہ ہوگی جو برکت کا ذریعہ ہے، اگر تقویٰ نہ ہو تو عوام پر اس کا اثر نہ ہوگا اور علمی استعداد نہ ہو تو مرض کا علاج نہ ہو سکے گا، اگر صبر واستقلال نہ ہوگا تو کامیابی نہیں ہوسکتی۔

طلبہ کو قریب بیٹھنے، جلدی آنے اور غور سے سننے کی ترغیب دینا

اساتذہ کرام کو چاہیے کہ طلبہ کو وقتاً فوقتاً نصیحت کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو یہ بھی سمجھائیں کہ صرف مدرسہ میں آنا علم کا ذریعہ نہیں، بل کہ جلدی آنا اور استاذ کے قریب بیٹھنا اور اسباق کو خاموشی سے غور سے سننا بھی علم کا سبب ہے۔

طلباء کا استاذ کے قریب بیٹھنے سے ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ استاذ کے

روحانی علوم سے طلبہ خوب فیض یاب ہوتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”تم لوگ ذکر کی مجلس میں حاضر ہوا کرو اور امام کے قریب ہوا کرو، پس جو شخص ہمیشہ (نیک مجلس) سے دور رہتا ہے، وہ جنت میں پیچھے رہے گا اگرچہ وہ جنت میں داخل ہو۔“ [1]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”کہ جو آدمی جمعہ کے دن خود نہائے اور (اپنی بیوی کو) نہانے کو کہے اور جلد از جلد (مسجد میں) آئے امام کے قریب ہو کر بیٹھے اور خاموشی اور غور سے خطبہ سنے تو اس کے لئے ہر قدم پر ایک سال روزہ اور تہجد کا ثواب لکھ دیا جائے گا۔“ [2]

فائدہ: ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وعظ و نصیحت کے دوران دور بیٹھے ہوئے کو قریب آنے کے لئے بلایا/اشارہ کیا جا سکتا ہے تاکہ ہر لفظ صحیح سنے سمجھے، اور عمل بھی کیا جا سکے۔

شاگرد کے تین حقوق

”عَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ -رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا- قَالَ: تَخَلَّفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سَفْرَةٍ سَافَرْنَاهَا فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ أَرْهَقَتْنَا الصَّلٰوةُ وَنَحْنُ نَتَوَضَّأُ فَجَعَلْنَا نَمْسَحُ عَلٰى أَرْجُلِنَا فَنَادٰى بِأَعْلٰى صَوْتِهٖ: ”وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ“ مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا.“ [3]

ترجمہ: ”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک

[1] ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب الدنو من الامام عند الموعظة: رقم الحدیث ۱۱۰۸
[2] ترمذی، کتاب الصلاۃ، ابواب الجمعه، رقم الحدیث ۴۹۶
[3] بخاری، کتاب العلم، باب من رفع صوته بالعلم: رقم الحدیث ۶۰

مرتبہ جناب رسول اللہ ﷺ کسی سفر میں ہم سے پیچھے رہ گئے۔ آپ ﷺ ہم سے ایسے وقت آکر ملے کہ نماز کا وقت آگیا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے۔ ہم نے پاؤں دھونے میں بہت جلدی کی جس کی وجہ سے کچھ سوکھا رہ گیا، آپ ﷺ نے دیکھ کر دو تین بار فرمایا خبردار ہو جاؤ! ان ایڑیوں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے جو سوکھی رہ جاویں۔“

حدیث سے تین حق شاگردوں کے ثابت ہوتے ہیں۔

1. ایک تو یہ کہ صرف ان کے تعلیم علوم ہی پر اکتفا نہ کرے، بل کہ ان کے اعمال و اخلاق کی بھی حتی الامکان نگرانی رکھے، جس طرح حضور ﷺ نے بعض لوگوں کے پاؤں کے خشک رہ جانے پر متنبہ فرمایا۔
2. دوسرے یہ کہ اگر کسی وجہ سے احتمال ہو کہ آواز بلند کئے بغیر بات نہیں پہنچے گی، مثلاً درس گاہ بڑی ہے یا اور کوئی عارض ہے تو بلند آواز سے تقریر کرنا شاگرد کا حق ہے، ورنہ تقریر ہی بے کار ہے۔ دیکھئے حضور ﷺ نے کس طرح بہ آوازِ بلند بیان فرمایا۔
3. تیسرے اگر احتمال ہو کہ ایک بار سمجھانے سے طلبہ نے نہ سمجھا ہوگا تو دوسری تیسری بار بھی سمجھا دینا مناسب ہے۔ جس طرح حضور ﷺ نے دو تین بار فرمایا۔

اور جیسا کہ آپ ﷺ نے حضرت ضمار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مطالبے پر خطبہ کو تین مرتبہ دہرایا۔ [1]

اور آئندہ حدیث میں بھی حضور ﷺ کی عادت مستمرہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

”عَنْ أَنَسٍ -رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ- أَنَّهٗ كَانَ إِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ

[1] مسلم، کتاب الجمعه باب تخفیف الصلوۃ والخطبة: ۲۸۵/۱

أَعَادَهَا ثَلَاثَةً حَتَّى تُفْهَمَ عَنْهُ.''[1]

تَرجَمَہ: ''جب رسول اللہ ﷺ کوئی مہتم بالشان بات فرماتے تھے تو تین مرتبہ دہراتے تھے کہ لوگ خوب سمجھ لیں۔''

لہٰذا اساتذہ کو چاہئے کہ اہم اسباق تین مرتبہ دہرائیں، تاکہ شاگردوں میں سے اگر کوئی ایسا ہو جس کو سمجھ نہ آیا ہو تو وہ سمجھ لے، یا کوئی اہم بات ہو تو تب بھی ضرورت کے تحت سبق کو تین مرتبہ دہرادیں تاکہ مخاطب کو صحیح طور پر سمجھ آسکے۔

پہلے سبق کا خلاصہ، پھر تفصیل ذِکر کرنا

استاذ صاحب ہر سبق کو اس انداز سے پڑھائے کہ سب سے پہلے جہاں تک پڑھانا ہے اس کا خلاصہ اور لبِ لباب نمبروار ترتیب سے بتلائے، پھر ہر ایک نمبر کو تفصیلاً ذکر کرے۔ اس انداز کو اختیار کرنے سے طلبہ کو اسباق سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ طلباء کو اسباق یاد رہیں گے۔

نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں وفدِ عبدالقیس علم سیکھنے کے لئے حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''أَرْبَعٌ أَرْبَعٌ'' ''چار چیزیں ایسی ہیں'' جن کو تم کرو گے تو تمہیں وہ چیز حاصل ہوجائے گی، جس کی تمہیں چاہت تھی۔

پھر آپ ﷺ نے تفصیل سے فرمایا: نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو مالِ غنیمت سے پانچواں حصہ دو، اور تم لوگ جس برتن میں شراب پیتے تھے اس کو پینے میں استعمال نہ کرو۔

فائدہ: اس حدیث میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ فصاحت و بلاغت یہ ہے کہ انسان پہلے اپنے کلام کو اجمالاً پھر تفصیلاً ذکر کرے۔

پہلے اجمال ذکر کرنے سے مخاطب کے اندر تفصیلات کو حاصل کرنے کی طرف

[1] بخاري، كتاب العلم، باب من أعاد الحديث ثلاثا ليُفهَمَ عنه: رقم الحديث ٩٤

جستجو پیدا ہوتی ہے۔

سوال کے جواب میں ضروری اور مفید باتوں کا اضافہ کرنا

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے جناب رسول اللہ ﷺ سے پوچھا:

''مَا يَلْبَسُ الْمُحْرِمُ؟ فَقَالَ: ''لَا يَلْبَسُ الْقَمِيصَ وَالْعِمَامَةَ وَلَا االسَّرَاوِيلَ وَلَا الْبُرْنُسَ وَلَا ثَوْبًا مَسَّهُ الْوَرْسُ أَوِ الزَّعْفَرَانَ فَإِنْ لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا حَتَّى يَكُونَا تَحْتَ الْكَعْبَيْنِ.''[1]

تَرجَمَہ: ''محرم کیا پہنے؟ حضور ﷺ نے فرمایا: ''کرتہ، عمامہ، پاجامہ، باران کوٹ اور ورس یا زعفران کا رنگا ہوا نہ پہنے جوتے نہ ہوں تو موزے پہنے اور ان کو جوتوں کی طرح کاٹ لے تاکہ ٹخنوں سے نیچے رہیں۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر طالب علم کوئی بات پوچھے، مگر کوئی اور ضروری بات پوچھنے سے رہ جائے تو شفقت کا مقتضاء یہ ہے کہ صرف اس کے سوال کے جواب پر اکتفاء نہ کرے، بل کہ وہ دوسری بات از خود بتلا دے۔

طالب علم کے فہم یا حفظ کی کوئی تدبیر کرنی چاہئے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ:

''يَا رَسُولَ اللهِ! إِنِّي أَسْمَعُ مِنْكَ حَدِيثًا كَثِيرًا أَنْسَاهُ قَالَ: ''ابْسُطْ رِدَاءَكَ'' فَبَسَطْتُهُ فَغَرَفَ بِيَدَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: ''ضُمَّ''،

[1] بخاري، كتاب العلم، باب من اجاب السائل باكثر مما سأله: رقم الحديث ١٣٤

فَضَمَمْتُهُ فَمَا نَسِيْتُ شَيْئًا بَعْدُ." [1]

ترجمہ: "یا رسول اللہ! میں آپ سے بہت سی حدیثیں سنتا ہوں، مگر بھول جاتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اپنی چادر پھیلا"، میں نے چادر پھیلا دی تو آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ اس پر لگا دیئے اور فرمایا کہ "اس چادر کو اپنے سینہ سے لگا لے"، میں نے اس کو اپنے سینہ سے لگا لیا تو اس کی برکت سے پھر کچھ نہ بھولا۔"

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ طالب علم کے فہم یا حفظ کی کوئی تدبیر اگر استاذ کے علم وقدرت میں ہو تو مقتضاء شفقت یہ ہے کہ اس کے مشورہ اور سعی کا اہتمام فرما دے۔

تعلیم میں شاگرد کی استعداد کا لحاظ رکھنا چاہیے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ:

"حَدِّثُوا النَّاسَ بِمَا يَعْرِفُوْنَ، أَتُحِبُّوْنَ أَنْ يُكَذَّبَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ." [2]

ترجمہ: "لوگوں سے ایسی بات کرو جو وہ سمجھیں۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تکذیب کی جائے۔" (کیوں کہ اگر لوگوں سے ایسی بات کی جائے کہ جو ان کی استعداد سے باہر ہو تو پھر نہ سمجھی کی بناء پر دوسروں کو صحیح بیان نہیں کر پائے گا جس کی وجہ سے ہو سکتا ہے وہ شریعت کے خلاف ہو)

اس حدیث سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ طالب علم کی تعلیم میں اس کے فہم و

[1] بخاري، كتاب العلم، باب حفظه العلم: ۲۲/۱

[2] بخاري، كتاب العلم، باب من خص بالعلم قوما دون قوم كراهية ان لا يفهموا: ۲۴/۱

استعداد کا لحاظ رکھے اور اسی کے لحاظ سے کتابوں کی ترتیب اور سبق کی مقدار تجویز کرے۔

شاگرد کے لئے اللہ تعالیٰ سے علم نافع کی دعا کرنا

اساتذہ کو چاہیئے کہ طلبہ کے علم نافع، ترقی علم اور اسباق سمجھنے کے لئے خصوصی دعا کیا کریں اور کوئی طالب علم سفر میں جائے تو اسے دعا دے کر رخصت کیا کریں۔

آپ ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو اس طرح دعا دی۔

"اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيْلَ"

ترجمہ: "اے اللہ! ان کو دین کی سمجھ اور تاویل کا علم عطاء فرما۔" [1]

شاگرد کی دل جوئی کے متعلق ایک مثال

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ:

"بَيْنَمَا أَنَا نَائِمٌ أُتِيْتُ بِقَدَحِ لَبَنٍ فَشَرِبْتُ حَتّٰى إِنِّيْ لَأَرَى الرِّيَّ يَخْرُجُ فِيْ أَظْفَارِيْ ثُمَّ أَعْطَيْتُ فَضْلِيْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ" قَالُوْا: فَمَا أَوَّلْتَهُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ: "اَلْعِلْمَ". [2]

ترجمہ: "مجھے خواب میں ایک پیالہ دودھ کا دیا گیا، جسے میں نے خوب سیر ہو کر پیا کہ ناخن تک سیرابی کا اثر محسوس ہوا۔ پھر میں نے بچا ہوا دودھ عمر بن خطاب کو دے دیا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضور اس کی تعبیر کیا ہوئی؟

فرمایا: دودھ سے مراد علم ہے۔"

اس حدیث سے دو امر معلوم ہوئے، اوّل یہ کہ بڑی عمر کے شاگردوں کو گاہ گاہ

[1] مجمع الزوائد، كتاب المناقب، باب مناقب عبدالله بن عباس: ۲۳۰/۹ رقم ۱۵۵۱۵

[2] بخاري، كتاب العلم، باب فضل العلم: ۱۸/۱

اپنے کھانے پینے میں بھی انتظامیہ سے اجازت لے کر شریک کرلیا کرے کہ اس کا دل بڑھتا ہے، اور محبت زائد ہوتی ہے، جس قدر اس کو استاذ سے محبت ہوگی اسی قدر علم میں برکت ہوگی۔

دوسرا یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ استاذ کو کوئی باطنی برکت عطا فرمادے تو شاگرد سے اس کو دریغ نہ کرے۔ غرض غذا ظاہری و باطنی کا کچھ حصہ اس کو بھی دے دے۔

کوئی بات غصہ کی صورت میں شاگرد کے لئے بہتر ہو تو کہے

حضرت ابو مسعود انصاری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا:

"يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! لَا أَكَادُ أُدْرِكُ الصَّلٰوةَ مِمَّا يُطَوِّلُ بِنَا فُلَانٌ". فَمَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْ يَوْمِئِذٍ. فَقَالَ: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّكُمْ مُنَفِّرُوْنَ، فَمَنْ صَلّٰى بِالنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيْهِمُ الْمَرِيْضَ وَالضَّعِيْفَ وَذَا الْحَاجَةِ." [1]

تَرجَمہ: "یا رسول اللہ! فلاں شخص کے نماز لمبی پڑھانے کی وجہ سے قریب ہے کہ میں نہ پا سکوں (یعنی بددل ہو کر جماعت چھوڑ دوں) تو جناب رسول اللہ ﷺ اس قدر غصہ ہوئے کہ اتنا کبھی میں نے غصہ کی حالت میں آپ ﷺ کو نہیں دیکھا۔

پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں کو نفرت دلاتے ہو۔ جو آدمی نماز میں امامت کرے اس کو چاہیے کہ (قرأت میں) تخفیف کرے، کیوں کہ مریض اور ضعیف اور حاجت مند سب قسم کے لوگ نماز

[1] بخاری، کتاب العلم، باب الغضب في الموعظة والتعليم اذا رأى ما يكره: ۱۹/۱

میں ہوتے ہیں۔"

اس حدیث سے دو امر طالب علموں کے متعلق ثابت ہوئے۔ ایک یہ کہ اگر کچھ اسباق کسی اپنے شاگرد یا ماتحت مدرس کے سپرد کئے جائیں اور وہ طالب علم اس کی شکایت کرے تو شکایت سننا چاہیے اور تحقیق کے بعد اس کا انتظام کرنا چاہیے، یہ نہیں کہ محض اس کے طالب علم ہونے کے سبب اس کو اور اس کی بات کو محض بے کار سمجھ کر نظر انداز کردیا جائے۔

دوسرے یہ کہ اگر کسی طالب علم سے کوئی امر نامناسب صادر ہو اور کسی طور سے معلوم ہو جائے کہ غضب ناک ہو کر کہنے سے زیادہ نفع ہوگا تو وہاں اس کی مصلحت کے واسطے غصہ ہی کرنا افضل ہے، جس سے اس کی اصلاح کامل ہوجائے۔

اساتذہ کرام کو چاہیے کہ اگر کسی طالب علم پر تادیبی کاروائی ہوئی تو اس طالب علم کی دل جوئی کے لئے اپنی طرف سے ہدیۃً کچھ عنایت فرمادیں۔

حضرت ایاس بن سلمہ اپنے والد (حضرت سلمہ) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا: ایک مرتبہ حضرت عمر بن خطاب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ بازار سے گزرے، ان کے ہاتھ میں کوڑا بھی تھا انہوں نے آہستہ سے وہ کوڑا مجھے مارا جو میرے کپڑے کے کنارے کو لگ گیا اور فرمایا: راستے سے ہٹ جاؤ۔

جب اگلا سال آیا تو آپ کی مجھ سے ملاقات ہونے پر کہا: اے سلمہ! کیا تمہارا حج کا ارادہ ہے؟ میں نے کہا: جی ہاں، پھر میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور مجھے چھ سو درہم دیئے اور کہا: انہیں اپنے سفرِ حج میں کام لے آنا، اور یہ اُس ہلکے سے کوڑے کے بدلے میں ہیں، جو میں نے تم کو مارا تھا۔ میں نے کہا: اے امیر المؤمنین! مجھے تو وہ کوڑا یاد بھی نہیں رہا۔ فرمایا: لیکن میں تو اسے نہیں بھولا یعنی میں نے مار تو دیا لیکن سارا سال کھٹکتا رہا۔[1]

[1] حياة الصحابة، عدل عمر الفاروق رضى الله تعالىٰ عنه: ۱۴۲/۲، بحواله طبرى: ۳۲/۵

علم دین پڑھانے والا سب سے زیادہ سخی ہے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ:

"هَلْ تَدْرُوْنَ مَنْ أَجْوَدُ جُوْدًا؟ قَالُوْا: اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ. قَالَ: اَللّٰهُ أَجْوَدُ جُوْدًا ثُمَّ أَنَا أَجْوَدُ بَنِيْ اٰدَمَ وَأَجْوَدُهُمْ مِنْ بَعْدِيْ رَجُلٌ عَلِمَ عِلْمًا فَنَشَرَهٗ يَأْتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَمِيْرًا وَحْدَهٗ." [1]

ترجمہ: "تم جانتے ہو کہ سب سے زیادہ سخی کون ہے؟ صحابہ کرام نے (از راہ ادب) عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ اور اُن کا نبی زیادہ جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ سخی اللہ تعالیٰ ہے، پھر تمام بنی آدم میں سب سے زیادہ میں سخی ہوں اور پھر سب سے زیادہ سخی وہ شخص ہے کہ جس نے علم دین سیکھا اور اس کو پھیلایا، یہ شخص قیامت میں تنہا بمنزلہ ایک امیر کے آئے گا۔"

اس حدیث میں اللہ و رسول کے بعد سب سے زیادہ سخی اس عالم کو فرمایا ہے جو علم کو شائع کرے، جس طریق سے بھی ہو، خواہ تدریس سے یا وعظ و تلقین سے، خواہ تصنیف سے، اور ظاہر ہے کہ جو شخص کسی پر سخاوت کرے اس کا کتنا حق ہوتا ہے۔ پس یہ علم کی اشاعت کرنے والے جن لوگوں پر علم کی سخاوت کر رہے ہیں ان لوگوں پر ان کا کتنا حق ہوگا!۔

وقت کی قیمت

گزرنے والے ہر لمحے کی ایک قیمت ہوتی ہے، اگر ہم یہ جان لیں کہ اس لمحے کی قیمت کیا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس لمحے کو اس کی قیمت وصول کے

[1] مشکوٰۃ، کتاب العلم، الفصل الثالث، رقم: ۲۵۹

بغیر گزرنے دیں۔ گپ شپ کر کے، بغیر کسی منظم مطالعے کی منصوبہ بندی کے، قصے کہانیوں کی کتابیں پڑھ کے، یا بستر پر دراز ہو کر دیواروں کو تکتے ہوئے، ماضی کی بھول بھلیوں میں گم ہو کے، یا اسی طرح کسی اور بے کاری مشغولیت میں لگنا، یہ بالکل ایسا ہے کہ آپ راستے سے گزرتے ہوئے یا گھر یا مسجد میں کسی ایسے نلکے کو دیکھیں جس سے پانی بہہ رہا ہو تو ہر چند کہ اس پانی کے بہنے سے آپ کی ذات کو براہِ راست کوئی نقصان نہیں پہنچتا، لیکن آپ ذرا دیر کے لئے رک جاتے ہیں آپ کا دل چاہتا ہے کہ اس بہتے ہوئے پانی کو اس طرح ضائع ہونے سے کس طرح روک دوں۔ کیوں؟ محض اس لئے کہ آپ کے تحت الشعور میں پانی کی اہمیت اور اس کے ایک انمول نعمت ہونے کا احساس جاگزیں ہے۔

بس وقت بھی ہماری زندگی میں نلکے سے بہنے والے پانی کی طرح ہے کہ اگر یہ بہتا رہے، گزرتا رہے اور اسے ہم کسی برتن میں جمع نہ کریں تو اس کی رائیگانی ہمارے اندر نقصان یا خسارے کا احساس پیدا کر دیتی ہے، جسے ہم ندامت، شرمندگی یا پچھتاوے سے تعبیر کرتے ہیں۔

اب جب کہ وقت کی اہمیت متعین ہوگئی تو پھر سوال یہ ہے کہ ہم وقت کے بہتے ہوئے پانی کو کس برتن میں جمع کریں، ایک صاف شفاف اور میٹھے پانی کو جمع کرنے کے لئے ہم ایک صاف ستھرا برتن ہی استعمال کرتے ہیں، جس پانی کو ہم پینا چاہیں گے اسے ہم کبھی کسی ناپاک یا گندے برتن میں ذخیرہ نہیں کریں گے۔ اس لئے وقت بھی اگر پانی کی طرح ہے تو اس کا مصرف بھی ایسا ہی ہونا چاہیے جو ہمارے مستقبل کو تابناک بنا سکے اور ہمارے حال کو آسودہ کر سکے۔ مستقبل کیا ہے؟ اور حال کیا ہے؟

حال تو ایک ہی ہے اور وہ ہے لمحہ موجودہ۔ یعنی جس لمحے میں، میں یہ تحریر کر رہا ہوں یہ میرا حال ہے، اگر یہ تحریر پڑھ کر کوئی ایک شخص بھی اپنے وقت کی قدر و قیمت کو پہچان جاتا ہے تو میرا حال آسودہ ہو گیا، کیوں کہ آسودہ اصلاً وہ نہیں ہے، جس سے

صرف میری ذات کو فائدہ پہنچتا ہے، بل کہ در حقیقت آسودگی وہ ہے جو ہماری ذات سے دوسروں کو منتقل ہو۔

رہی بات مستقبل کی تو مستقبل دو ہیں، ایک مستقبل موت سے قبل تک کی زندگی تک محدود ہے اور دوسرا مستقبل لامتناہی ہے، جس کا سرا ابد سے جا کر ملتا ہے، جب ہم اپنے حال کو دوسروں کو نفع پہنچانے میں صرف کرتے ہیں تو اس کا نفع پلٹ کر ہماری طرف آتا ہے۔ موت سے قبل تک کے مستقبل میں وہ لوگ جنہیں ہم نے نفع پہنچایا ہے، ہمارے خیر خواہ ہوتے ہیں، ہمارے لئے دعا گو رہتے ہیں، اور موت کے بعد کے مستقبل میں اس کا بہترین اجر اللہ تعالیٰ ہمیں عطا فرماتے ہیں۔

گویا وہ وقت جو ہمارے لئے خسارے کا سودا تھا، وہ خالصۃً فائدے کا سبب بن گیا۔ اسی لئے "سورۃ العصر" میں خسارے سے ان لوگوں کو مبرا قرار دیا گیا ہے، جنہوں نے صحیح ایمان کے ساتھ نیک عمل کئے یعنی گناہ سے بچے، اور دوسروں کو حق اور صبر کی نصیحت کرتے رہے یعنی نیک اعمال، حق اور صبر کی نصیحت، ان میں اپنی ذات اور دوسروں کی ذات کے لئے بھی خیر و برکت ہی کے پہلو ہیں، اور اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ جو لمحات اس وقت آپ کو میسر ہیں، انہیں آپ کسی مفید کام میں صرف کریں۔ مستقبل کی لمبی چوڑی منصوبہ بندی کی بجائے آدمی موجودہ لمحہ کو فائدہ مند بنالے تو یہی اس کے حال اور مستقبل دونوں میں نجات کا باعث بن سکتا ہے۔ کیوں کہ بزرگ فرماتے ہیں کہ ہر حال، ماضی بننے والا ہے اور ہر مستقبل، حال بن رہا ہے۔ لہٰذا اصل یہ ہے کہ حال کو سنوار لو۔

آپ مسرور ہوں یا مغموم، تکلیف اور تردد سے بچنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ آپ کے پاس کبھی فارغ وقت نہیں ہونا چاہیئے۔

وقت کے پاؤں کی آہٹ سنی نہیں جاسکتی۔ وقت خدا تعالیٰ کی امانت ہے، جس کا ایک لمحہ بھی ضائع کرنا مجرمانہ خیانت ہے۔ وقت ایک ایسی زمین ہے، جس میں

محنت کے بغیر کچھ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ سعی کامل کی جائے تو یہ ضرور پھل دیتی ہے، بے کار چھوڑ دی جائے تو خاردار جھاڑیاں اُگ آتی ہیں۔

مولانا رحمت اللہ سبحانی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

"وقت ہمارے پاس اسی طرح آتا ہے جیسے کوئی دوست بھیس بدل کر آتا ہے اور چپ چاپ بیش قیمت تحفہ جات اپنے ساتھ لاتا ہے، لیکن اگر ہم اُن سے فائدہ نہیں اُٹھاتے تو وہ چپکے سے مع اپنے تحائف کے واپس چلا جاتا ہے اور پھر کبھی واپس نہیں آتا۔"

ہر صبح کو ہمارے لئے نئی نئی نعمتیں آتی ہیں، لیکن اگر ہم کل اور پرسوں کی چیزیں منظور نہیں کر سکتے تو ہم اُن سے فائدہ اُٹھانے کے روز بروز ناقابل ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی خوبیوں کو سمجھنے اور ان کو کام میں لانے کی طاقت جو ہم میں ہے رفتہ، رفتہ زائل ہو جاتی ہے۔

کھوئی ہوئی دولت، محنت اور کفایت شعاری سے پھر حاصل ہو سکتی ہے۔ کھویا ہوا علم مطالعہ سے پھر مل سکتا ہے۔ کھوئی ہوئی تندرستی ڈاکٹر اور دوا کی مدد سے بحکم الٰہی واپس آسکتی ہے، لیکن کھویا ہوا وقت لاکھ کوشش کرنے پر بھی دوبارہ حاصل نہیں ہو سکتا اور ہمیشہ کے لئے ہاتھ سے نکل جاتا ہے۔ بعد میں انسان کو یہ پرانا سبق حاصل ہوتا ہے، "پن چکی" اس پانی سے نہیں چل سکتی جو بہہ گیا ہو۔

فضول کاموں سے ایک گھنٹہ روزانہ بچا کر معمولی آدمی بھی کسی سائنس کو پوری طرح اپنے قابو میں کر سکتا ہے۔ دن میں ایک گھنٹہ ہر روز خرچ کر کے جاہل سے جاہل انسان بھی دس سال میں ایک درجے کا باخبر اور عالم و فاضل بن سکتا ہے۔ ایک گھنٹے میں ایک معمولی لڑکا خوب اچھی طرح سمجھ کر ایک کتاب کے بڑے بیس صفحات اور اس حساب سے سال بھر میں سات ہزار صفحات پڑھ سکتا ہے۔ غرض ایک گھنٹہ روزانہ کی بدولت ایک حیوانی زندگی کارآمد اور مسرت بھری انسانی زندگی میں تبدیل ہو

سکتی ہے۔

اور ایک گھنٹہ روزانہ کام کر کے ایک گمنام شخص ایک مشہور آدمی اور ایک ناکارہ آدمی قوم کا محسن بن سکتا ہے۔

بے کار آدمی کے خیالات ناپاک اور زبوں ہو جاتے ہیں اور وہ طرح طرح کے عوارضِ جسمانی و رُوحانی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

"مرد بے کار، یا شود دُزد یا شود بیمار۔"

کہ بے کار آدمی چور، یا بیمار ہو جاتا ہے۔

حرص و طمع ...... ظلم و ستم ...... قمار بازی، حق تلفی و نافرمانی ...... زنا کاری و شراب خوری ...... عموماً وہی اشخاص کرتے ہیں جو معطل و بے کار رہتے ہیں، انسان کچھ نہ کچھ کرنے کے واسطے بنایا گیا ہے۔ "ہر کسے را بہر کارے ساختند۔"

جب تک اس کی طبیعت اور دل و دماغ نیک اور مفید کام میں مشغول نہ ہوگا اس کا میلان ضرور بدی اور معصیت کی طرف رہے گا۔

پس انسان اگر انسان بننا چاہتا ہے اور زندگی کو با آرام بسر کرنے کی خواہش رکھتا ہے تو سب کاموں سے مقدم کام، اس کے واسطے یہ ہے کہ وہ اپنے وقت پر نگران رہے۔ ایک لحہ بھر بھی فضول نہ کھوئے اور ہر کام کے لئے ایک وقت اور ہر وقت کے لئے ایک کام مقرر کردے۔ ورنہ جو شخص وقت کو برباد کرے گا، وقت اس کو برباد کردے گا۔

جس طرح ہم کوئی روپیہ یا اشرفی فضول نہیں پھینکتے ہیں۔ اسی طرح ہمیں وقت کا کوئی حصہ بھی بے فائدہ نہیں خرچ کرنا چاہیئے۔ کیوں کہ وقت کی بربادی نہ صرف دولت ہی کی، بل کہ طاقت کی بھی بربادی ہے۔ سستی نسوں کو اس طرح کھا جاتی ہے جس طرح لوہے کو زنگ۔

علماء اور اساتذہ کے رجسٹروں میں "کل" کا لفظ کہیں نہیں ملتا۔ البتہ بیوقوفوں کی

جنتریوں میں یہ بکثرت مل سکتا ہے۔ عقل مندی اس لفظ کو قبول نہیں کرتی اور نہ سوسائٹی اس کو منظور کرتی ہے۔ یہ تو محض بچوں کا جھوٹا بہلاوا ہے کہ فلاں کھلونا تم کو کل لے کر دیا جائے گا۔ یہ ایسے لوگوں کے استعمال میں آنے والی چیز ہے جو صبح سے شام تک خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں اور شام سے صبح تک خواب دیکھتے رہتے ہیں۔ کام یابی کی شاہراہ پر بے شمار اپاہج سسکتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اپنی تمام عمر "کل" کا تعاقب کرتے ہوئے گزار دی اور اپنی قبر اپنے ہاتھوں سے کھودی، ہم اسی دھوکے میں ہاتھ دھوئے بیٹھے رہے کہ "کل" ہمارے لئے اچھی اچھی نعمتیں اور فائدہ منداشیاء لائے گی، لیکن یہ محض دھوکے کی کلی نکلی۔

وہ آدمی جو دونوں ہاتھ اپنی جیبوں میں ڈال کر قیمتی وقت ضائع کرتا ہے، جب کہ دوسرے کام کر رہے ہوں تو وہ بہت جلد اپنے ہاتھ دوسروں کی جیبوں میں ڈالے گا۔

"کل" نفس و شیطان کا حربہ و جال ہے، تواریخ کے تمام اوراق "کل" کے شاندار شکاروں سے پُر ہیں۔ افسوس ہے ان بدنصیب انسانوں پر جن کی تجاویز صرف اس "کل" کے لفظ نے پوری نہ ہونے دیں۔ "کسل کل" کا لفظ کسل الوجود نالائقوں اور بدبختوں کی جائے پناہ ہے۔

ہماری زندگی میں "کل" کا لفظ بھی ایک دھوکہ ہے جو انسان کو وقت ضائع کرنے کی شرم اور افسوس سے بچاتا رہتا ہے۔ اس کے بارے میں کہا گیا کہ انسان کی زبان میں کوئی لفظ ایسا نہیں ہے جو "کل" کے لفظ کی طرح اتنے گناہوں ......، اتنی حماقتوں ...... اتنی وعدہ خلافیوں ......، اتنی خشک امیدوں ......، اتنی غفلتوں ......، اتنی بے پروائیوں ...... اور اتنی برباد ہونے والی زندگیوں ...... کے لئے جواب دہ ہو۔ کیوں کہ اس کی آنے والی "کل" یعنی فردا کبھی نہیں آتا۔ وقت ایک دفعہ گزر گیا، مر گیا۔ تو اس کو پڑا رہنے دو۔ اب اس کے ساتھ اور کچھ نہیں کرنا سوائے اس کے کہ

اس کی قبر پر آنسو بہاؤ۔ آج کی طرف لوٹ آؤ، مگر لوگ اس کی طرف نہیں لوٹتے۔

لوگوں کا ایک رویہ اور ہے اور وہ یہ کہ جو کام کل ہوسکتا ہے وہ آج کیوں کریں اور آنے والا کل خود کام کے لئے سازگار حالات پیدا کرے گا۔ یہ رویہ یقیناً ہم لوگوں کے لئے بحیثیتِ فرد، بحیثیت قوم اور بحیثیتِ امت نقصان دہ ہے۔

لندن افریقن ایسوسی ایشن نے سیاح لیڈر یارڈ کو افریقہ بھیجنے کی تجویز کی، اس سے دریافت کیا گیا کہ تم کب تک جانے کے لئے تیار ہوسکتے ہو؟ اس نے جواب دیا ''کل صبح تک۔''

پھر جان جورس سے پوچھا گیا کہ تم کب تک جہاز پر شامل ہوسکتے ہو؟

اُس نے جواب دیا ''ابھی'' چناں چہ اسی کو بھیجا گیا۔ جو بعد میں ارل سینٹ وِنسنٹ بن گیا اور لیڈر یارڈ ''کل'' کی وجہ سے محروم رہ گیا۔

جو کام وقت پر آسانی سے کیا جاسکتا ہے، وہ ہفتوں اور مہینوں تک پڑا رہنے کے باعث وبالِ جان معلوم ہونے لگتا ہے، اس کا وزن ہر روز بڑھتا جاتا ہے اور غفلت ہر روز ناطاقتی بڑھاتی جاتی ہے۔

مثل ہے کہ ''وقت پر لگا ایک ٹانکا سو ٹانکوں سے بچالیتا ہے''۔ خطوط کا جواب جس آسانی سے ان کے آتے ہی دیا جاسکتا ہے ویسا کبھی نہیں۔''[1]

لہٰذا ہم ہر کام وقت پر انجام دے کر اپنے آپ اور دوسروں کو فائدہ پہنچائیں۔

وقت کی پابندی

وہ چند چیزیں جن پر کامیاب زندگی کا دارومدار ہے، ان میں سے ایک وقت کی پابندی بھی ہے۔ وقت جاری سانس کی طرح وہ سرمایہ ہے جو اللہ تعالیٰ شانہ نے ہر امیر......، غریب......، خوب صورت......، بدصورت......، کم زور......، طاقت ور......،

۱ مخزن اخلاق: ص ۵۳۶

جاہل......، عالم...... کو عطا فرمایا ہے۔ جن لوگوں نے اس سرمائے کی قدر کی، اسے ضائع ہونے سے بچایا، وقت نے انھیں فراموش نہیں کیا ان کا نامِ نامی نیک نامی کی سنہری کتاب میں سنہرے حرفوں سے لکھا، ان کے نام اور کارناموں سے تاریخ کے لاکھوں صفحات بھرے پڑے ہیں۔ اس کے برعکس جن لوگوں نے اس کی قدر نہ کی اور اسے ضائع کیا، ان کے ناموں سے بھی آج ہم واقف نہیں ہیں۔

کام یاب لوگوں کی زندگی پر جتنی بھی تحقیق کی جائے، یہی بات سمجھ میں آئے گی کہ انھوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ وصول کیا اور ایسے کاموں سے بچتے رہے، جن میں لگنے کی وجہ سے وقت کے ضائع ہونے کا شائبہ بھی ہو۔

انسانی زندگی کے تمام تر شعبوں میں وقت کی اہمیت ناگزیر ہے، خصوصاً وہ شعبے جن پر نسلوں کی تربیت کی بنیاد قائم ہوتی ہے۔ اسی سلسلے کا ایک شعبہ تدریس ہے۔ کسی مدرسے کا کوئی استاذ...... ہو یا اسکول کا ٹیچر...... عورت ہو یا مرد...... عربی پڑھاتا ہو یا اُردو...... انگریزی پڑھاتا ہو یا جغرافیہ...... اگر وقت کا پابند ہے تو سمجھیں کہ اپنے شعبے کے ساتھ بھی مخلص ہے اور اپنے طلبہ سے بھی مخلص ہے بل کہ وہ اپنے شعبے کا حق ادا کر رہا ہے اور اپنے پیشے کو چار چاند لگا رہا ہے۔ یقین کریں کہ ایسا استاذ نہ صرف اپنے طلبہ کے لئے مثال، والدین کے دل کا سکون، مہتمم و پرنسپل کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، بل کہ اپنے رب کو بھی راضی کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ نے دن رات، ماہ و سال کے لئے اوقات مقرر فرمائے ہیں۔ نماز، روزے، زکوٰۃ اور حج کے لئے مخصوص اوقات اور ایام مقرر فرمائے ہیں۔ گویا اعمال سے نفع اُٹھانے کے لئے بھی وقت کی قید لگادی، تاکہ انسان وقت کا پابند بنے۔

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے جو مبارک زندگی گزاری، اس کا ایک ایک لمحہ بھی پوری کائنات سے زیادہ قیمتی ہے۔ آپ ﷺ کی پوری

حیات طیبہ ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ آپ ﷺ کے مبارک اقوال واعمال ہمارے لئے قابل اتباع ہیں۔ جب آپ ﷺ کی پوری زندگی میں ہمیں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں ملتا جو نَعُوْذُ بِاللّٰہِ ضائع ہوا ہو تو ہمیں بھی چاہیئے کہ ہمارا چال و چلن بھی انہی کے نقش قدم پر آجائے۔

مقررہ وقت سے دیر کرنا چاہے دفتر میں، اسکول میں یا کسی حکومتی ادارے میں ہو، یہ لاپرواہی ہمیشہ خوف ناک اور تلخ نتائج کو جنم دیتی ہے، اس کا اندازہ درج ذیل حقائق سے لگایا جاسکتا ہے۔ وقت کی پابندی کامیابی کے اصولوں میں سے ہے۔ خود بھی وقت کی پابندی کریں، طلبہ کو بھی اس کی ترغیب دیں۔

جب کوئی گاڑی اسٹیشن پر تاخیر سے پہنچتی ہے تو بظاہر یہی لگتا ہے کہ صرف آدھا گھنٹہ تاخیر ہوگئی، لیکن گاڑی میں اگر سو مسافر سفر کر رہے ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کے پچاس گھنٹے صرف ایک گاڑی میں ضائع ہوگئے، اگر اسے دنوں پر پھیلایا جائے تو اس کے کئی دن بنتے ہیں۔ اسی طرح اگر جہاز دیر سے اُڑے یا بس دیر سے چلے تو کئی مسافروں کے سینکڑوں گھنٹے ضائع ہوجاتے ہیں۔

فیکٹریوں، کارخانوں اور دفاتر میں دیر سے پہنچنے والوں کی وجہ سے قومی پیداوار کو جو نقصان پہنچتا ہے، اس کا حساب کتاب نہیں رکھا جاتا، بیرونِ ملک میں تو اس بات کا بھی حساب رکھا جاتا ہے۔

غور کیا جائے کہ مختلف شعبوں میں تاخیر کی وجہ سے ہمارے جتنے اوقات کار ضائع ہوتے ہیں، وہ کس طرح ہمیں دوسری اقوام سے کئی سو سال پیچھے پھینک دیتے ہیں۔

یہ بھی ہمیں سوچنا چاہیئے کہ اس کائنات کا نظام نہایت عمدگی اور نظم وضبط سے چل رہا ہے اور ایک ایک لمحے کا حساب کتاب ہوتا ہے۔ سورج اپنے وقت پر طلوع ہونے کے بجائے ذرا دیر سے نکلے، چاند کو نکلنے میں تاخیر ہوجائے، سبزیاں اور پھل

اپنے وقت پر نہ پکیں، تو سارا نظام درہم برہم ہوجائے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ بارش وقت پر نہ ہو تو اس کا فصلوں پر کتنا اثر پڑتا ہے۔

اس دنیا کے جمادات، حیوانات اور نباتات سب نظام الاوقات کی نادیدہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اور انسان کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ وہ بھی اپنی زندگی اسی باقاعدگی اور سلیقے سے گزارے اور ہر کام اپنے وقت پر کرے۔

دیکھا جائے تو ایک مسلمان کی پوری زندگی نظم وضبط اور قاعدے میں بندھی ہوئی ہے۔ پانچوں نمازوں کے باقاعدہ اوقات مقرر ہیں اور یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی ان میں سے آگے پیچھے ہوجائے، ان میں دیر ہوجانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا حتیٰ کہ میدانِ جنگ میں بھی ان اوقات سے روگردانی کی اجازت نہیں۔

ماہِ صیام میں بھی روزہ رکھنے اور کھولنے کے اوقات مقرر ہیں، وقت کی قدر کا اندازہ آپ اس شرعی مسئلے سے لگا سکتے ہیں کہ کسی شخص نے رمضان میں بلاعذر عمداً روزہ نہ رکھا تو رمضان گزرنے کے بعد کتنے ہی روزے عمر بھر میں رکھ لے تو اجر وثواب کے اعتبار سے اس کا بدل نہیں ہوسکتا، باقی ایک روزہ رکھنے سے اُس ایک چھوٹے ہوئے روزے کی قضا ہوجائے گی۔ فرض ذمہ سے ساقط ہوجائے گا، البتہ وہ برکت اور فضیلت جو رمضان المبارک کی ہے ہاتھ نہیں آسکتی، جو رمضان شریف میں روزہ رکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔

حدیث میں فرمایا گیا۔

"مَنْ أَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَّلَا مَرَضٍ لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صَوْمُ الدَّهْرِ كُلِّهِ وَإِنْ صَامَهُ." [1]

ترجمہ: "جو شخص (قصداً) بلا کسی شرعی عذر کے اور مرض کے ایک دن بھی رمضان کے روزہ نہ رکھے تو غیر رمضان کا روزہ چاہے، تمام عمر

[1] ترمذی، کتاب الصوم، باب ماجاء في الإفطار متعمدًا: ١٥٣/١

رکھے اس کا بدل نہیں ہوسکتا۔"

اسی طرح یومِ عرفہ میں زوال تا عشاء کوئی شخص بے ہوشی کی حالت میں بھی میدانِ عرفات سے گزر جائے تو اس کا حج ہو جائے گا، لیکن وقوفِ عرفات کا وقت گزرنے کے بعد سال بھر بھی وہاں بیٹھا رہے تو حج نہیں ادا ہوگا۔

غرض دینِ اسلام مسلمانوں کے لئے ایک باقاعدہ ضابطۂ حیات ہے۔

لیکن آج اگر ہماری زندگی افراتفری اور بدنظمی کا شکار ہے تو اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اسلام کے سنہری اصولوں پر عمل چھوڑ دیا ہے۔

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی وصیت ہے فرمایا: "کہ میں اپنی اولاد، اہل وعیال، احباب واصحاب اور تمام مسلمانوں کو وصیت کرتا ہوں کہ اس زندگی کا ایک ایک لمحہ وہ گوہر نایاب ہے، جس کی قیمت دنیا ومافیہا نہیں ہوسکتی۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کی دائمی نعمتیں خریدی جاسکتی ہیں، وقت کو کسی نہ کسی کام میں لگاؤ خواہ وہ کام دنیا کا ہو یا دین کا۔"[1]

؎ وقت کی رفتار ہو محسوس، یہ دشوار ہے
یہ زمین چلتی ہے تیزی سے، مگر ہلتی نہیں

اساتذہ کو چاہیئے کہ وقت کی حفاظت کے لئے مولانا ابن الحسن عباسی صاحب کی کتاب ① "متاعِ وقت اور کاروانِ علم" اور محمد بشیر جمعہ صاحب کی کتاب ② "شاہراہِ زندگی پر کامیابی کا سفر" کا مطالعہ ضرور کریں۔ اسی طرح شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی کتاب ③ "قِیمَۃُ الزَّمَنِ عِنْدَ الْعُلَمَاءِ" کا بھی مطالعہ ضرور فرمائیں۔

ملازمت کے اوقات میں ڈنڈی مارنا

شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:

[1] مجالس مفتی اعظم: ص ۳۲۷

"ایک شخص کسی محکمے میں، کسی دفتر میں، آٹھ گھنٹہ کا ملازم ہے تو گویا کہ اس نے یہ آٹھ گھنٹے اس محکمے کے ہاتھ فروخت کردیئے ہیں، اور یہ معاہدہ کرلیا ہے کہ میں آٹھ گھنٹے آپ کے پاس کام کروں گا اور اس کے عوض اس کو اجرت اور تنخواہ ملے گی، اب اگر وہ اجرت تو پوری لیتا ہے، لیکن اس آٹھ گھنٹے کی ڈیوٹی میں کمی کرلیتا ہے، اور اس میں سے کچھ وقت اپنے ذاتی کاموں میں صرف کرلیتا ہے، تو اس کا یہ عمل بھی "تطفیف" کے اندر داخل ہے، حرام ہے۔ گناہ کبیرہ ہے۔ یہ بھی اسی طرح گناہگار ہے جس طرح کم ناپنے اور کم تولنے والا گناہگار ہوتا ہے، اس لئے کہ اس نے اگر آٹھ گھنٹے کے بجائے سات گھنٹے کام کیا تو ایک گھنٹہ کی ڈیوٹی ماردی، گویا کہ اجرت کے وقت اپنا حقِ اجرت تو پورا لے رہا ہے۔ اور جب دوسروں کے حقوق دینے کا وقت آیا تو کم دے رہا ہے۔ لہٰذا تنخواہ کا وہ حصہ حرام ہوگا جو اس وقت کے بدلے میں ہوگا جو اس نے اپنے ذاتی کاموں میں صرف کیا۔"[1]

استاذ کو چاہیئے کہ ادارہ میں داخل ہوتے ہی صرف اور صرف ادارہ کی تعلیمی ترقی کی فکر کرے۔ اخبار بینی اور موبائل فون کا استعمال اخلاقاً وشرعاً خیانت ہے کہ آدمی ادارہ میں جسم کے ساتھ رہتے ہوئے ذہنی طور پر غائب ہوتا ہے اور ہر وقت یہی دھن رہتی ہے کہ کس کی کال (call) آنی ہے، کس کو کیا کہنا ہے، تو نئی تعمیری سوچ جو ادارے کو فائدہ دیتی اور ادارے کے نفع کو سوچتی، اس کی بجائے ذہن اس سوچ میں مگن ہے کہ فلاں سے یوں کہا ہے: وہ دفتر سے اتنے بجے اٹھ جاتا ہے، اس سے پہلے پہلے اس کو فون کرنا ہے تاکہ شام کو وہ میرا کام کردے۔

جب ذہن اس طرح اسی ادھیڑ بن میں لگا رہے گا تو ایسا شخص ادارے کے افراد کے ساتھ بھی اکثر اکھڑے انداز میں بات کریگا، کیوں کہ منصوبے تو کہیں اور کے بن رہے ہیں اور ادھر بلاوا آئے گا مثلاً دفتر کے ڈائریکٹر صاحب یا اسکول،

[1] اصلاحی خطبات: ۱۲۲/۶

مدرسہ، جامعہ کے مہتمم صاحب نے فرمایا ہے کہ یہ کام کرلو تو محترم اپنے خیالات کی دنیا میں مگن، بار بار گھنٹہ دیکھتے ہیں کہ کب جیسے تیسے میرے جانے کا وقت ہو اور میں اپنی راہ لوں۔

تو محترم ضرور اس پیغام رساں کو ڈانٹے گا کہ کیا ہر وقت کام کام لگا رکھا ہے؟ ہم کیا زرخرید غلام ہیں؟ یا......... اب جب کسی نے اوپر والوں سے کہہ دیا کہ موصوف تو اپنے ذاتی کاموں، اخبار بینی یا فون پر باتوں میں لگے رہتے ہیں۔ ادارے کے کام کا سن کر چیختے چلاتے ہیں تو اب یہ صاحب الزام دیں گے، نیز انسانی فطرت ہے کہ اخبار پڑھا تو دل چاہتا ہے کہ جو کچھ پڑھا ہے، کسی طرح دوسروں کو بتاؤں اب دو سے کہا، تین سے کہا، اس نے صبح آتے وقت جو کچھ اور کہیں پڑھا تھا وہ ان سے کہہ دیا، اب اخبار کے عنوان پر بات چیت چل پڑی تو اصل کام جس کے لئے آئے تھے، اس میں کس قدر خیانت ہوئی اور اس ناحق ضائع کیے ہوئے وقت کے پیسے کوئی نہیں کٹواتا، پھر اس مقدار کا ناجائز پیسہ گھر جاتا ہے تو کیوں کہ اصلاً وہ آگ ہے، جس کا انجام یا جس گناہ کی سزا کا ظہور کسی اور شکل میں ہوتا ہے، مثلاً جھگڑا ہوگیا، بیماری آگئی، جیب کٹ گئی، برکت اڑ گئی وغیرہ۔

لہٰذا دل کی پریشانیوں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچنے کے لئے، عافیت اسی میں ہے کہ ہم ادارے میں وقتِ مقرر (جو شرعاً امانتاً وقت ہے) کے اندر ہرگز اخباروں (بلاواقعی ضرورت) میں مشغول نہ ہوں اور اپنے موبائل فون بند کر کے ادارے میں داخل ہوں، اس میں ہمارا اور ادارہ دونوں کا فائدہ ہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ سے ایک صاحب نے عرض کیا: میں ایک جگہ مدرس ہوں، بعض لوگ اوقاتِ تعلیم میں پاس آکر بیٹھ جاتے ہیں، ان سے باتیں کرنے میں جو طلبہ کا وقت ضائع ہوتا ہے کیا یہ خیانت ہوگی؟

فرمایا: بے شک خیانت ہے۔ ان لوگوں کو منع کر دینا چاہیے کہ یہ کام کا وقت

ہے۔

عرض کیا: جو اس وقت تک ہو چکا یا آئندہ ایسا اتفاقاً پھر ہو جائے تو کیا اس کا کوئی بدل ہو سکتا ہے؟ فرمایا: سوائے توبہ کے اور کوئی بدل نہیں۔

عرض کیا: خارج اوقات میں کام کر دیا جائے۔ فرمایا: یہ بھی اس کا بدل نہیں ہے۔ فرضوں کے قائم مقام نفلیں تھوڑا ہی ہو سکتی ہیں۔ کام کے وقت کام کرنا چاہیے اور لوگوں کو منع کر دینا چاہیے۔[1]

شیخ الہند حضرت مولانا مفتی محمود الحسن رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ ہمارے ماضی قریب کی ان شخصیتوں میں سے تھے، جن کی مثالیں ہر دور میں گنی چنی ہوا کرتی ہیں۔ ان کا اردو ترجمۂ قرآن اور تفسیر مشہور و معروف ہے، اس کے علاوہ آزادیٔ ہند کے سلسلے میں ان کی تحریک "ریشمی رومال" اور "تحریکِ خلافت" میں ان کی سرگرم خدمات ہماری تاریخ کا روشن باب ہیں۔ وہ دارالعلوم دیوبند کے پہلے طالب علم تھے اور پھر تعلیم سے فراغت کے بعد دارالعلوم دیوبند ہی میں عمر بھر تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ یہاں تک کہ "شیخ الحدیث" کے منصب پر فائز ہوئے اور ماضی قریب کے بے شمار مشاہیر نے ان کی شاگردی کا اعزاز حاصل کیا۔

جب وہ دارالعلوم دیوبند میں "شیخ الحدیث" کے طور پر تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے تو دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ نے محسوس کیا کہ ان کی تنخواہ ان کے منصب، ان کے علم وفضل اور ان کی خدمات کے لحاظ سے بہت کم، بل کہ نہ ہونے کے برابر ہے، ان کا کوئی اور ذریعہ آمدنی بھی نہیں ہے، اور ضروریات بڑھتی جا رہی ہیں۔ چناں چہ مجلس شوریٰ نے بالاتفاق رائے فیصلہ کیا کہ مولانا کی تنخواہ میں اضافہ کیا جائے اور اس مضمون کا ایک حکم نامہ مجلس شوریٰ کی طرف جاری کر دیا گیا۔

جو صاحب مولانا کے پاس مجلس شوریٰ کے فیصلے کی خبر لے کر گئے، انہیں یقیناً

[1] افاضات الیومیہ: ۱۵/۷

یہ امید ہوگی کہ مولانا یہ خبر سن کر خوش ہوں گے، لیکن معاملہ برعکس ہوا، مولانا یہ خبر سن کر پریشان ہوگئے اور فوراً مجلسِ شوریٰ کے ارکان کے نام ایک درخواست لکھی، جس کا مضمون یہ تھا:

”میرے علم میں یہ بات آئی ہے کہ دارالعلوم کی طرف سے میری تنخواہ میں اضافہ کیا جارہا ہے، یہ اطلاع میرے لئے سخت تشویش کا موجب ہے، اس لئے کہ میری عمر کی زیادتی اور دوسری مصروفیات کی وجہ سے اب دارالعلوم میں میرے ذمے پڑھانے کے گھنٹے کم رکھے گئے ہیں، جب کہ اس سے پہلے میرے ذمے زیادہ گھنٹے ہوا کرتے تھے، اس کا تقاضہ تو یہ تھا کہ مجلسِ شوریٰ میری تنخواہ کم کرنے پر غور کرتی، چہ جائیکہ میری تنخواہ میں اضافہ پر سوچا جائے۔

لہٰذا میری درخواست ہے کہ میری تنخواہ بڑھانے کا فیصلہ واپس لیا جائے، اور اوقات کے لحاظ سے تنخواہ کم کرنے پر غور کیا جائے۔“

آج ہم جس ماحول میں جی رہے ہیں، اس میں اگر کوئی ملازم اس مضمون کی درخواست اپنی انتظامیہ کے نام تحریر کرے، تو اغلب گمان یہی ہوگا کہ اس درخواست کے ذریعے ملازم نے اپنی انتظامیہ کے اوپر بھرپور طنز کیا ہے، وہ اپنی تنخواہ میں اضافے کی مقدار سے نہ صرف یہ کہ مطمئن نہیں ہے، بل کہ اسے انتظامیہ پر یہ سنگین اعتراض ہے کہ اس نے یہ معمولی اضافہ کرکے اس کی توہین کی ہے، لہٰذا اس نے جلے کٹے لہجے میں یہ طنز آمیز خط تحریر کیا ہے۔

لیکن حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ نے جو درخواست لکھی تھی، اس میں دُور دُور طنز کا کوئی شائبہ نہیں تھا، وہ واقعتاً یہ سمجھتے تھے کہ تنخواہ میں جو اضافہ ہوگا، شاید وہ ان کے کام کے لحاظ سے دیانتاً درست نہ ہو، اس لئے اس ماحول میں ایسے حضرات کی اچھی خاصی تعداد تھی، جو اپنے تدریسی اوقات کے ایک ایک منٹ کا حساب رکھتے تھے کہ ان کا بکا ہوا وقت، کسی اور کام میں استعمال نہیں کیا جاسکتا۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تھانہ بھون (ضلع مظفر نگر) میں جو مدرسہ قائم کیا تھا، اس میں ہر استاذ کا معمول تھا کہ اگر انہیں مدرسہ کے اوقات میں اپنا کوئی ضروری ذاتی کام پیش آجاتا، یا ملازمت کے اوقات میں ان کے پاس کوئی ذاتی مہمان ملنے کے لئے آجاتا تو وہ گھڑی دیکھ کر اپنے پاس نوٹ کرلیا کرتے تھے کہ اتنا وقت اپنے ذاتی کام میں صرف ہوا اور مہینے کے ختم پر، ان اوقات کا مجموعہ بنا کر انتظامیہ کو از خود درخواست پیش کرتے تھے کہ اس ماہ ہماری تنخواہ سے اتنے روپے کاٹ لئے جائیں، کیوں کہ اتنا وقت ہم نے دوسرے کام میں خرچ کیا ہے۔

یہ ہے اس فرضِ شناس معاشرے کی ایک ہلکی سی تصویر جو اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے۔ آج ہمارے معاشرے میں ہر طرف ”حقوق“ حاصل کرنے کی صدائیں گونج رہی ہیں، اسی مقصد کے تحت بے شمار ادارے .... انجمنیں .... اور جماعتیں .... قائم ہیں اور ہر شخص اپنے حقوق کے نام پر زیادہ سے زیادہ مفادات حاصل کرنے کی فکر میں منہمک ہے۔ لیکن اس پہلو کی طرف توجہ بہت کم لوگوں کو ہوتی ہے کہ، حقوق (Rights) ہمیشہ فرائض (Obligation) سے وابستہ ہوتے ہیں، بل کہ درحقیقت انہی سے پیدا ہوتے ہیں، اور جو شخص اپنے فرائض کما حقہٗ ادا نہ کرے، اس کے لئے اپنے متعلقہ حقوق کے مطالبے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

اسلامی تعلیمات کا مزاج یہ ہے کہ وہ نہ صرف ہر فرد کو اپنے فرائض کی ادائیگی کی طرف متوجہ کرتی ہیں، بل کہ دل میں اصل فکر ہی یہ پیدا کرتی ہیں کہ کہیں مجھ سے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی تو نہیں ہورہی؟

اس لئے کہ ہوسکتا ہے میں اپنی ترکیبوں سے اس کوتاہی کو دنیا میں چھپالوں، اور اس کے دنیوی نتائج سے محفوظ ہوجاؤں، لیکن ظاہر ہے کہ کوئی کوتاہی، خواہ وہ کتنی معمولی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپا سکتا۔ جب یہ فکر کسی شخص میں پیدا ہوجاتی

ہے تو اس کا اصل مسئلہ حقوق کے حصول کے بجائے فرائض کی ادائیگی بن جاتا ہے، پھر وہ اپنے جائز حقوق بھی پھونک پھونک کر وصول کرتا ہے کہ کہیں وصول شدہ حق کا وزن ادا کردہ فریضے سے زیادہ نہ ہوجائے، یہی فکر تھی، جس نے شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کو مذکورہ درخواست دینے پر مجبور کیا۔

اگر یہ فکر معاشرے میں عام ہوجائے تو سب کے حقوق خود بخود ادا ہونے شروع ہوجائیں۔ اور حق تلفیوں کی شرح گھٹتی چلی جائے، اس لئے کہ ایک شخص کا فریضہ دوسرے کا حق ہے، اور جب پہلا شخص اپنا فریضہ ادا کریگا تو دوسرے کا حق خود بخود ادا ہوجائے گا۔

شوہر اپنے فرائض ادا کرے، تو بیوی کے حقوق ادا ہوں گے، بیوی اپنے فرائض ادا کرے تو شوہر کے حقوق ادا ہوں گے، افسر اپنے فرائض بجالائے تو ماتحت کو اس کے حقوق ملیں گے۔ غرض دوطرفہ تعلقات کی خوشگواری کا اصل راز یہی ہے کہ ہر فریق اپنی ذمہ داری محسوس کرکے اس سے ٹھیک ٹھیک عہدہ برآں ہوتو دونوں میں سے کسی کو کوئی جائز شکایت پیدا نہیں ہوسکتی۔

چناں چہ اگر ہم کہیں ملازمت کررہے ہیں تو ہماری سوچ کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ اپنی تنخواہ اور اپنے گریڈ میں اضافہ کس طرح کیا جائے؟ اور ملازم کو حاصل ہونے والی دوسری سہولتیں زیادہ سے زیادہ کس طرح حاصل کی جاسکتی ہیں؟

اس کے لئے ہم انفرادی درخواستوں سے لے کر اجتماعی سودا کاری تک، اور چاپلوسی سے لے کر دھونس، دھاندلی تک، ہر حربہ استعمال کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لیکن ہم میں یہ فکر رکھنے والے بہت کم ہیں (گو بحمد اللہ نایاب نہیں) کہ جو کچھ مل رہا ہے وہ ہماری کارکردگی کے لحاظ سے حلال بھی ہے کہ نہیں؟

جب اپنے لئے کچھ وصول کرنے کا وقت آئے تو ہمیں یہ حدیثِ نبوی ﷺ خوب یاد ہوتی ہے کہ "مزدور کی مزدوری اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے

ادا کردو[1]"، لیکن یہ دیکھنے کی ضرورت ہم میں سے بہت کم لوگ محسوس کرتے ہیں کہ پسینہ واقعی نکلا بھی ہے یا نہیں؟

اس صورتِ حال کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے حقوق کے معاملے میں تو بہت حساس ہیں، لیکن فرائض کے معاملے میں حساس نہیں، اور جب کسی بھی فریق کو اپنے فرائض کی فکر نہ ہوتو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب کے حقوق پامال ہوتے ہیں۔ معاشرے میں جھگڑے ......، تنازعات ...... اور مطالبات ...... کی چیخ وپکار کے سوا کچھ نہیں سنائی دیتا، لوگوں کی زبانیں کھل جاتیں ہیں اور کان بند ہوجاتے ہیں، اور جب ضمیر کو موت کی نیند سلانے کے بعد کوئی کسی کی نہیں سنتا تو لوگ آخری چارۂ کار اسی کو سمجھتے ہیں کہ جس کے جو چیز ہاتھ لگ جائے، لے بھاگے، چناں چہ نوبت چھینا جھپٹی اور لوٹ کھسوٹ تک پہنچ کر رہتی ہے۔

اپنے گردو پیش میں نظر دوڑا کر دیکھیں تو یہی منظر دکھائی دیتا ہے، اس سے پریشان ہر شخص ہے، لیکن افراتفری کے اس عالم میں یہ سوچنے سمجھنے کی فرصت بہت کم لوگوں کو ہے کہ یہ صورتِ حال اس وقت تک تبدیل نہیں ہوگی، جب تک ہم میں سے ہر شخص فرائض کے احساس کو مقدم نہ رکھے یا کم از کم فرائض کو اتنی اہمیت تو دے جتنی اپنے حقوق کو دیتا ہے۔

اس سلسلے میں آں حضرت ﷺ کا ایک اور ارشادِ گرامی ہمارے لئے بہترین رہنمائی فراہم کرتا ہے، بشرطیکہ ہم اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں، ارشاد ہے:

"اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو، اور اپنے بھائی کے لئے بھی اس بات کو برا سمجھو جسے اپنے لئے برا سمجھتے ہو[2]"۔

[1] ابن ماجہ، ابواب الرہون، باب اجر الاجراء: ص ۱۷۸

[2] مسند احمد: ۵/۲۴۷، رقم: ۲۱۶۲۵ بروایت معاذ بن جبل

تدریس اور ثواب

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب لکھتے ہیں:

حضرت مولانا محمد سہول عثمانی صاحب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کے ممتاز شاگردوں اور دارالعلوم دیوبند کے ان مقبول اساتذہ میں سے تھے جن کو بیک وقت حدیث اور فقہ دونوں میں اللہ تعالیٰ نے کمال عطا فرمایا تھا۔ حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ انہوں نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ ”حضرت! ہم دینی علوم پڑھاتے ہیں اور ان پر تنخواہ بھی لیتے ہیں، تو کیا ایسی تدریس پر کچھ ثواب بھی ملے گا؟

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”مولوی صاحب! ثواب کی بات کرتے ہو؟ اس تدریس میں جو کچھ کوتاہیاں ہم سے ہوتی ہیں، اگر ان پر مؤاخذہ نہ ہو تو اسی کو غنیمت سمجھو۔“

حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد تشریحاً فرمایا کرتے تھے کہ حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ تنخواہ لینے کے بعد ثواب کی کوئی امید نہیں، کیوں کہ اگر نیت بخیر ہو تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس میں بھی ثواب کی امید ہے۔ لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ تنخواہ کا حق پورا پورا ادا کیا ہو اور اگر مقررہ وقت سے کم پڑھایا، غیر حاضریاں کیں، اور پڑھانے کے لئے جس محنت اور مطالعے کی ضرورت ہے اس میں کوتاہی کی تو تنخواہ کا حلال ہونا بھی مشکوک ہے۔ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔[1]

ایک ایک منٹ کا حساب ہوگا

کسی زمانے میں تو دفتروں میں ذاتی کام چوری چھپے ہوا کرتے تھے۔ مگر آج

[1] اکابر دیوبند کیا تھے: ص ۲۷

کل دفتروں کا یہ حال ہے کہ ذاتی کام چوری چھپے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، بل کہ کھلم کھلا، اعلانیہ، ڈنکے کی چوٹ پر کیا جاتا ہے، اپنے مطالبات پیش کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں کہ تنخواہیں بڑھاؤ، الاؤنس بڑھاؤ، فلاں فلاں مراعات ہمیں دو اور اس مقصد کے لئے احتجاج کرنے، جلسے جلوس کرنے اور نعرے لگانے کے لئے، ہڑتال کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ ہمارے ذمے کیا حقوق عائد ہو رہے ہیں؟ ہم ان کو ادا کر رہے ہیں یا نہیں؟

ہم نے آٹھ گھنٹے کی ملازمت اختیار کی تھی۔ ان آٹھ گھنٹوں کو کتنی دیانت اور امانت کے ساتھ خرچ کیا۔ اس کی طرف بالکل دھیان نہیں جاتا۔ یاد رکھو! ایسے ہی لوگوں کے لئے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ ان لوگوں کے لئے دردناک عذاب ہے، جو دوسروں کے حقوق میں کمی کرتے ہیں۔ اور جب دوسروں سے حق وصول کرنے کا وقت آتا ہے تو اس وقت پورا پورا لیتے ہیں۔[1] یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک ایک منٹ کا حساب ہوگا، اس میں کوئی رعایت نہیں کی جائے گی۔

آپ حضرات نے دارالعلوم دیوبند کا نام سنا ہوگا، اس آخری دور میں اللہ تعالیٰ نے اس ادارے کو اس امت کے لئے رحمت بنا دیا، یہاں ایسے لوگ پیدا ہوئے، جنہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی یادیں تازہ کر دیں، حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہٗ سے سنا کہ دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی دور میں اساتذہ کا یہ معمول تھا کہ دارالعلوم کے وقت میں اگر کوئی مہمان ملنے کے لئے آجاتا تو جس وقت وہ مہمان آتا اس وقت گھڑی دیکھ کر وقت نوٹ کر لیتے اور یہ نوٹ کر لیتے کہ یہ مہمان مدرسہ کے اوقات میں سے اتنا وقت میرے پاس رہا۔ پورا مہینہ اس طرح کرتے اور جب مہینہ ختم ہو جاتا تو ایک درخواست پیش کرتے کہ

[1] سورۃ المطففین: آیت ۱

چوں کہ فلاں فلاں ایام میں اتنی دیر تک میں مہمان کے ساتھ مشغول رہا، اس وقت کو دارالعلوم کے کام میں صرف نہیں کر سکا، لہٰذا میری تنخواہ کاٹ لی جائے۔

تنخواہ حرام ہوگی

آج تنخواہ بڑھانے کی درخواست دینے کے بارے میں تو آپ روزانہ سنتے ہیں۔ لیکن یہ کہیں سننے میں نہیں آتا کہ کسی نے یہ درخواست دی ہو کہ میں نے دفتری اوقات میں اتنا وقت ذاتی کام میں صرف کیا تھا، لہٰذا میری اتنی تنخواہ کاٹ لی جائے، یہ عمل وہی شخص کر سکتا ہے، جس کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کی فکر ہو۔ آج ہر شخص اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھے، مزدوری کرنے والے، ملازمت کرنے والے لوگ کتنا وقت دیانت داری کے ساتھ اپنی ڈیوٹی پر صرف کر رہے ہیں؟ آج ہر جگہ فساد برپا ہے، خلقِ خدا پریشان ہے اور دفتر کے باہر دھوپ میں کھڑی ہے، اور صاحب اپنے ائیر کنڈیشنڈ کمرے میں مہمانوں کے ساتھ گپ شپ میں مصروف ہیں، چائے پی جارہی ہے، ناشتہ ہو رہا ہے۔ اس طرزِ عمل سے ایک طرف تو تنخواہ حرام ہو رہی ہے اور دوسری طرف خلقِ خدا کو پریشان کرنے کا گناہ ہو رہا ہے۔[1]

استاذ کو چاہیئے کہ ہر طالب علم کے ساتھ انصاف والا معاملہ کرے

مدرّس کے لئے ضروری ہے کہ طلبہ کے ساتھ عدل و مساوات سے پیش آئے اور ان کے درمیان عدل و مساوات برقرار رکھے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ:

"بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتے ہیں۔"[2]

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

[1] اصلاحی خطبات: ۱۲۴/۶ [2] سورۃ النحل: آیت ۹۰

﴿وَأُمِرْتُ لِأَعْدِلَ بَيْنَكُمْ﴾[1]

ترجمہ: "مجھے حکم دیا گیا کہ میں تمہارے درمیان عدل قائم کروں۔"

ان آیات میں عدل و مساوات قائم رکھنے کا حکم ہے، خود آں حضرت ﷺ کا ایک خاص موقع پر ارشاد ہے "سابقہ امتوں کے بعض لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ وہ شریف مال دار اور کمزور کے لئے ایک ہی قانون ہوتے ہوئے بھی عدل قائم نہیں رکھتے تھے، خدا کی قسم! میری بیٹی فاطمہ بھی اگر (معاذ اللہ) چوری کرتی تو میں (مساوات اور عدل قائم رکھتے ہوئے) اس کا ہاتھ بھی کاٹ ڈالتا۔"[2]

حضرت مجاہد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "معلم جب طلبہ میں عدل نہیں کرتا تو وہ ظالم لکھا جاتا ہے۔"[3]

استاذ ایک ایسے نازک مقام پر ہوتا ہے کہ ذرا سی افراط یا تفریط اس کو، کوسوں دور لے جاتی ہے اور منزل سے دور بھٹکا دیتی ہے، طلبہ کی طرف توجہ میں ہر ایک کے ساتھ دورانِ درس یکساں سلوک ہو، کسی کو یہ وہم و شبہ نہ ہو کہ کسی خاص وجہ سے فلاں طالب علم پر استاذ کی شفقت زیادہ ہے اور اس کے مقابلے میں مجھ پر کم ہے۔

خصوصاً امتحان میں ایک ایک پرچے پر اچھی طرح نگاہ ہو، جس کو جتنے بھی نمبر دیئے جائیں تو انصاف کے ساتھ دیئے جائیں، ایسا نہ ہو کہ پرچوں کو کاپیوں کو سرسری نگاہ سے دیکھ لیا جائے اور کئی چیزیں دیکھنے سے رہ جائیں، جس کا نتیجہ اس طرح نکلے کہ محنتی طلبہ کے بعض صحیح جوابات پر استاذ کی نگاہ نہ جا سکے اور وقت ضائع کرنے والے طالب علم کی لکھی ہوئی، کسی ایک عبارت پر نگاہ پڑ گئی، تو اس کو پاس اور محنتی کو فیل کر دیا تو گویا جو قابل نہ تھا زیادہ نمبروں سے پاس کر دیا اور جو پاس ہونے والا تھا

[1] سورة الشورى: آيت ١٥

[2] مسلم، كتاب الحدود، باب قطع السارق الشريف: ٦٤/٢

[3] المعلم الاول: ص ٢١

وہ فیل کر دیا گیا۔

آخر میں ایک اور اہم بات بھی یہاں جاننا ضروری ہے وہ یہ کہ لفظِ شہادت اور گواہی کا جو مفہوم آج کل عُرف میں مشہور ہو گیا ہے، وہ تو صرف مقدمات و خصومات میں کسی حاکم کے سامنے گواہی دینے کے لئے مخصوص سمجھا جاتا ہے، مگر قرآن و سنت کی اصطلاح میں لفظ شہادت اس سے زیادہ وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ مثلاً کسی بیمار کو ڈاکٹری سرٹیفکیٹ دینا کہ یہ ڈیوٹی ادا کرنے کے قابل نہیں تھا یا نوکری کرنے کے قابل نہیں تھا۔ یہ بھی ایک شہادت ہے۔ اگر اس میں واقعے کے خلاف لکھا گیا تو وہ جھوٹی شہادت ہو کر گناہ کبیرہ ہو گیا۔

اسی طرح امتحانات میں طلبہ کے پرچوں پر نمبر لگانا بھی ایک شہادت ہے۔ اگر جان بوجھ کر یا بے پرواہی سے نمبروں میں کمی بیشی کر دی تو وہ بھی جھوٹی شہادت ہے جو حرام اور سخت گناہ ہے۔

کامیاب ہونے والے فارغ التحصیل طلبہ کو سند یا سرٹیفکیٹ دینا، اس کی شہادت ہے کہ وہ متعلقہ کام کی اہلیت و صلاحیت رکھتا ہے، اگر وہ شخص واقع میں ایسا نہیں ہے تو اس سرٹیفکیٹ یا سند پر دستخط کرنے والے سب کے سب شہادتِ کاذبہ کے مجرم ہو جاتے ہیں۔

اس جرمِ عظیم کی برائی پر آپ جتنا بھی غور کریں تو کم ہے، مستقبل قریب میں اور مستقبل بعید میں اس کی تباہی پورے معاشرے پر اثر انداز ہوتی ہے۔

استاذ ایک حیثیت سے والد کا مقام رکھتا ہے اور والد کے لئے اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ ایک بچے کو دوسرے بچے پر کسی طرح ترجیح نہ دے، اگر ایک بچے کے لئے بسکٹ لایا ہے تو دوسرے کیلئے بھی لائے، جتنے بچے ہیں، سب میں برابر تقسیم کرے۔

بچوں میں برابری نہ کرنے کو حدیث شریف میں ظلم کہا گیا ہے، مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ نعمان بن بشیر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: میرے والد صاحب

آپ ﷺ کے پاس تشریف لائے اور عرض کیا: میں نے اپنے بیٹے کو ایک غلام ہدیہ دیا ہے اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے اپنے دوسرے بیٹے کو بھی اسی طرح ہدیہ دیا ہے؟ تو وہ کہنے لگے نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: وہ ہدیہ اُس بیٹے سے واپس لے لو۔

ایک روایت میں ہے کہ ان صحابی نے آپ ﷺ کو اس ہدیے پر گواہ بنانے کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے دریافت فرمایا:

"یَا بَشِیْرُ! أَلَكَ وَلَدٌ سِوٰی هٰذَا ؟"[1]

تَرجَمَہ: "اے بشیر! کیا تمہارے اس کے علاوہ بھی کوئی بیٹے ہیں؟"

صحابی نے جواب دیا جی ہاں: آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے سب کو اسی طرح دیا ہے؟

انہوں نے کہا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: تم مجھے اس پر گواہ نہ بناؤ، اس لئے کہ میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا، ایک اور روایت میں ہے:

"اِتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْدِلُوْا فِیْ أَوْلَادِكُمْ."[2]

تَرجَمَہ: "اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان برابری رکھو۔"

اور "تکملة فتح الملهم" میں اسی طرح کا ایک قصہ حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ کے ساتھ ایک شخص بیٹھے ہوئے تھے تو اُن کا بیٹا آیا انہوں نے اس کو بوسہ دیا اور اپنی ران پر بٹھایا، پھر بیٹی آئی اُس کو اپنے برابر میں بٹھایا، اس پر آپ نے فرمایا:

"فَهَلَّا عَدَلْتَ بَیْنَهُمَا؟"

تَرجَمَہ: "تم نے ان دونوں کے درمیان برابری کیوں نہیں کی؟"

[1] مسلم، کتاب الهبات، باب كراهة تفضيل بعض اولاده: ۳۷/۲

[2] مسلم، کتاب الهبات، باب كراهة تفضيل بعض اولاده: ۳۷/۲

"تکملة فتح الملھم" میں اس روایت پر یہ بھی اضافہ ہے:

"قَارِبُوا بَيْنَ أَبْنَآئِكُمْ وَلَوْ فِي الْقُبَلِ." [1]

تَرجَمَۃ: "اپنی اولاد کے درمیان برابری کرو چاہے بوسہ لینے میں ہو۔"

لہٰذا اساتذہ کرام کو چاہیے کہ حتی الامکان طلبہ میں برابری رکھیں، کسی کو محض مال دار ہونے کی بنا پر یا خاص تعلق کی بنا پر یا ذہین ہونے کی بنا پر اس طرح ترجیح نہ دیں کہ عدل وانصاف پر کسی قسم کی آنچ آئے۔

حضرت سعید بن مسیب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ایک مسلمان اور یہودی اپنے جھگڑے کا فیصلہ کروانے حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس آئے۔ آپ نے دیکھا کہ یہودی حق پر ہے تو آپ نے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا، اس پر اس یہودی نے کہا: اللہ کی قسم! آپ نے حق کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ سن کر حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اسے (خوشی میں ہلکا سا) کوڑا مارا اور فرمایا: تجھے کس طرح پتہ چلا (کہ حق کیا ہوتا ہے؟)

اس پر یہودی نے کہا: اللہ کی قسم! ہمیں تورات میں یہ لکھا ہوا ملتا ہے کہ جو قاضی حق کا فیصلہ کرتا ہے، اس کے دائیں اور بائیں دو فرشتے ہوتے ہیں، جو اسے صحیح راستہ پر چلاتے ہیں اور اسے حق بات کا الہام کرتے ہیں، جب تک وہ قاضی حق کا فیصلہ کرنے کا عزم رکھتا ہے، جب وہ یہ عزم چھوڑ دیتا ہے تو دونوں فرشتے اسے چھوڑ کر آسمان پر چڑھ جاتے ہیں۔ [2]

لہٰذا استاذ ہمیشہ حق کا فیصلہ کرنے کی نیت کرے، کسی طرح بھی کسی کے حق میں ناانصافی نہ ہونے دے، کسی کی غلطی سے زیادہ اس کو ڈانٹ نہ پڑ جائے، کسی کے

---

[1] تکملہ فتح الملھم، کتاب الھبات، باب کراھة تفضیل بعض الأولاد في الھبة: ۷۲/۲

[2] موطا امام مالك، كتاب الاقضية، الترغيب في القضاء بالحق: ص۶۳۲

ساتھ حد سے زیادہ تسامح نہ ہو جائے۔

ڈانٹتے ہوئے، سزا دیتے ہوئے، پرانے جرموں کو دوبارہ تازہ نہ کیا جائے، جن پرانی کوتاہیوں پر ایک مرتبہ باز پرس کر لی گئی ہو، اس پر دوبارہ باز پرس نہ کی جائے۔

کسی اور کا غصہ کسی اور پر ہرگز نہ اتاریں، بسا اوقات ناتجربہ کار اور نئے اساتذہ قلتِ تحمل یا حضرت حکیم الامت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی کتابوں کے مطالعہ نہ کرنے کی وجہ سے، یا حقوق العباد کی ادائیگی میں غفلت کی بناء پر تھوڑی سی کوتاہی کو حیلہ بہانہ بنا کر پرانی کوتاہیوں کا انتقام لیتے رہتے ہیں۔

بعض اوقات بعض طلبہ اساتذہ کو فی الفور کسی بات پر جواب دے دیتے ہیں، جس کو نئے اساتذہ بے ادبی پر محمول کر لیتے ہیں۔ اس طرح کی چھوٹی چھوٹی باتیں بیٹھے خمار کی طرح جمع ہوتی رہتی ہیں کسی موقع پر جب اس طالب علم سے تاخیر ہوگئی یا سبق کے یاد کرنے میں کوتاہی ہوگئی تو ان سب جرموں کو جمع کر کے اتنا سخت ڈانٹا جاتا ہے کہ وہ یا تو ادارہ چھوڑ دیتا ہے، یا تعلیم سے بدظن ہو جاتا ہے۔ یہ سب امورِ عدل کے خلاف ہیں۔

غریبوں کے بچوں کے ساتھ حقارت آمیز سلوک نہ ہو، دوسرے اساتذہ اور ناظم تعلیمات کے بچوں کو صاحبزادگی، چودھری پن، اور شریر وغیرہ کا طعنہ نہ دیا جائے کہ دیکھو تم کیسے .... اور تمہارے والد کیسے......؟

انصاف کا برتاؤ کرنے کی کوشش کی جائے۔ باپ کی شرافت کے عہدہ ومنصب کو ذریعہ بنا کر بچہ کو طعنہ نہ دیا جائے، ناظمِ تعلیمات اور کوروڈینیٹر سے ناراضگی ہو تو اس کا غصہ ان کی اولاد پر نہ نکالا جائے کہ یہ سب امورِ انصاف کے خلاف ہیں اور اخیر میں توبہ واستغفار بھی کی جائے۔

کہتے ہیں کہ ایک طوطے کا اپنے بچہ کے ساتھ گزر ایک ویرانے سے ہوا، وہ ایک درخت کی ٹہنی پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

طوطے نے اپنے بچہ سے کہا: ”لگتا ہے یہاں سے کسی اُلو کا گزر ہوا ہے، جس کی وجہ سے یہ بستی ویران ہوگئی ہے۔“

طوطے کے بچہ نے سر ہلا کر طوطے کی اس بات کی تصدیق کی۔

ایک اُلو کسی دوسری ٹہنی پر بیٹھا یہ باتیں سن رہا تھا، وہ جھٹ پٹ ان کی طرف آیا اور ان کا حال احوال پوچھا اور پھر کہا: ”آپ میرے علاقے میں آئے ہیں، میری خواہش ہے کہ آج کھانا آپ میرے ساتھ کھائیں“ طوطا اور اس کے بچہ نے اس کی دعوت قبول کر لی۔

کھانے کے بعد جب طوطا اور اس کا بچہ رخصت ہونے لگے، تو اُلو نے طوطے کے بچہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا: ”تم کہاں جا رہے ہو؟“

طوطے کا بچہ پریشان ہوگیا، اور بولا: ”یہ کوئی پوچھنے کی بات ہے، میں اپنے ابو کے ساتھ واپس جا رہا ہوں۔“ اُلو یہ سن کر ہنسا اور کہا: ”یہ تم کیا کہہ رہے ہو، تم تو میرے بچے ہو۔“ اس پر طوطا اور بچہ اُلو پر جھپٹ پڑے اور گرما گرمی شروع ہوگئی۔

اُلو بولا ”ہمارے اس طرح جھگڑنے سے مسئلہ حل نہیں ہوگا، تم اپنے دعوے پر جمے رہوگے، میں اپنے دعوے پر جما رہوں گا۔ لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ہم عدالت سے رجوع کرتے ہیں، جو فیصلہ عدالت کرے گی، وہ مجھ کو منظور ہوگا۔“

عدالت میں ججوں نے پوری تفصیل سے یہ کیس سنا اور بالآخر فیصلہ سنایا کہ یہ اُلو کا بچہ ہے، لہٰذا اسے اُلو کے حوالے کیا جائے۔

یہ سن کر طوطا روتا ہوا ایک طرف چل دیا۔ پیچھے سے اُلو نے اسے آواز دی ”اکیلے کہاں جا رہے ہو؟ اپنے بچہ کو تو ساتھ لیتے جاؤ۔“

طوطے نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا: ”اب میرے زخموں پر نمک نہ چھڑکو، عدالت کے ’فیصلے‘ کے مطابق یہ بچہ میرا نہیں، تمہارا ہے“ یہ سن کر اُلو نے نرمی سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور بولا ”نہیں میرے دوست!

یہ میرا نہیں، تمہارا ہی بچہ ہے۔ میں تو تمہیں صرف یہ بتانا چاہتا تھا کہ بستیاں اُلو ویران نہیں کرتے، بل کہ بستیاں تب ویران ہوتی ہیں، جب ان بستیوں سے انصاف اُٹھ جاتا ہے۔“

یہ حکایت صاحبانِ قلم .... صاحبانِ عدل .... صاحبانِ اقتدار .... اساتذہ ومعلمات ...... اور تمام والدین ...... کے لئے بھی ہے کہ اپنے بچوں اور شاگردوں کے ساتھ برتاؤ میں برابری رکھیں، کسی بھی طرح ایک بچے کے مقابلے میں دوسرے کو سوائے کسی واقعی ضرورت کے ترجیح نہ دیں۔

اگر والدین نے ایک چھوٹے بچے کو بوسہ دیا تو دوسرے کو بھی دیں۔ ایک کو کھانے کی چیز دی ہے تو دوسرے کو بھی دیں اور اس وقت اگر ایک نواسہ یا نواسی بھی موجود ہیں تو ان کو بھی دیں۔ ایک پوتے کو پیار کیا تو دوسرے پوتے کو بھی پیار کریں، ورنہ دو بہوؤں میں یا دو بیٹوں میں منافرت وشکوک وشبہات پیدا ہوں گے اور ایک پرندے کا بزبانِ حال دیا ہوا یہ پیغام یاد رکھیں کہ، بستیاں اُلو ویران نہیں کیا کرتے، بل کہ جب بستیوں سے انصاف اُٹھ جاتا ہے تو بستیاں ویران ہو جایا کرتی ہیں اور گھروں کے گھر اجڑ جاتے ہیں۔ اسکول اور مدارس اجڑ جاتے ہیں۔

مثالی استاذ، جماعت کو ایک خاندان سمجھ کر اس کے ہر فرد کو یکساں محبت، توجہ اور قبولیت دیتا ہے۔ وہ بچوں میں مساوات، باہمی محبت اور اشتراکِ عمل کا شوق پیدا کراتا ہے۔ اس کی جماعت کے بچے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر باہمی تعاون سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ آپ نے ایسے بہت سے بچے دیکھے ہوں گے، جو اپنے ہم سبقوں کی محبت، محنت اور مدد سے آگے بڑھتے ہیں۔ کمزور بچوں کو ساتھیوں کی مدد، استاذ کی ہمت افزائی اور راہنمائی اور عدل وانصاف سے اپنی کمزوریوں کو دور کرنے اور ترقی کرنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

عادل آدمی اللہ کا محبوب ترین بندہ ہے

ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”عادل اللہ کا محبوب اور قریب ترین انسان ہے، اور ظالم اللہ کی رحمت اور نظر کرم سے دور ہوتا ہے۔[1]“

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے فرمایا کہ:

”تم جانتے ہو کہ سب سے پہلے اللہ کے سایہ کے نیچے کون جائے گا؟“

انہوں نے جواب دیا کہ اللہ اور اس کے رسول ہی کو اس بات کا زیادہ علم ہے، پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ وہ لوگ ہوں گے، جن کے سامنے جب حق آجائے تو فوراً قبول کر لیتے ہیں، اور جب ان سے سوال کیا جاتا ہے تو مال کو خرچ کرتے ہیں، اور جب وہ فیصلہ کرتے ہیں تو ایسا عادلانہ کرتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے لئے کرتے ہیں۔[2]

حضرت کلیب رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اصفہان سے مال آیا، آپ نے اسے سات حصوں میں تقسیم کیا، اس میں آپ کو ایک روٹی بھی ملی، آپ نے اس کے سات ٹکڑے کئے اور ہر حصہ پر ایک ٹکڑا رکھ دیا، پھر لشکر کے ساتوں حصوں کے امیروں کو بلایا اور ان میں قرعہ اندازی کی، تا کہ پتہ چلے کہ ان میں سے پہلے کس کو دیا جائے۔[3]

حضرت عبداللہ ہاشمی رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس دو عورتیں مانگنے کے لئے آئیں، ان میں سے ایک عربی تھی اور دوسری اس کی آزاد کردہ باندی تھی، آپ نے حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک کو

[1] ترمذی، کتاب الأحکام، باب ماجاء في الإمام العادل: ۱/۲۴۸
[2] مسند احمد: ۶/۶۷، رقم: ۲۳۸۵۸ بروایت عائشہ
[3] سنن الکبریٰ، کتاب قسم الفئی والغنیمة باب التسویة بین الناس: ۶/۳۴۸

ایک کُر (تقریباً ۶۳ من) غلہ اور چالیس درہم دیئے جائیں، اس آزاد شدہ باندی کو تو جو ملا وہ اسے لے کر چلی گئی۔

لیکن عربی عورت نے کہا: اے امیر المؤمنین! آپ نے اس کو جتنا دیا مجھے بھی اتنا ہی دیا۔ حالاں کہ میں عربی ہوں اور یہ آزاد کردہ باندی ہے، اس سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب میں بہت غور سے دیکھا، تو اس میں مجھے اولادِ اسماعیل علیہ السلام کو اولادِ اسحاق علیہ السلام پر کوئی فضیلت نظر نہیں آئی۔[1]

استاذ شاگردوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے

اساتذہ کو چاہیئے کہ شاگردوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرے اور ان کے ساتھ ہر معاملہ میں غصہ سے پیش نہ آئے بل کہ نرمی سے پیش آئے، اور ان سے اچھا کلام کیا جائے تا کہ ان کو استفادہ کرنے میں آسانی ہو۔

جیسا کہ احادیث مبارکہ میں آتا ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ:

”اَلْکَلِمَةُ الطَّیِّبَةُ صَدَقَةٌ.“[2]

ترجمہ: ”اچھی بات کہنا بھی صدقہ ہے۔“

حضرت نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ:

”اِتَّقُوا النَّارَ، وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَمَنْ لَمْ یَجِدْ فَبِکَلِمَةٍ طَیِّبَةٍ.“[3]

[1] سنن الکبری، کتاب قسم الفئی والغنیمة: ۶/۳۴۹
[2] بخاری، کتاب الادب، باب طیب الکلام: ۲/۸۹۰
[3] بخاری، کتاب الأدب، باب طیب الکلام: ۲/۸۹۰

ترجمہ: ”تم آگ سے بچو اگرچہ تمہارے پاس کھجور آدھے حصے کے بقدر کیوں نہ ہو (اس کو صدقہ کر دیں) اگر یہ بھی نہ ہو تو اچھی بات ہی کہہ دیں۔“

اور ایک حدیث میں آتا ہے حضرت مقدام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، یا رسول اللہ! کوئی ایسی چیز بتلا دیجیے، جس سے میں جنت کا مستحق بن جاؤں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کھانا کھلانا، سلام کو عام کرنا، اور اچھی بات کہنا۔ [1]

ایک حدیث میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جنت میں ایسے محلات ہیں، جس کے ظاہری حصے اندر سے اور اندرون حصے ظاہر سے نظر آئیں گے اس پر حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! یہ محلات کن لوگوں کے لئے ہوں گے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس شخص کے لیے، جس نے اچھی بات کہی اور کھانا کھلایا اور رات نماز میں گزاری، جب کہ لوگ سو رہے ہوں۔“ [2]

ذلت ورسوائی کے بجائے وعظ ونصیحت سے اصلاح کیجیے

اگر کوئی طالب علم کسی گناہ میں ملوث پایا جائے تو اساتذہ کرام کو چاہیے کہ اس طالب علم کی اصلاح وعظ ونصیحت سے کرے نہ کہ ذلیل ورسوائی سے۔

جیسا کہ مندرجہ ذیل واقعہ میں ہے۔

ایک مرتبہ حضرت ابوداؤد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا گزر ایک مجمع کی طرف ہوا جو ایک آدمی کے گرد اکٹھا تھا۔ لوگ اسے مار پیٹ رہے تھے اور گالیاں دے رہے تھے۔

[1] الترغيب والترهيب، كتاب البر والصلة، باب الترغيب في طلاق الوجه وطيب الكلام: ۲۸۴/۳

[2] مستدرك للحاكم، كتاب الايمان: ۱۴۳/۱، رقم: ۲۷۱

انہوں نے حقیقت حال دریافت کی۔

”مَا الْخَبَرُ ......؟“

ترجمہ: ”کیا بات ہے؟“

لوگوں نے کہا:

”رَجُلٌ وَقَعَ فِي ذَنْبٍ كَبِيرٍ.“

ترجمہ: ”ایک آدمی ہے، جس نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ ہم اس کی پٹائی کر رہے ہیں۔“

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان سے پوچھا:

”أَرَأَيْتُمْ لَوْ وَقَعَ فِي بِئْرٍ أَفَلَمْ تَكُونُوا تَسْتَخْرِجُونَهُ مِنْهُ؟.“

ترجمہ: ”یہ بتاؤ! اگر یہ شخص کسی کنویں میں گر جاتا تو کیا تم اسے وہاں سے نہ نکالتے؟“

سب نے کہا:

”بَلٰى.“

ترجمہ: ”کیوں نہیں۔“

حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان لوگوں کو سمجھاتے ہوئے فرمایا:

”لَا تَسُبُّوهُ وَلَا تَضْرِبُوهُ وَإِنَّمَا عِظُوهُ وَبَصِّرُوهُ، وَاحْمَدُوا اللّٰهَ الَّذِي عَافَاكُمْ مِنَ الْوُقُوعِ فِي ذَنْبِهِ.“

ترجمہ: ”پھر تم اس کو نہ گالی دو، نا مارو پیٹو، بل کہ صرف سمجھانے بجھانے اور وعظ ونصیحت کو کافی سمجھو اور اس بات پر خدا کا شکر ادا کرو کہ اس نے تم کو اس گناہ سے محفوظ رکھا۔“

لوگوں نے پوچھا:

”أَفَلَا تُبْغِضُهُ؟.“

تَرجَمَۃ: ”تو کیا آپ اسے ناپسند نہیں کرتے؟“

حضرت ابودرداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا:

”إِنَّمَا أُبْغِضُ فِعْلَهٗ فَإِذَا تَرَكَهٗ فَهُوَ أَخِيْ.“

تَرجَمَۃ: ”میں صرف اس کے گناہ کو ناپسند کرتا ہوں، اگر اس سے باز آجائے تو پھر یہ میرا دینی بھائی ہے۔“

حضرت ابودرداء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی یہ بات سنی تو وہ لوگ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور اپنے گناہ سے توبہ کرنے لگے۔[1]

زبان انسان کی بہترین دوست ہے

حضرت ابوسعید خدری رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا:

”إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَإِنَّ الْأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُوْلُ اِتَّقِ اللّٰهَ فِيْنَا فَإِنَّا نَحْنُ بِكَ فَإِنِ اسْتَقَمْتَ اِسْتَقَمْنَا وَ إِنِ اعْوَجَجْتَ اِعْوَجَجْنَا.“[2]

تَرجَمَۃ: ”جب آدمی صبح کرتا ہے تو اس کے سارے اعضاء عاجزی اور لجاجت کے ساتھ زبان سے کہتے ہیں، کہ (خدا کی بندی ہم پر رحم کر) اور ہمارے بارے میں خدا سے ڈر، کیوں کہ ہم تیرے ہی ساتھ بندھے ہوئے ہیں تو اگر ٹھیک رہی تو ہم ٹھیک رہیں گے، اور اگر تو نے غلط روی اختیار کی، تو ہم بھی غلط روی کریں گے (اور پھر اس کا خمیازہ بھگتیں گے)۔“

تشریح: اس حدیث میں بتلایا گیا ہے کہ زبان کی اسی خاص نوعیت کی وجہ سے ہر

[1] صُوَرٌ من حیاة الصحابة: ص ۲۰۹
[2] ترمذی، ابواب الزھد، باب ماجاء فی حفظ اللسان: ۲/۶۶

روز، انسان کے سارے اعضا بزبانِ قال یا بزبانِ حال پوری عاجزی اور لجاجت کے ساتھ زبان سے درخواست کرتے ہیں کہ خدا کی بندی ہماری صلاح و فلاح اور ہمارے انجام کی اچھائی برائی تجھ سے ہی وابستہ ہے، اس لئے ہم پر رحم کر اور اللہ تعالیٰ سے بے خوف ہو کر بیباکانہ نہ چل، ورنہ تیرے ساتھ ہم بھی اللہ کے عذاب میں گرفتار ہوں گے۔[1]

کہتے ہیں کہ زبان انسان کی بہترین دوست ہے، لیکن کبھی کبھی بدترین دشمن ثابت ہوتی ہے، عربی کا مشہور شعر ہے:

جِرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامُ
وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ[2]

تَرجَمَۃ: ”نیزوں سے لگے زخم، کبھی نہ کبھی بھر جایا کرتے ہیں، لیکن زبان سے لگائے گئے زخم کبھی نہیں بھرتے۔“

حکیم لقمان سے ان کے آقا نے کہا: ایک بکری ذبح کرکے اس کے بہترین حصے کا گوشت لے آؤ، وہ ذبح کرکے دل اور زبان لے آئے۔ پھر کہا ایک اور بکری ذبح کرکے اس کا بدترین گوشت لے آؤ، وہ دوبارہ دل و زبان لے کر آگئے۔

پوچھا پہلے میں نے تم سے مطالبہ کیا کہ اس کے بہترین حصہ کا گوشت لے آؤ، تو تم زبان و دل لائے، اور جب مطالبہ کیا کہ بدترین حصہ کا گوشت لے آؤ تو بھی زبان و دل لے آئے تو انہوں نے جواب دیا:

”إِنَّهٗ لَا أَطْيَبَ مِنْهُمَا إِذَا طَابَا، وَلَا أَخْبَثَ مِنْهُمَا إِذَا خَبُثَا“[3]

تَرجَمَۃ: ”ان دونوں حصوں سے کوئی بھی بہتر نہیں، جب یہ دونوں بھلائیوں کے کام میں استعمال ہوں، اور دونوں سے برا کوئی نہیں، جب

[1] معارف الحدیث ۶/۲۴۴ [2] شرح جامی صفحہ ۱۳
[3] سمیر المؤمنین ص ۱۳۸

یہ دونوں برائیوں میں استعمال ہوں۔"

ہم میں سے ہر ایک جانتا ہے کہ ابوجہل نے آپ ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو کتنی تکالیف پہنچائیں، پھر ابوجہل مکہ کا سب سے سرکش اور جابر شخص، شرک و کفر کے قافلہ کا سالار اور مسلمانوں کی ابتلاء و آزمائش کا سب سے بڑا ذمہ دار تھا اور اس کے بیٹے عکرمہ بن ابی جہل نے بھی اسلام اور مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت الباشا اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:

"فَعَادَى الرَّسُوْلَ أَشَدَّ الْعِدَاءِ، وَآذٰى أَصْحَابَهُ أَفْدَحَ الْإِيْذَاءِ، وَصَبَّ عَلَى الْإِسْلَامِ وَالْمُسْلِمِيْنَ مِنَ النَّكَالِ مَاقَرَّتْ بِهٖ عَيْنُ أَبِيْهِ." [1]

ترجَمہ: "عکرمہ نے آپ ﷺ کے ساتھ سخت دشمنی کا رویہ اختیار کیا۔ آپ کے صحابہ کو دردناک سزائیں دیں، اور مسلمانوں کو ایسی سخت تکالیف پہنچائیں جس سے اُن کے والد کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔"

غزوہ احد میں کافروں کا پلہ بھاری ہوگیا، اس میں عکرمہ کا زیادہ ہاتھ تھا۔

اس سب کے باوجود جب وہ اسلام قبول کرنے کے لئے مکہ آرہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"يَأْتِيْكُمْ عِكْرِمَةُ بْنُ أَبِيْ جَهْلٍ مُؤْمِنًا مُهَاجِرًا، فَلَا تَسُبُّوْا أَبَاهُ، فَإِنَّ سَبَّ الْمَيِّتِ يُؤْذِي الْحَيَّ وَلَا يَبْلُغُ الْمَيِّتَ." [2]

ترجَمہ: "عکرمہ بن ابی جہل بہت جلد ایک مؤمن و مہاجر کی حیثیت سے تمہارے پاس پہنچنے والا ہے، اس کے باپ کو برامت کہنا، مردے کو

[1] صور من حياة الصحابة: ص١١٥

[2] كنز العمال، كتاب الفضائل، السابع: ١٣/٢٣٣، رقم: ٣٧٤١٦

برا کہنے سے زندہ کو اذیت پہنچتی ہے اور میت کو اس کی خبر بھی نہیں ہوتی۔"

ہمیں بھی چاہیے کہ ہم حضور اکرم ﷺ کی کامل اتباع کی کوشش کریں، ابوجہل جیسے شخص کو جس کی موت یقیناً کفر پر ہوئی ہے، اس کے باوجود اس کو برا بھلا کہنے کی اجازت نہیں دی گئی، تو ہمیں مسلمانوں کو اور مسلمانوں کے معصوم بچوں کو برے القابات استعمال کرنے کی کیسے اجازت ہوگی!

مطلب یہ تھا کہ یہ دونوں حصے دل و زبان جتنے اچھے ہیں ہماری لاپرواہی اور ان کے غلط استعمال سے اتنے ہی برے بھی ثابت ہوسکتے ہیں۔

یہ زبان جسم کا نازک ترین عضو ہے، لیکن گوشت کے اس چھوٹے سے لوتھڑے نے دنیا میں جو قیامتیں ڈھائی ہیں اور انقلاباتِ زمانہ کو جنم دیا ہے، اس کی تاریخ بہت طویل اور حیران کن ہے۔ زبان قوتِ گویائی کا وسیلہ ہے اور یہی چیز اسے ایک اشرف عضو کا درجہ دیتی ہے۔ اس کے ذریعہ ہم اپنے خیالات واحساسات دوسروں تک پہنچاتے ہیں، ذائقوں کا مزہ اُٹھاتے ہیں۔ یہی زبان ہمیں موت کا پیغام بھی دیتی ہے اور زندگی کی نوید بھی سناتی ہے، ہمیں زخمی بھی کرتی ہے اور ہمارے زخموں کا مداوا بھی کرتی ہے۔

زبان سے آپ کسی کا دل موہ لیتے ہیں اور کسی کی دل آزاری بھی کرتے ہیں یہی زبان آپ کو امید دلاتی ہے اور آپ کی امیدوں کو خاک میں بھی ملاتی ہے۔ زبان کے کرشمے اتنے گوناگوں اور وسیع ہیں کہ انہیں زندگی کے ہر مرحلے پر اور ہر شعبے میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے اسی زبان کے ذریعے انقلابات برپا کئے اور معاشرے کو بدل کر رکھ دیا اور یہ ہٹلر کی زبان ہی تھی جس کی شعلہ بیانی نے پوری دنیا کو جنگ کے شعلوں میں دھکیل دیا۔ زبان کو انسان کا بہترین دوست سمجھا جاتا ہے، لیکن یہ کبھی بدترین دشمن بھی ثابت ہوتی ہے۔

ہماری معاشرتی زندگی میں اس زبان نے بے شمار منفی اور مثبت کردار ادا کئے ہیں، لیکن فی الوقت روزمرہ زندگی میں زبان کا جو سب سے زیادہ اثر محسوس کیا جارہا ہے، وہ زبان کے گھاؤ ہیں، جو تلوار کے زخم سے بھی زیادہ گہرے ہیں اور جن کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں لاکھوں افراد مختلف مسائل کا شکار ہیں، آپ بھی اگر کسی "زبان" کے زخم خوردہ ہیں تو کبھی کبھی رات کی تنہائیوں میں اس کی ٹیس ضرور محسوس کرتے ہوں گے، ہماری زبان کے یہ گھاؤ معاشرے کے کئی دلچسپ پہلوؤں کی عکاسی کرتے ہیں اور قدم قدم پر نظر آتے ہیں، زخم اندر ہی اندر رستے رہتے ہیں اور کوئی شخص سرِعام ان کا تذکرہ نہیں کرتا اور نہ انہیں دیکھ سکتا ہے۔

مثلاً: لاہور کے ایک ماہرِ نفسیات کے پاس ایک ایسا نوجوان زیرِ علاج تھا، جس کی راتوں کی نیند اُڑگئی، وہ ڈپریشن کا مریض ہوا، پڑھائی سے اس کا دل اچاٹ ہو گیا، ڈاکٹر صاحب نے اس کی کیس ہسٹری بتاتے ہوئے کہا کہ افتخار نامی یہ لڑکا میٹرک میں اتنے زیادہ نمبر حاصل نہ کرسکا، جتنے نمبروں کی اس کے والدین کو اس سے توقع تھی، دراصل جس روز ریاضی کا پرچہ تھا اس روز اس کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی اور اس نے سخت بخار کی حالت میں امتحان دیا تھا، وہ بمشکل سیکنڈ ڈویژن میں پاس ہوسکا، نتائج پر اس کے والدین نے برہمی کا اظہار کیا۔

لیکن بچے کو اس وقت سخت شرمندگی کا سامنا کرنا پڑا۔ جب اہلِ خانہ اور دوسرے رشتہ داروں کی موجودگی میں، باپ نے بیٹے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "اس نے تو ہماری ناک ہی کٹوادی ہے اس کا کلاس فیلو جو کہ دسمبر کے ٹیسٹ میں بمشکل پاس ہوسکا تھا، اب سالانہ امتحان میں اس سے زیادہ نمبر لے گیا ہے، صد افسوس ایسی پڑھائی پر۔" بچے کو بھری محفل میں اپنے بارے میں یہ الفاظ سن کر سخت شرمندگی محسوس ہوئی، وہ فوراً دوسرے کمرے میں چلا گیا، اس کی بھوک ختم ہوگئی، والدین اسے منا کر کھانے پر لے آئے، اس نے کھانا تو کھالیا، لیکن باپ کے الفاظ

نے اس کے دل پر جو گھاؤ لگائے تھے وہ مٹ نہ سکے۔ اس کی راتوں کی نیند اُڑ گئی، بار بار اس کے ذہن میں باپ کے یہ الفاظ گونجتے کہ:

"اس نے تو ہماری ناک ہی کٹوادی ہے"

اسے ایک کالج میں داخلہ مل گیا، لیکن اب اس کے ذہن میں یہ خوف سما گیا تھا کہ وہ امتحان میں اچھے نمبر حاصل نہیں کرسکے گا، اور وہی ہوا جس کا ڈر تھا وہ دوبارہ کبھی امتحان میں کامیاب نہ ہوسکا، باپ نے اسے ایک دکان پر ملازم رکھوا دیا، اس کی پڑھائی سے تو جان چھوٹ گئی۔ لیکن باپ کے الفاظ کی بازگشت، اب بھی راتوں کو اس کے ذہن سے ٹکراتی ہے کہ اس نے رشتہ داروں میں ناک کٹوادی ہے، وہ اس قدر احساسِ کمتری اور بے اعتمادی میں مبتلا ہوگیا کہ اس کے لئے والدین کو مجبوراً ڈاکٹروں سے رجوع کرنا پڑا۔

اساتذہ کرام سے نہایت ہی ادب کے ساتھ عاجزانہ گزارش ہے کہ وہ قائد .... راہنما .... اور امام .... ہیں، خود بھی اپنی زبان کو بہت ہی احتیاط سے استعمال کریں اور بچوں کو بھی خوب یہی ترغیب دیں کہ تحمل وصبر کا مادہ پیدا کریں۔ اور ایسی تکلیف دہ باتوں کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیں، ہرگز اس پر سوچ سوچ کر لمبی عمارت تعمیر نہ کریں۔ بہادر بنیں، ایک بات کو لے کر نہ بیٹھ جائیں۔

اسی طرح والدین کو بھی سمجھائیں کہ بچوں کو کبھی اپنے ہم عمر یا کسی کے سامنے ذلیل نہ کریں، طعنہ نہ دیں۔ ترکی بہ ترکی جواب دینا عقل مندی نہیں۔

معاشرے کی اکثر برائیاں اسی زبان کے غلط استعمال سے وجود میں آتی ہیں، مثلاً اگر کسی طالب علم سے چلتے ہوئے کوئی چیز گرگئی تو خدانہ کرے استاذ یہ کہتا ہے اندھے ہوگئے ہو نظر نہیں آتا، چشمہ لگوالو۔

اب یہی الفاظ اس طالب علم کے دل ودماغ میں کچھ اس طرح پیوست ہوجاتے

ہیں کہ زندگی بھر وہ مایوسی یا احساسِ کمتری، یا موہوم خوف، کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں اور دوسرا بھاری نقصان یہ ہوتا ہے کہ جب تک وہ دوسروں کو یہی الفاظ نہیں سنا تا اس کو چین نہیں آتا تو گویا استاذ اس بات کا ذریعہ بنا کہ ایک طالب علم کی زبان پر اس طرح کے گندے الفاظ اور جاہلانہ اندازِ تخاطب آیا، اس کے بجائے استاذ اس طرح سمجھا سکتا تھا کہ ”کوئی بات نہیں، گلاس ٹوٹ گیا، اب کسی چیز کے ٹوٹ جانے یا گم ہو جانے کی یہ دعا پڑھ لو:

”اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ اَللّٰهُمَّ اْجُرْنِيْ فِيْ مُصِيْبَتِيْ وَاَخْلِفْ لِيْ خَيْرًا مِّنْهَا.“[1]

ترجمہ: ”ہم تو اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں اور ہم سب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں۔ اے اللہ مجھے مصیبت پر اجر عطاء فرما اور اس کا اچھا بدلہ عنایت فرما۔“

اور آئندہ خیال رکھنا، اچھے بچے کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ وہ دھیان سے چلتا ہے۔“

فائدہ: اب اس طالب علم نے اور تمام طلبہ نے ایک گلاس ٹوٹ جانے کی وجہ سے دعا سیکھ لی، صبر سیکھا، اور اندازِ گفتگو سیکھا۔ آئندہ ان بچوں کے سامنے کوئی چیز ٹوٹے گی تو وہ اسی طرح اپنی آنے والی نسلوں کو سکھائیں گے اور کہیں گے کہ فلاں استاذ نے ہمیں یہی سکھلایا تھا۔

اگر کسی طالب علم سے کوئی غلطی ہوگئی ہو تو استاذ کے یہ طنز آمیز جملے کہ:

❶ ”پانچویں میں پہنچ گئے ہیں اب تک سلیقہ نہیں آیا۔

❷ لگتا ہے چار سال سو کر گزارے۔

❸ دماغ میں بھوسہ بھرا ہوا ہے کتنی مرتبہ سمجھایا ہے کہ اس طرح کام کیا کرو، مگر عقل

[1] مسلم، کتاب الجنائز، باب ما یقال عند المصیبۃ: ۱/۳۰۰

تو تمہاری گھاس چرنے گئی ہوئی ہے۔

❹ پورے دس سال کا گھوڑا ہو گیا ہے اور ابھی تک بچہ بنا رہتا ہے، ویسے سچ ہے لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔

❺ تم تو برکت کے لئے پڑھتے ہو، تمہارے پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔“

اس قسم کے فقرے جب سب کے سامنے کہے جاتے ہیں تو انسان کی عزتِ نفس پر تازیانے کا کام کرتے ہیں، اور ان زخموں کو اگرچہ دیکھا نہیں جا سکتا لیکن ان کی ٹھیس شدت سے محسوس ہوتی ہے، بچپن میں کسی کی عزتِ نفس کو ٹھیس پہنچتی ہے تو یہ اس کی شخصیت میں ایک دراڑ بن کر تمام زندگی اس کے لئے سوہانِ روح بنی رہتی ہے۔

زبان کے یہ زخم جنہیں ہر دوسرا تیسرا شخص اپنے دل میں لئے پھرتا ہے ہمارے معاشرے کے مزاج، اندازِ فکر، شخصیتوں کے تصادم اور رویوں کے تضاد کی عکاسی کرتے ہیں، اس سے پتا چلتا ہے کہ معاشرے میں پیدا ہونے والے مسائل کے پس پردہ کیا محرکات کارفرما ہیں، مثلاً: اساتذہ کرام کا یہ کہنا کہ دانش تم بھی ایسے ہی بیوقوف اور تمہارے بھائی جو پچھلے سال پانچویں میں تھے وہ بھی ایسے ہی تھے، ماں باپ نے تمہیں کچھ سکھایا ہی نہیں، جیسے والدین ویسے بیٹے“ جیسی روح ویسے فرشتے“ آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے۔

اگر اساتذہ کرام کا یہ رویہ بچوں کے ساتھ رہتا ہے تو یہ بچے بڑے ہو کر اسی طرح کا اندازِ تخاطب، طرزِ گفتگو اپنا کر تاجر ہوتے ہوئے، ملازم ہوتے ہوئے الغرض ہر شعبے میں پڑھے لکھے ہونے کے باوجود، جنگل کے غیر مہذب حیوانوں اور درندوں کی طرح سلوک کرتے ہیں۔

یہ بچیاں بڑی ہو کر ساس، بہو بن کر بیوی یا بہن بن کر خود بھی پریشان رہتی ہیں اور دوسروں کو بھی پریشانیوں میں مبتلا کرتی ہیں اور دنیا میں جیتے جی اپنے گھر کو جہنم کا نمونہ بنا دیتی ہیں۔ ساس اور بہو کے درمیان نوک جھونک سنگین ہو جاتی ہے تو ایسے

میں کوئی جملہ زندگی بھر کے لئے اذیت کا سامان بن جاتا ہے۔ ساس بہو سے کہتی ہے ”تم اپنے ساتھ لائی ہی کیا تھیں، اتنے کم جہیز نے تو ہماری ناک ہی کٹوا دی، ماں باپ کے ٹھاٹ باٹ تو بہت تھے لیکن اندر سے خالی ہیں، ماں باپ نے سکھایا ہی کیا، روٹی پکانا تو آتا نہیں، جیسے والدین ویسی بیٹی ”جیسی روح ویسے فرشتے۔“ بہو پلٹ کر کہتی ہے ”آپ اس شادی پر خوش ہی کب تھیں، کنجوس مکھی چوس، ”چمڑی جائے دمڑی نہ جائے“ بارات لائیں تھیں یا جنازہ؟“

معاشرے میں کبھی کسی پر برا وقت آپڑے اور وہ مجبوری کے عالم میں، دستِ سوال دراز کرنے پر مجبور ہو جائے تو دوسری جانب آج کا بچہ کل کا یہ مخیر شخص ایسے تبصرے کرتا ہے کہ مانگنے والا شخص یہ چاہتا ہے کہ زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائے۔

غور فرمایئے! یہ آج کے بچے آپ کی ہر ادا اپنانے کی کوشش کریں گے۔ ایک پولیس افسر کا کہنا ہے کہ ہمارے معاشرے میں اکثر جرائم ہماری اشتعال انگیز گفتگو، غیر محتاط باتوں اور بے جا الزامات کی وجہ سے سرزد ہوتے ہیں، اور بعض اوقات ایک طعنہ کئی افراد کی زندگیوں کی بھینٹ لے لیتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا، اے اللہ کے رسول! سب سے افضل عمل کون سا ہے؟

فرمایا: اپنے وقت پر نماز ادا کرنا، پوچھا اس کے بعد سب سے افضل عمل کون سا ہے؟ فرمایا:

”أَنْ يَسْلَمَ النَّاسُ مِنْ لِسَانِكَ“ [1]

ترجمہ: ”کہ لوگ تمہاری زبان کے شر سے مامون و محفوظ رہیں۔“

حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

[1] الترغيب والترهيب، كتاب الأدب وغيره الترغيب في الصمت: ٣٣٥/٣

کا ارشاد ہے:

”طُوْبٰى لِمَنْ مَلَكَ لِسَانَهٗ وَوَسِعَهٗ بَيْتُهٗ وَبَكٰى عَلٰى خَطِيْئَتِهٖ.“ [1]

ترجمہ: ”خوشخبری ہو اس کے لئے جس نے اپنی زبان پر قابو پالیا ہو، اور اس کا گھر اس کے لئے کافی ہو گیا ہو (یعنی زیادہ تر اپنے گھر پر ہی رہتا ہو) اور اپنے گناہوں پر ندامت کے آنسو بہاتا ہو۔“

ماہرینِ نفسیات کا کہنا ہے کہ ہمارے پچاس فیصد نفسیاتی مسائل صرف اس وجہ سے پیدا ہوتے ہیں کہ شوہر بیوی کا باتوں سے دل دُکھاتا ہے، ساس بہو پر باتوں کے تازیانے برساتی ہے، باپ بیٹے کو طعنے دیتا ہے، استاذ باتوں سے بچوں کی عزتِ نفس مجروح کرتا ہے۔

ماہرینِ سماجیات کا موقف ہے کہ ہماری روزمرہ زندگی میں ایک دوسرے کے خلاف شکوک وشبہات، جھگڑے، ناراضگیاں اور غلط فہمیاں، تیز وتند گفتگو، غیر محتاط بات چیت اور دوسرے کو اشتعال دلانے والی باتوں سے پیدا ہوتی ہیں۔ اس لئے بزرگانِ دین کہتے ہیں:

”زبان کو اتنی آزادی نہ دیں کہ یہ آپ کو اپنا غلام بنالے۔“

اگر ہم زبان سنبھال کر بات کریں اور بقول بزرگوں کے ”پہلے تو لو پھر بولو“ یعنی بولنے سے پہلے سوچ لیں کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں، اور اپنے اندر تحمل اور برداشت کا مادہ پیدا کریں تو ہمارے معاشرے میں آپس کے جھگڑے اور تنازعے کافی حد تک کم ہو سکتے ہیں۔ مفکرین لفظوں کی اہمیت اور زبان کے کردار کے ہمیشہ معترف رہے ہیں۔ مشہور سائنسدان ”آئن اسٹائن“ کا کہنا ہے کہ ”اگرچہ الفاظ عام طور پر نظریات اور تصورات دوسروں تک منتقل کرتے ہیں، لیکن بعض الفاظ ہمارے احساسات اور

[1] الترغيب والترهيب، كتاب الأدب وغيره الترغيب في العزلة: ٢٦٧/٣

مثل مشہور ہے کہ ''گڑ نہ دے تو گڑ سی بات کرے۔'' اگر تم کسی کو فائدہ نہ پہنچا سکو، تو کم از کم شیریں کلامی سے پیش آؤ۔ اگر شیریں کلامی سے بھی محروم ہو، تو دل آزار کلمات ہی سے باز رہو۔ ''اے زنبور! اگر عسل نہ دہی، نیش مزن۔''

ے اچھا برا نہ کہہ دو، تم ظاہری بنا پر
اخلاق اس کے دیکھو، اصلی تو یہ ہے جو ہر

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابودرداء رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

''مَا شَيْءٌ أَثْقَلَ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ فَإِنَّ اللّٰهَ يُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيَّ''

یعنی میزان عمل میں خلق حسن کے برابر کسی عمل کا وزن نہیں ہوگا اور اللہ تعالیٰ گالی گلوچ کرنے والے بدزبان سے بغض رکھتے ہیں۔[1]

اسی طرح حضرت معاذ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا: مجھے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے یمن کا عامل بنا کر یہ وصیت فرمائی:

''يَا مُعَاذُ أَحْسِنْ خُلُقَكَ لِلنَّاسِ''

ترجمہ: ''اے معاذ! لوگوں سے حسن خلق کا برتاؤ کرو۔''[2]

شجر علم کا ثمر اوّلین، حلم وحسن اخلاق ہے، اگر تم یہ نعمت حاصل نہ کر سکے تو تمام علم بے کار ہے۔

جو نیکی یا بدی ہم نے کی، وہ ضرور پھل لائے گی۔ گو کہ اس کا ثمرہ ہمیں اس جہاں میں ملے، یا اگلے جہاں میں۔

خدم وحشم سے ایک آدمی آقا تو بن سکتا ہے، عہدہ سے منصب سے کوئی شخص

[1] ترمذی، کتاب البر والصلة، باب ماجاء في حسن الخلق: ۲/۲۰

[2] مؤطا امام مالك، كتاب الجامع، باب التسوية بين الناس: ص۷۰۴

پروفیسر ...... وائس چانسلر ...... پرنسپل ...... تو بن سکتا ہے لیکن شریف انسان نہیں بن سکتا۔

شریف انسان کی سب سے پہلی اور سب سے آخری نشانی یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کی بھی عزت کرتا ہے، جن سے کسی قسم کے فائدے یا امداد کی توقع نہیں ہوتی۔

سینکا کا قول ہے ''اگر اللہ برائی کا دیکھنے والا اور اس کی سزا دینے والا نہ بھی ہوتا تو بھی شریف ومعزز انسان برائی کو کمینہ پن سمجھ کر ہرگز افعال رذیلہ کا مرتکب نہ ہوتا۔''

زبان سے برا نہ کہہ، کان سے برا نہ سن، آنکھ سے برا نہ دیکھ، پاؤں سے غلط جگہ نہ جا اور ہاتھ سے برا کام نہ کر۔

کم بولنا بیل کا کام ہے، بہت چلانا کتے کی عادت۔ انسان نہ بیل ہے نہ کتا۔ چاہئے کہ انسان اپنا فرض خود ہی سمجھ لے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

ع سخن درست دُر است ہر کہ دریافت، دُر یافت

ذکاوت کا استعمال تلوار کی طرح ہونا چاہئے کہ صرف اپنی حفاظت کے واسطے میان سے باہر نکلتی ہے۔

ہر شخص اپنی نیکی یا بدی سے دنیا کی تعداد گھٹا رہا ہے یا بڑھا رہا ہے۔

خیال رکھو کہ دولت تمہیں سست اور عیاش نہ بنا دے، اور تنگی و افلاس حوصلہ نہ گرا دے۔

انسان اپنے آپ کو خراب صحبتوں اور گندی مجلسوں میں خواہ کتنا ہی خراب کرلے، مگر نیکی کی فضیلت اس کے ذہن میں ہمیشہ قائم رہتی ہے۔

ترقی علم، جسمانی خوبیاں اور مال ودولت، بغیر اخلاق فاضلہ کے کمالات انسانی میں محسوب نہیں ہو سکتے۔

انسان شہرت وشادمانی کے لئے پیدا نہیں ہوا بلکہ وہ فرض کا قرض ادا کرنے

جذبات کو اس حد تک پریشان کر دیتے ہیں کہ الفاظ جو کردار، تصورات کی منتقلی میں ادا کرتے وہ پسِ منظر چلا جاتا ہے۔

لیکن ان الفاظ کی تیزی اور تندی باقی رہ جاتی ہے۔" اسی طرح مشہور مفکر "ایف ڈبلیو رابرٹ سن" کہتے ہیں:

"آپ جنگلی جانور کو سدھار سکتے ہیں اور جنگل میں لگنے والی آگ تمام درختوں کے جلنے کے بعد بھی بجھ سکتی ہے، لیکن آپ اس ظالم اور اشتعال انگیز لفظ سے لگنے والی "آگ" کو نہیں بجھا سکتے، جو آپ نے گزری ہوئی کل یا اس صبح کو اپنی زبان کے غلط استعمال سے لگائی تھی۔"

ایسی صورتِ حال کا مداوا اس طرح کیا جا سکتا ہے کہ ہم کوئی بھی سخت بات منہ سے نکالتے ہوئے یہ سوچیں:

کہ اگر یہ بات مجھے کہی جاتی تو میرا ردِ عمل کیا ہوتا۔ اسلامی تعلیمات میں اس بات کی ہدایت کی گئی ہے کہ کسی کو ایسی بات نہ کہو جو خود تمہیں اپنے لئے پسند نہ ہو، اگر ہم صرف اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے دوسروں کے جذبات کا خیال رکھیں تو ہمارے بہت سے نفسیاتی اور معاشرتی مسائل حل ہو جائیں۔

بزرگوں کا قول ہے کہ "جب تک زبان آپ کے قابو میں ہے یوں سمجھیں کہ تلوار نیام میں ہے، جونہی آپ نے کوئی لفظ بولا یہ تلوار دوسرے کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے۔" حضرت امام غزالی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے "منہاج العابدین" میں زبان کی آفات کے باب میں ایک حدیث کا خلاصہ نقل کیا ہے کہ "جب انسان صبح کرتا ہے تو بدن کے تمام اعضاء (ایک طرح گویا ہاتھ جوڑ کر) زبان سے عرض کرتے ہیں کہ تو ہمارے معاملے میں خیال رکھیو ہمارا صحیح استعمال تیرے صحیح استعمال پر موقوف ہوگا۔"[1]

---

[1] ترمذي، كتاب الزهد، باب حفظ اللسان: ۲/۶۶

حدیث میں ہے:

"مَنْ يَّضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ."[1]

تَرْجَمَۂ: "جو مجھے دو جبڑوں کے بیچ کی چیز (زبان) اور دو پیروں (ٹانگوں) کے بیچ کی چیز (شرم گاہ) کے صحیح استعمال کی ضمانت دے میں اُسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔"

رسالہ "زبان کی حفاظت" میں حضرت مفتی عاشق الٰہی نور اللہ مرقدہٗ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت مجدد الف ثانی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا: میں زبان سے ایک نامناسب کلمہ نکالنے سے رُک جاؤں، یہ میرے نزدیک ایک سال کے نفلی روزے رکھنے اور منوں سونا خیرات کر دینے سے افضل ہے۔[2]

لہٰذا اساتذہ کرام سے نہایت ہی ادب سے عاجزانہ گزارش ہے کہ غصے کے وقت اپنی زبان کو قابو میں رکھیں، ہرگز ہرگز یہ نہ کہیں، اے لڑکے! اے نالائق! جنگلی! بے وقوف! اونٹ کی طرح لمبا ہونا جانتے ہو! تیری عقل کہاں گئی!

کوئی برا کلمہ آپ کی زبان پر نہ آئے، یاد رکھیئے یہ گندے الفاظ آپ کی زبان کو گندا کر دیں گے، اللہ تعالیٰ آپ کی اور سب اساتذہ ومعلمات کی حفاظت فرمائے۔

زبان کی حفاظت کے لئے یہ دعا مانگیں۔

"اَللّٰهُمَّ سَدِّدْ لِسَانِيْ، وَاهْدِ قَلْبِيْ، وَاسْلُلْ سَخِيْمَةَ صَدْرِيْ."[3]

تَرْجَمَۂ: "اے اللہ! میری زبان کو درست رکھ اور میرے دل کو ہدایت نصیب فرما اور میرے دل کی سوزش (کینہ) نکال دے۔"

---

[1] بخاري، كتاب الرقاق، باب حفظ اللسان: ۲/۹۵۸

[2] خلاصہ ملفوظ مبارک

[3] ترمذی، ابواب الدعوات، احادیث شتی من ابواب الدعوات: ۲/۱۹۵

کے لئے دنیا میں آیا ہے۔ کسی فرض کی بجا آوری کے وقت اسے ان چیزوں کی خواہش نہیں رکھنی چاہیئے۔

جو شخص سب سے بڑا معزز، سب سے بڑا حاکم اور سب سے بڑھ کر دولت مند ہے، وہ اس مفلس و گمنام آدمی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں، جس نے سب سے زیادہ فرض ہمدردی خلائق ادا کیا۔

متکبروں کے پاس جا کر اپنی انسانیت کا خون نہ کرنا۔ فرض کے ادا کرنے میں ناکامی بھی کامیابی سے کم نہیں۔

تمیز اور نرمی سے گفتگو کرنا لاکھ فصاحت و بلاغت سے بہتر ہے۔

خواہ تمہیں کسی پر کتنا ہی غصہ کیوں نہ آئے، لیکن گالی دے کر اپنی زبان کو غلاظت کی آماجگاہ نہ بناؤ ؎

زبان اپنی حد میں ہے، بے شک زباں
بڑھے ایک نقطہ تو پھر ہے زیاں!

حیوانات اپنی بے زبانی کے باعث تکلیف اٹھاتے ہیں، لیکن انسان اپنی زبان کے بے جا استعمال سے مبتلائے مصائب ہوتا ہے۔

زبان میں کوئی ہڈی نہیں، لیکن اس پر بھی یہ کچل ڈالتی ہے۔

وہ آدمی ہرگز شریف کہلانے کا مستحق نہیں ہوسکتا، جس کی زبان گندے اور ناپاک الفاظ سے ملوث و آلودہ ہو۔ اگر تم کسی شخص کو گندے الفاظ دہراتے ہوئے سنو، تو فوراً نتیجہ نکال لو کہ یہ گناہ ان بے شمار گناہوں میں سے ایک ہے، جو اس کے سینے میں چھپے ہوئے ہیں، اور جلدی یا دیر سے ان کا بھی اظہار ہوجائے گا۔

نامعلوم نفع کی امید پر کسی کی مذمت سے منہ کالا نہ کرو، یاد رکھو جھوٹ اور بے ایمانی کی بنیاد پر خوشحالی کا محل کھڑا نہیں ہوسکتا۔

سچی محبت، میٹھی زبان سخت سے سخت دل کو جیت لیتی ہے۔

؎ دل و مسجد ہیں دونوں گھر اللہ کے، فرق پر یہ ہے
وہ تعمیر اس کے ہاتھوں کی، یہ تعمیر اپنے ہاتھوں کی

جب کبھی موقع ملے، دوسروں کو خوش کرنے کی کوشش کرو۔ اگر تمہیں کسی وجہ سے خوشی نصیب نہیں ہوسکتی تو کم از کم دوسروں کو خوشی پہنچا سکتے ہو، سب کے ساتھ اخلاق سے پیش آؤ۔

جاہل دولت وحشمت اور جاہ وثروت سے آدمی کی بڑائی کا اندازہ لگاتے ہیں۔ مگر دانا نیک چلنی سے۔

بدصورت کی متانت وسنجیدگی، قبول صورت کی شوخی ونزاکت سے لاکھوں درجہ اچھی ہے۔

جو شخص گھر میں اپنے اہل وعیال کے ساتھ اچھا ہے، وہ حقیقت میں اچھا ہے، کوئی ریاکاری ومکاری اس میں نہیں۔

جس کام کو اوروں سے چھپا کر کرنے کی ضرورت ہے، اس میں ضرور گناہ کا میل اور سزا کا خوف ہے۔

نیک فعل جو شیریں زبانی سے نہیں کیا جاتا، وہ اپنی نقد قیمت کھو دیتا ہے۔

؎ خفا وقت خیرات ہونا نہ تم
کہ بھونے ہوئے بیج بونا نہ تم
کسی کو یہ تلخی، گوارا ہو کب
جو پڑ جائے ترشی، پھٹے دودھ سے

شریف استاذ کی پہلی شرافت شریفانہ گفتگو ہے۔ بات چیت میں سختی یا بدزبانی سے کام لینا ہرگز ہرگز شرافت نہیں ؎

اخلاق سب سے رکھنا، تسخیر ہے تو یہ ہے
خاک آپ کو سمجھنا، اکسیر ہے تو یہ ہے

غصہ بھی آجائے، تو بے جا نہ سخن سرزد ہو
جس کے کہنے میں ہے، گویا وہ زباں ہاتھ میں ہے

ہر جا تواضع ہست دلیل نجابت است
تیغ اصیل رابہ بہ خمیدہ تواں شناخت

درحقیقت کوئی کسی کے حق میں بھلا، برا نہیں ہے۔ نفرت نفرت کو، چاہت چاہت کو خود اپنی طرف کھینچ لاتی ہے۔ ہم جیسا شاگردوں، اسکول اور مدرسہ کے عملہ اور ساتھیوں کے ساتھ سلوک کریں گے، ویسا ہی وہ ہمارے ساتھ برتاؤ کریں گے ۔

برے کو سب برا، اچھے کو سب اچھا ہے دنیا میں
اس آئینہ میں جو جیسا ہے ویسا عکس اترتا ہے
محبت سے جی خود بخود جائیں مل
کہ انسان کے دل کا ہے آئینہ دل!
رتبہ بڑھے ہے خلق سے، اپنی ہی شان کا
صاحب کہے سے کچھ بھی نہ گھٹے ہے زبان کا[1]

تربیت کا انوکھا انداز

اساتذہ ومعلمات کو چاہیے کہ تعلیم وتربیت کے نئے نئے انداز سوچیں، اور مختلف واقعات سے عبرت دلا کر بچوں میں حوصلہ، ولولہ، لگن وشوق پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کریں۔

کسی دن صرف کتاب کھول کر سبق پڑھائیں۔
کسی دن کتاب بند کر کے صرف خلاصہ سمجھائیں۔
کسی دن بورڈ کو استعمال کریں۔

[1] مخزن اخلاق ۴۵۰، ۴۵۱

کسی دن تکرار کروائیں انہی سے سبق پڑھوائیں۔
کسی دن مختلف مثالیں پیش کریں۔
کسی دن سبق سے ہٹ کر عمومی معلومات کو علمی انداز میں پیش کریں۔

مثلاً ...... سب سے پہلے نومولود صحابی کا کیا نام ہے، جو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے؟ سب سے پہلے جنت البقیع میں کون سے صحابی مدفون ہوئے؟ ...... سب سے آخر میں جس صحابی کا انتقال ہوا ان کا کیا نام ہے؟[1] ...... عربی زبان کے مشہور شاعر کا نام بتلاؤ؟ ...... قرآن کریم کی بے نقطے کی تفسیر کا نام بتلاؤ؟ ...... وغیرہ۔

تاکہ طلبہ کی اکتاہٹ بھی دور ہوجائے اور تفریح بھی ہوجائے، کسی دن حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور حضرات صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے واقعات سنائیں، اصحاب کہف، بنی اسرائیل کا تعارف کرائیں، ان کے واقعات سنا کر اللہ تعالیٰ کی عظمت بچوں کے دلوں میں بٹھانے کی کوشش کریں۔

ہم یہاں پر دو مثالیں ذکر کرتے ہیں جن میں سے ایک کا تعلق صحابہ کرام کی زندگی سے ہے اور دوسری کا تعلق ایک عمومی مثال سے ہے۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ آپ اس طرح مثال دے کر بیان کر سکتے ہیں۔

پیارے بچو! حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک مرتبہ سفر کے دوران ایک قافلے سے ملتے ہیں، اندھیری رات ہونے کی وجہ سے قافلے کے لوگوں کا پتہ نہیں چل رہا، اس قافلے میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک شخص سے کہتے ہیں: ان سے پوچھو۔

"مِنْ أَیْنَ الْقَوْمُ؟"

[1] اس موضوع پر مکتبہ دارالہدیٰ نے ایک کتاب "تعارفِ صحابہؓ" کے نام سے طبع کی ہے جو دراصل How well do you know the sahaba? کا ترجمہ ہے جس میں صحابہ کرام کا تعارف سوال وجواب کے بہترین انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

ترجمہ: "آپ لوگ کہاں سے آ رہے ہیں؟"

حضرت عبداللہ ابن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا:

"مِنَ الْفَجِّ الْعَمِيقِ."

ترجمہ: "فجِ عمیق سے (دور دراز جگہ سے)۔"

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا ان سے پوچھو:

"أَيْنَ تُرِيدُونَ؟"

ترجمہ: "اور کہاں کا ارادہ ہے؟"

حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا:

"اَلْبَيْتَ الْعَتِيقَ."

ترجمہ: "بیت عتیق کا، بیت اللہ شریف کا۔"

یہ عمدہ جواب سن کر حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا:

"إِنَّ فِيهِمْ عَالِمًا."

ترجمہ: "شاید اس قافلے میں کوئی عالم ہے۔"

پھر انہوں نے اپنے آدمی سے کہا پوچھو۔

"أَيُّ الْقُرْآنِ أَعْظَمُ؟"

ترجمہ: "قرآن مجید کی کون سی آیت سب سے عظیم ہے؟"

حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا:

﴿اَللّٰهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ.﴾ [1]

ترجمہ: "اللہ وہ زندہ جاوید ہستی ہے جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے۔ اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ وہ نہ سوتا ہے، نہ اسے اونگھ آتی

[1] سورۂ بقرہ: آیت ۲۵۵

ہے۔"

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا ان سے پوچھو:

"أَيُّ الْقُرْآنِ أَحْكَمُ؟"

ترجمہ: "قرآن مجید کی کون سی آیت سب سے زیادہ محکم ہے؟"

حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا:

﴿إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبٰى.﴾ [1]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ عدل واحسان اور رشتہ داروں سے صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔"

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا ان سے پوچھو:

"أَيُّ الْقُرْآنِ أَجْمَعُ؟"

ترجمہ: "قرآن مجید کی کون سی آیت سب سے زیادہ جامع ہے؟"

حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا:

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ، وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهُ﴾ [2]

ترجمہ: "تو جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔"

حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا ان سے پوچھو:

"أَيُّ الْقُرْآنِ أَخْوَفُ؟"

ترجمہ: "قرآن مجید کی کون سی آیت سب سے زیادہ خوف دلانے والی ہے؟"

حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جواب دیا:

[1] سورۂ نحل: آیت ۹۰ [2] سورۂ زلزال: آیت ۷، ۸

﴿لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا﴾ [1]

ترجمہ: ''انجام کار نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے، نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر۔ جو بھی برائی کرے گا اس کا پھل پائے گا اور اللہ کے مقابلے میں اپنے لئے کوئی حامی و مددگار نہ پائے گا۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ان سے پوچھو:

''أيُّ القُرآنِ أرْجى؟''

ترجمہ: ''قرآن مجید کی کون سی آیت سب سے زیادہ امید دلانے والی ہے؟''

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:

﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ﴾ [2]

ترجمہ: ''(اے نبی) کہہ دو کہ اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ، یقیناً اللہ سارے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ وہ تو غفور رحیم ہے۔''

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا، ان سے پوچھو:

''أفِيكُمْ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ؟''

ترجمہ: ''کیا تم میں عبداللہ بن مسعود ہیں؟''

تو قافلہ والوں نے جواب دیا:

[1] سورۃ نساء آیت: ۱۲۳ [2] سورۃ زمر آیت: ۵۳

''اللّٰهُمَّ نَعَمْ.''

ترجمہ: ''ہاں یقیناً موجود ہیں۔'' [1]

یہ ایک مثال ہے اس طرح آپ بچوں کی اکتاہٹ بھی دور کر سکتے ہیں اور ان کے علم میں اضافہ بھی کر سکتے ہیں، اسی طرح آپ بچوں کو کسی بھی چیز کا تعارف بہترین انداز میں کروائیں تاکہ بچوں کی اکتاہٹ دور ہو جائے مثلاً آپ ''دل'' کا تعارف اس طرح کرواسکتے ہیں۔

پیارے بچو! آپ نے پارکوں، باغوں اور تفریحی مقامات کی سیر تو بہت کی ہوگی لیکن آج آپ کو ایسی جگہ کی سیر و تفریح کرائیں گے کہ اس حسین و جمیل وادی کی سیر کے بعد آپ کی معلومات میں بھی گرانقدر اضافہ ہو جائے گا اور سیر تو پھر سیر ہے، تو آیئے چلتے ہیں، آپ کے سینے میں دھڑکتے ''دل'' کی طرف!

''آیئے آیئے! میں دل ہوں۔ آپ کے سینے میں دھڑکتا ہوا پمپ۔ آپ تشریف لائے، آپ کی تشریف آوری کا بے حد شکر گزار ہوں۔ مجھ پر جو باریک سی جھلی لپٹی ہے اسے پیری کارڈیم کہتے ہیں یہ جھلی میری حفاظت کرتی ہے اور رگڑ سے بھی بچاتی ہے، میں ایسے عضلات سے بنا ہوں کہ کام کرتے کرتے تھکتا نہیں۔ آپ ذرا زیادہ کھیل کود لیں تو تھک کر بیٹھ جاتے ہیں، جب کہ میں آپ کی پیدائش سے وفات تک بغیر رکے دھڑکتا رہتا ہوں یعنی اپنا کام کرتا رہتا ہوں۔ اور آگے آیئے گھبرایئے نہیں، دھک کی آواز سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ میرے چار خانے ہیں۔ اوپر والے خانے آریکل جب کہ نیچے والے خانے وینٹریکل کہلاتے ہیں۔ ان خانوں کے درمیان بہت چھوٹے چھوٹے سوراخ ہیں جنہیں ''والو'' کہا جاتا ہے، ان کے راستے میں مختلف خانوں سے خون موصول اور ترسیل کرتا ہوں۔ خون کی وہ نالیاں جو سارے بدن سے اور بالخصوص اوپر کے حصے سے گندا خون، یعنی کاربن

[1] صور من حياة الصحابة: ص۱۰۲

ڈائی آکسائیڈ ملا خون لے کر واپس میرے پاس آتی ہیں انہیں ''سپیریئر وینا کیوا'' کہا جاتا ہے، جب کہ وہ نالیاں، جو جسم کے نچلے حصے سے گندا خون واپس دل میں لاتی ہیں انہیں ''انفیریئر وینا کیوا'' کہا جاتا ہے۔

یہ گندا خون میرے دائیں آریکل سے دائیں وینٹریکل میں اور وہاں سے ایک شریان پلوموزی شریان کے ذریعے پھیپھڑوں میں پہنچتا ہے۔ آپ سانس لیتے ہیں تو کاربن ڈائی آکسائیڈ باہر چلی جاتی ہے جب کہ آکسیجن ملا خون جسے صاف خون کہتے ہیں، پلوموزی ورید کے ذریعے بائیں آریکل میں آجاتا ہے۔ بائیں آریکل سکڑتا ہے اور خون بائیں وینٹریکل سے ہوتا ہوا سب سے بڑی شریان اے اورٹا (Aorta) کے ذریعے سارے جسم کو سپلائی ہو جاتا ہے، آپ اتنے حیران کیوں ہیں واقعی اے اورٹا کافی بڑی شریان ہے بل کہ انسانی جسم میں سب سے بڑی شریان ہے۔ اس کا قطر ایک انچ ہوتا ہے۔ اس طرح آکسیجن جسم کے ہر خلیے تک پہنچانا میری ذمے داری ہے۔ یہ جو خون آپ کو سرخ سرخ دکھائی دے رہا ہے دراصل ایک سرخ پروٹین ہوموگلوبن کی وجہ سے ہے۔ ہوموگلوبن پروٹین کی یہ خوبی ہے کہ یہ آکسیجن کو فوراً جذب کر لیتی ہے اور جہاں آکسیجن کی کمی ہو اس حصے کو فوراً آکسیجن مہیا کر دیتی ہے۔

آپ سوچ رہے ہوں گے یہ شریان اور ورید کیا ہوتی ہیں؟

تو پیارے بچو! اس سیر کے دوران یہ بات پلے باندھ لو کہ خون کی وہ نالیاں جو دل سے صاف خون لے کر سارے جسم کو جائیں انہیں شریانیں یا آرٹریز کہتے ہیں، جب کہ وہ نالیاں جو سارے جسم سے خون اکٹھا کر کے واپس دل میں لائیں انہیں وریدیں یا وینز کہتے ہیں۔ ان کے علاوہ خورد بینی نالیاں کیپی لیریز بھی ہوتی ہیں جو ہر خلیہ کو خون مہیا کرتی ہیں۔ یاد رکھنا! میں سخت مشقت برداشت کرنے والا عضو ہوں۔ لوگ مجھے پمپنگ مشین کہتے ہیں۔ لیکن بہت سے لوگ ایسے ہیں جو میری کارکردگی کو خراب کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ یہ وہ افراد ہیں جو غذا میں

چکنائیاں زیادہ استعمال کرتے ہیں۔ ان چکنائیوں میں ایک کیمیکل کولیسٹرول سے مجھے بڑی چڑ ہے۔ یہ کیمیکل مرکب خون میں شامل ہو کر میرے والو تک آپہنچتا ہے۔ جہاں سے مجھے خون پمپ کرنے میں دقت اور دشواری کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اگر میں صحیح کام نہ کرسکوں تو کہہ دیا جاتا ہے کہ فلاں کو ہارٹ اٹیک ہوگیا۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں ساری زندگی ٹھیک طرح سے کام کرتا رہوں تو چکنائیوں کے استعمال میں احتیاط کریں۔ سیب، گاجر اور سبزیاں بکثرت کھائیں۔ تعمیری کھیل کود کے شوقین اور پیدل چلنے والوں کو میں بہت پسند کرتا ہوں۔

ایک خاص بات اور بتا دوں وہ یہ کہ آپ جب روزانہ پانچ وقت کی نماز میں اللہ کے حضور سجدہ ریز ہوتے ہیں تو مجھے بھی کام کرنے کا سرور آجاتا ہے۔ یہ اللہ کی شان ہے کہ سجدے کے وقت میری کارکردگی بہت بہتر ہوجاتی ہے۔ اچھا بچو! آپ اب واپس چلیں، مجھے ابھی کافی کام کرنے ہیں۔ واپسی پر ایک وعدہ کریں کہ نقصان کی چیزوں مثلاً غذا کی چکنائیوں کے ساتھ ساتھ آپ مجھے حسد، غیبت، بدخلقی، بدنظری اور کاہلی سے بھی بچائیں گے۔ ان کی جگہ اللہ اور رسول ﷺ کی محبت، مخلوق خدا سے شفقت اور خوش اخلاقی کو دیں گے۔''

اب آپ اپنے تصور میں ایک دل کی تصویر لیں اور اُس میں دیکھ کر بتائیں کہ کون سی چیز اس کے اندر ہونی چاہیے، کون سی چیز نزدیک اور کون سی چیز دور ہونی چاہیے؟ حسد، چغلی، غیبت، والدین کا ادب، غصے کے وقت خاموشی، چربی والی چیزیں، ورزش۔ آیئے آخر میں ایک حدیث نبوی لکھواتے ہیں اس کو کل یاد کر کے لایئے گا۔

''انسان کے جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ صحیح ہوگیا، تو پورا جسم صحیح ہوگیا اور اگر وہ خراب ہوگیا تو پورا جسم خراب ہوگیا یاد رکھو! وہ دل ہے۔''[1]

[1] بخاري، كتاب الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه: ۱۳/۱

اب دل کے اندر نور پیدا ہو جائے اس کے لئے دو دعائیں بتلاتے ہیں، اس کو یاد کر کے مانگا کریں۔

① "اَللّٰھُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِكَ." [1]

ترجمہ: "اے اللہ! دلوں کے پھیر دینے والے تو ہمارے دلوں کو اپنی فرمانبرداری کی طرف پھیر دے۔"

② "اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّ سَمْعِیْ وَمِنْ شَرِّ بَصَرِیْ وَمِنْ شَرِّ لِسَانِیْ وَمِنْ شَرِّ قَلْبِیْ وَمِنْ شَرِّ مَنِیِّیْ." [2]

حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے اس دعا کا ترجمہ بہت پیارا کیا ہے:

"اے اللہ! آپ کی پناہ لیتا ہوں اپنے کان کی برائی سے آنکھ کی برائی سے، زبان کی برائی سے، قلب کی برائی سے (یعنی غیبت سننے، بدنظری، ناجائز گفتگو، اور کینہ وغیرہ سے) اور اپنی منی کی برائی سے۔"

آپ کا شاگرد آپ کے رحم وکرم پر

وقت کی تیز رفتاری کا سب سے زیادہ اثر ہمارے بچوں پر پڑ رہا ہے۔ جنہیں یہ برق رفتاری اتنی تیزی سے آگے دھکیلے جا رہی ہے کہ انہیں اپنی عمر کے ان حصوں سے لطف اندوز ہونے کا موقع ہی میسر نہیں آ رہا جنہیں سنہرے دن کہا جاتا ہے۔ ان کا بچپن، ان کا لڑکپن اور کم سنی کی وہ عمر جس میں وہ ننھے منے کھیل کھیل سکتے تھے اپنے ہم جولیوں کے ساتھ خوبصورت وقت گزار سکتے تھے۔ سرد موسم میں لحافوں میں

[1] مسلم، کتاب القدر، باب تصریف اللّٰہ تعالیٰ: ٢/٣٣٥
[2] ترمذی، ابواب الدعوات، باب اللّٰھم انی اعوذبك من شر: ٢/١٨٧

دبک کر دادی اماں سے کہانیاں سن سکتے تھے، موسم بہار میں باغوں میں اڑنے والی رنگین تتلیوں سے اٹھکیلیاں کر سکتے تھے، ساون کی بہاروں میں جھولے میں جھول سکتے تھے، ہر موسم ان کے لئے ایک یادگار اور نرم ولطیف یادیں چھوڑ سکتا تھا۔

افسوس! کہ عمر کے یہ حصے جس میں معصومیت وکم سنی اور بھولے پن کا اپنا ایک لطف ہوتا ہے، مقابلہ بازی کی تند وتیز آندھی کی نذر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اب نہ تو آنگنوں میں آنکھ مچولی کھیلی جاتی ہے، نہ چھپن چھپائی، نہ اونچ نیچ، نہ لنگڑی پالا، نہ ہی امی ابو کے پاس لاڈ و پیار کا وقت ہے اور نہ دادی دادا کے پاس بیٹھنے کے لئے بچوں کے پاس وقت، سوچتا ہوں کہ ادھیڑ عمر میں اپنے بچوں کو اپنے بچپن کی کیا باتیں سنائیں گے۔ ان کے پاس تو کوئی حسین یاد بھی نہ ہوگی۔

سوائے اس کے کہ "ہم فلاں اسکول میں پڑھتے تھے، انگلش میڈیم اسکول تھا، بڑا ٹاپ کلاس اور پڑھائی بڑی مشکل تھی، ہمیں چار چار ٹیوٹر پڑھاتے تھے، ہوم ورک اتنا ملتا تھا کہ سر کھجانے کی فرصت نہیں تھی، کتابیں اتنی تھیں کہ کندھا دکھ جاتا تھا۔ میں نے اے گریڈ کے لئے بڑی محنت کی حتیٰ کہ آپی کی شادی والے دن بھی میں اپنے کمرے میں پڑھائی میں مصروف تھا، اور جب دادا کا انتقال ہوا تو اس روز میرا بڑا مشکل پیپر تھا۔ اور جب تایا، تائی مستورات کی جماعت میں "مالی" جا رہے تھے، اس وقت تو میرے فائنل ہو رہے تھے۔"

بچوں کو تعلیم کے حصول کے نام پر کتابوں کے ایک بڑے انبار تلے دبا دیا گیا ہے، اور مقابلہ بازی کا ایسا رجحان پیدا کر دیا گیا ہے، جس میں ایک طرف تو ہم بچے کو نہ جانے کیا بنانا چاہ رہے ہیں، دوسری طرف اس سے ہماری انا کو تسکین حاصل ہو رہی ہے۔ بچوں کے تئیں ہمارا رویہ کچھ ایسا ہے کہ شروع دن سے ہم نے طے کر رکھا ہے کہ ہمارا فلاں بچہ "سی۔ ایس۔ ایس" کریگا، فلاں نے "ایم۔ بی۔ اے" کرنا اور فلاں نے ڈاکٹر بننا ہے اور فلاں کو دیار غیر کی فلاں یونیورسٹی میں داخلہ دلوانا ہے۔

اپنے یہ خواب یا خواہشات ہم بچے کے ذہن میں وقتاً فوقتاً ڈالنا شروع کر دیتے ہیں، اور بچہ بھی ہماری اس خواہش سے نبرد آزما ہونے کے لئے اپنے آپ کو تیار کرنے لگتا ہے، تو اس خواہش کی تکمیل کے لئے ہم بچے کے لئے اچھے سے اچھے اسکول کی تلاش شروع کر دیتے ہیں اور کم قسمتی سے ہمارے خیال میں اچھا اسکول وہ ہوتا ہے جو انگلش میڈیم ہو، جہاں غیر ملکی پبلشرز کی کتابیں نصاب میں شامل ہوں اور کورس خاصا بھاری بھرکم ہو۔

بچہ چپ چاپ اپنے آپ کو ہمارے فیصلے کے حوالے کر دیتا ہے۔ اس کے بعد ہم بچے کی پڑھائی میں غیر معمولی دل چسپی لینے لگتے ہیں۔ ''بیٹا! حوالے کے لئے فلاں کتاب کنسلٹ کرو! بیٹا! یہ دیکھو کچھ کتابیں تمہارے لئے خریدی ہیں، ان سے تمہیں بائیولوجی اور کیمسٹری کو سمجھنے میں مدد ملے گی، فلاں انسائیکلوپیڈیا بڑا اچھا ہے، تمہاری جنرل نالج میں اضافے کے لئے فلاں بک شاپ پر کچھ نئی کتابیں آئی ہیں، جن میں درج ہے کہ کامیابی 100 فیصد ممکن ہے، وہ خرید لینا اور اس ماہ کے ریڈرز ڈائجسٹ کو ضرور دیکھنا، اور فلاں دن کے اخبار میں فلاں مضمون پڑھ لینا، یوں ہم بچے سے اپنی عجیب وغریب محبت میں اس کے لئے کتابوں کا ایک انبار لگاتے چلے جاتے ہیں اور وقتاً فوقتاً پوچھا جاتا ہے کہ فلاں کتاب پڑھی، فلاں کتاب کیسی ہے؟۔''

اب ہوتا یہ ہے کہ پہلے ہی ان کا نصاب اتنا بھاری ہوتا ہے کہ ان پر ہماری تجویز کردہ کتابیں، یقیناً اس کے ننھے منے وجود کے لئے وبال بن جاتی ہیں۔ پھر ہمارے انگلش میڈیم اسکول والوں نے اپنی ساکھ کی خاطر نت نئے طریقے ڈھونڈ نکالے ہیں، جن میں سے ایک ''والدین کا دن'' ہے جس میں والدین کو بلا کر باقاعدہ ایک نہایت سنجیدہ اور تشویش بھری میٹنگ کا انعقاد ہوتا ہے۔ والدین کو ان کے بچے کی اہلیت یا اس کے کئی کمزور پہلوؤں سے آگاہ کرایا جاتا ہے، اور پر امید والدین اپنی ٹوٹی آس کو سہارا دینے کے لئے ٹیوشن کا سہارا لیتے ہیں اور یوں بچے کے لئے ایک نہیں

دو نہیں بل کہ تین تین یا بعض صورتوں میں اس سے بھی زیادہ ٹیوٹرز رکھ دیئے جاتے ہیں۔

اب بچے کی روٹین کچھ ایسی ہوجاتی ہے کہ صبح اسکول جانا، اسکول سے واپسی پر اسے یونیفارم اتارنے اور لنچ ٹھونسنے کے لئے پانچ منٹ مل جاتے ہیں۔ کیوں کہ ٹھیک ڈھائی بجے انگلش کے ٹیوٹر نے آنا ہوتا ہے جب کہ چار بجے دوسرے نے، چھ بجے تیسرے نے اور آٹھ بجے چوتھے نے۔ اس کے بعد رات کے کھانے کے لئے دس پندرہ منٹ صرف کرنے کے بعد رات بارہ بجے تک ہوم ورک مکمل کرنا ہوتا ہے، اور اگر ہوم ورک جلدی مکمل ہو جاتا ہے تو فالتو وقت میں شفیق والدین کی تجویز کردہ بہترین کتابوں کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ موسم کیسا ہے......؟ کون آرہا ہے......؟ کون گیا......؟ امی ابو کہاں ہیں......؟ نمازوں کے اوقات کا کیا حال ہے؟ ماہِ شعبان گیا، رمضان المبارک کی کیا تیاریاں ہیں؟ کونسے رشتے دار حج کے لئے جارہے ہیں؟ کونسے رشتے دار دین کی محنت کے لئے بیرونِ شہر جارہے ہیں؟ مسجد میں کونسی جماعت آئی ہے؟ کس ملک میں اجتماعات ہورہے ہیں؟ بچے کو کسی بات کی کوئی خبر نہیں۔

بس خبر ہے تو اس بات کی کہ ''پڑھائی اور بس پڑھائی'' اور موسم پوچھو تو بچہ شاید یہی جواب دے'' کہ میری زندگی کا ایک ہی موسم ہے اور اس موسم کا نام ہے پڑھائی۔''

بچے کے یہ معمولات آرمی میں جانے کے لئے کیڈٹ کورس کرنے والے کی روٹین سے کچھ کم مشکل نہیں، جو رات کو یوں نڈھال ہو کر بستر پر گرتا ہے کہ اس میں کپڑے تبدیل کرنے کی بھی ہمت نہیں ہوتی۔ عشاء کی نماز اور سورۃ الملک پڑھ کر سونے کی تو دور کی بات ہے۔ اب اس روٹین اور اس روکھی پھیکی زندگی کا حاصل کیا ہوتا ہے؟

یہ تو بہت بعد کی بات ہے، اس کے چہرے پر معصومیت کے بجائے ایک تفکر سا نظر آتا ہے۔ ایسی پڑھائی اسے اتنا تھکا دیتی ہے کہ اس کے لئے زندگی اور گرد و نواح کی خوبصورتی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اس کے لئے جائز تفریح، ورزش بالکل غیر اہم ہو کر رہ جاتی ہے جو کہ روح کی تسکین اور قلبی اطمینان کے لئے بڑی اکسیر ہے، حتیٰ کہ دھیرے دھیرے وہ محبت جیسے احساسات کی طرف سے بھی بے حس سا ہونے لگتا ہے۔ اسے رنگوں کی خوبصورتی بھی بھلی نہیں لگتی اور وہ ایک ایسی چلتی ہوئی مشین بن جاتا ہے جس نے والدین کے خواب کی تعبیر بنانی ہے۔

اگرچہ والدین بچے کی صحت کے بارے میں بڑے متفکر ہوتے ہیں، اس کی ذرا سی چھینک انہیں پریشان کر دیتی ہے اور وہ اس کا بہترین علاج کرواتے ہیں۔ مگر اس کی اصل خوشیاں جو اسے فرصت کے لمحات میں کھیل کود سے، اچھل کود سے، چھیڑ چھاڑ سے اور تازہ دم ہونے پر ملتی ہیں، یہ خوشیاں والدین دینا بھول جاتے ہیں۔ ذرا غور کریں کہ کیا ہم نے بچوں کو ڈربی کا ایک گھوڑا نہیں بنا دیا ہے، جسے ریس کے لئے تیار کرنے کی خاطر ہم اس کا خاص خیال رکھتے ہیں۔

سب والدین یہ چاہتے ہیں کہ کلاس میں ان کا بچہ ''اے'' بل کہ ''اے ون گریڈ'' لے۔ چناں چہ ہر بچے کے لئے اے گریڈ حاصل کرنے کے لئے دوڑ لگی ہوتی ہے۔

''کیا ہمارا یہ وطیرہ درست ہے؟''

ذرا سوچیے! کیا بچے کے لئے کھیل کود ضروری نہیں؟

کیا اسے آرام کرنے کا وقت نہیں ملنا چاہیے؟

کیا دادی، دادا سے کہانیاں سننے کا اس کا دل نہیں چاہتا؟

کیا اس کے ذہن کو سکون نہیں ملنا چاہیے؟

کیا ہم اپنے بچوں کے ساتھ زیادتی نہیں کر رہے؟ کیا ہم جولیوں میں رہ کر اسے قوتِ مدافعت نہیں سیکھنی؟

کیا اسے رشتے داروں سے متعارف نہیں ہونا؟

اسے مسجد میں دینی حلقوں میں نہیں بیٹھنا؟ کہیں یہ ہم فطرت کے خلاف تو نہیں کر رہے؟ کیا ہم نے اپنی خواہشوں اور خوابوں کا بوجھ بچوں کے ننھے منے ذہنوں پر ڈال کر انہیں ان کے بچپن سے محروم نہیں کر رکھا؟

یہ بڑی اہم باتیں ہیں ان پر غور ضروری ہے۔ آپ کے اسکول اور البدر اکیڈمی کا بچہ آپ کے رحم و کرم پر ہے۔ اس کی حالت پر ترس کھائیں۔ اس کی معصومیت پر اپنے خوابوں کا قلعہ مت تعمیر کریں ممکن ہے کہ بعد میں آپ کو پچھتانا پڑے۔ والدین کو بھی سمجھائیں کہ (پانچ) سال سے پہلے بچے پر یہ اضافی بوجھ ڈالنا ہی نہیں چاہیے۔ (سات) سال سے تو اس کی صحیح طور پر تعلیمی زندگی کی ابتدا کروایئے، اور اس کے ساتھ پڑھائی شروع بھی ہو تب بھی سات سال تک پڑھائی کے ساتھ کھیلنے بھی دیجیے، اور سات سال کے بعد بھی پڑھائی کے ساتھ ساتھ ناشتے میں دودھ، شہد، بادام وغیرہ اچھی غذاؤں کا اہتمام کروائیں، اور کھیل کود کے مواقع بھی دیتے رہیں۔ لہٰذا خود استاذ ہوتے ہوئے، ناظم تعلیمات ہوتے ہوئے، والد ہوتے ہوئے بچوں پر رحم کیجیے۔

اسی طرح ماں باپ اور استاذ کو یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ بچہ فطرۃً آزاد ہوتا ہے۔ اس کی آزادی میں بے جا مداخلت اس کی پوشیدہ صلاحیتوں کے اجاگر ہونے میں رکاوٹ پیدا کرتی ہے، تعلیم پانا اس کا پیدائشی حق ہے، کھیلنا کودنا، ہنسنا، بولنا، خیالی پلاؤ پکانا، محبت کرنا اور اپنے وجود کو باقی رکھنا بھی اس کی فطرت کا اہم جز ہیں، ہر بچہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے وجود کو تسلیم کیا جائے اور اس کے ساتھ ہر صورتِ حال میں شرافت اور انسانیت کا سلوک کیا جائے، جن بچوں کی ڈسپلن کی تعلیم و تربیت، مقابلے کی بجائے ان کی فطرت اور ذاتی دل چسپیوں کے مطابق ہوتی ہے وہ یقیناً زیادہ محنتی، ایمان دار، فرض شناس، بلند حوصلہ، باہمت اور حقیقت پسند ہوتے ہیں، اور

وہ آگے چل کر ایسے ذمہ دار شہری بنتے ہیں، جن کی وجہ سے انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اطمینان اور سکون برقرار رہتا ہے۔

یونس بن حبیب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنے استاذ خلیل بن احمد کے پاس علم عروض سیکھنے گئے، لیکن یہ فن ان کو بہت مشکل لگا اور وہ اپنی پوری محنت کرنے کے باوجود اس میں کامیاب نہ ہو سکے تو ان کے استاذ خلیل نے آنے والے شعر کے بارے میں پوچھا کہ یہ کونسے بحر سے ہے۔

؎ إِذَا لَمْ تَسْتَطِعْ شَيْئًا فَدَعْهُ
وَجَاوِزْهُ إِلٰى مَا تَسْتَطِيْعُ

تَرْجَمَۃ: "جب تم کسی چیز کی طاقت نہیں رکھتے تو اس کو چھوڑ دو، اور اس طرف اپنی قوت وصلاحیت کو استعمال کرو، جس کی تم طاقت رکھتے ہو۔"

شاگرد سمجھ گئے کہ اس شعر سے استاذِ محترم مجھے کیا نصیحت کرنا چاہتے ہیں، اور پھر وہ یہ فن چھوڑ کر علمِ حدیث کی طرف متوجہ ہوئے، یہاں تک کہ اس فن کے امام بن گئے۔[1]

امام برہان الدین الزرنوجی نے نقل کیا ہے کہ امام بخاری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سب سے پہلے محمد ابن الحسن رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے علم فقہ حاصل کرنے گئے، انہوں نے چند دنوں کے بعد فرمایا: اِذْهَبْ وَتَعَلَّمِ الْحَدِيْثَ "آپ جائیے اور علم حدیث میں مہارت پیدا کیجیے" کہ آپ کا ذوق اس میں زیادہ معلوم ہوتا ہے، اس کے بعد وہ علم حدیث کے حاصل کرنے میں لگ گئے اور اس میں امامت اور قیادت کا درجہ حاصل کیا۔[2]

لہٰذا بچہ اگر کسی کلاس میں نہیں چل سکتا تو نہایت ہی سنجیدگی سے نہ چلنے کی

[1] فن الامتحانات بین الطالب والمعلم ص۷۵
[2] فن الامتحانات بین الطالب والمعلم: ص۷۶

وجوہات پر غور کیجیے اور اسے اعادہ کروالیجیے، زبردستی اگلے درجہ میں مت بٹھائیں۔ اگر وہ حفظ ابھی نہیں کرسکتا تو کچھ عرصہ کے لئے وقفہ دے دیجیے۔ اگر انگلش میڈیم میں نہیں چل سکتا تو اردو میڈیم میں داخلہ دلوادیجیے۔ سائنس میں نہیں چل سکتا تو کسی اور جنرل مضمون میں میٹرک کروالیں۔

بچوں کی گناہوں سے کیسے حفاظت ہو

گھر پر والدین کی ذمہ داریاں:

1. بچوں سے ان کے اوقات کا یومیہ ٹائم ٹیبل بنوانا اور اس پر پابندی سے عمل کروانا، مثلاً اس کا خیال رکھنا کہ بچہ مقررہ اوقات میں سوتا ہے اور جاگتا ہے۔ اسکول/مدرسہ کا گھر پر دیا جانے والا کام (Home work) اپنے وقت پر کرتا ہے۔ کھیلنے کے وقت کھیلتا ہے۔ نمازوں کا اہتمام کرتا ہے وغیرہ۔
2. اپنے گھر کو گناہوں کی چیزوں مثلاً ٹی وی، وی سی آر، وی سی ڈی، پلیئر اور اسی طرح اپنی تصاویر کیلنڈر، پوسٹر، اشتہارات واخبارات غیر اخلاقی رسالوں، ڈائجسٹوں اور کہانیوں جن میں شرعی نقص ہو پاک کرنا اور اس کے بالمقابل دینی اعتبار سے تربیت کی چیزیں، صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اور بزرگانِ دین کے مستند حالات و واقعات پر مبنی کتب ورسائل اور اسی طرح بچوں کی دین سے دل چسپی پیدا کرنے والی، ایسی غیر نصابی کتب جن میں شرعی اصولوں کا لحاظ رکھتے ہوئے تصاویر پیش کی گئی ہیں، اپنے گھروں میں رکھنا۔
3. والدین خود اپنی زندگی کو گناہوں سے بچانے کی کوشش کریں۔ خصوصاً نمازوں کے اوقات کا اہتمام کریں اس کے علاوہ قرآن شریف کی تلاوت ذکر واذکار اور اسی طرح دوسری نفل عبادات کا اپنے گھروں پر ضرور اہتمام کیا جائے بچے پر والدین کے اچھے اور برے اعمال کا ضرور اثر پڑتا ہے اور وہ ان اعمال سے متاثر ہوتا ہے۔

چناں چہ والدین اپنی زندگی کو سنتِ رسول ﷺ سے آراستہ کریں گے تو بچوں میں بھی دینی زندگی کو اپنانے کا جذبہ اور شوق پیدا ہوگا اور اگر خدانخواستہ ہماری اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ کے احکامات موجود نہیں ہوں گے تو لازماً اس کا اثر بچوں پر بھی پڑے گا اور وہ بھی فسق و فجور کی طرف مائل ہوں گے۔

چناں چہ ہم اپنی زندگی میں معصیت کے داخلے کے دروازے بند کریں۔ جھوٹ، غیبت، چغلی، بہتان، بدنظری، حسد، کینہ اور ایسی ہی دوسری ظاہری باطنی روحانی بیماریوں سے خود کو بچائیں۔

۴ بچوں کو کبھی کبھی اہل اللہ اور علماءِ کرام کی صحبت میں لے جایا کریں اور ان پاکیزہ حضرات سے بھی اپنے بچوں کے لئے دعاؤں کی درخواست کریں۔

۵ بچوں کی صحبت کا بھی دھیان رکھیں اور انہیں بری صحبت سے بچانے کی کوشش کریں، اس کے لئے ضروری ہے کہ ان کے دوست ان کے ہم عمر یا ایک دو سال چھوٹے یا بڑے ہوں، اس سے زیادہ فرق عمروں میں نہ ہو۔ وہ دوست اچھے اخلاق کے ساتھ مزین ہوں، انہیں ان کے گھر والے اور محلے والے پسند کرتے ہوں۔ دوستی کے بنیادی اصول بھی بچوں کو سکھائیں اور بتائیں کہ اچھا دوست وہ ہوتا ہے کہ جس کے ساتھ بات کرنے سے علم میں اضافہ ہو اور جس کے عمل سے آخرت یاد آئے، اپنے بچوں کو اپنا دوست بنائیں۔

۶ اگر خدانخواستہ بچے کو کسی گناہ میں ملوث دیکھیں تو فوراً تنبیہ کریں، بل کہ اس گناہ سے دنیا و آخرت میں ہونے والے نقصانات پر مبنی کوئی کتاب بچے کو پڑھنے کے لئے دیں اور پھر موقع بموقع خود بھی نرمی اور شفقت سے اس گناہ کی برائی بچے کے دل میں بٹھانے کی کوشش کریں مثلاً: روزانہ گھر کی تعلیم کے حلقے میں اس گناہ کے نقصانات بیان کر دیئے جائیں، اگر اس کے بعد بھی بچہ اس گناہ کی طرف متوجہ رہے تو اب معمولی سی تنبیہ اور سختی بھی کی جا سکتی ہے، بچوں کے لئے کی جانے والی

والدین کی دعا اللہ رب العزت کی بارگاہ تک پہنچنے میں کوئی رکاوٹ یا پردہ حائل نہیں ہے۔ روزانہ کم از کم دو رکعت نفل پڑھ کر اپنے بچوں کی اصلاح وتربیت کے لئے اللہ تعالیٰ سے خوب الحاح وزاری سے دعا مانگی جائے۔

۷ بچوں کو گھر سے باہر غیر ضروری اوقات نہ گزارنے دیں اور انہیں اس کی عادت ڈالیں کہ جس کام کے لئے گھر سے باہر جائیں، وہ کام ختم کر کے فوراً گھر واپس آجائیں۔

جماعت/کلاس میں بچوں کے اوقات کی حفاظت

۱ استاذ کلاس میں ہر وقت بچے کو کسی نہ کسی کام میں مشغول رکھیں۔

۲ مضمون کا مشکل حصہ جماعت/ کلاس میں حل کروائیں اور آسان حصہ گھر پر واجب المنزل (Home work) کے طور پر دیں۔

۳ ہر استاذ اپنے مضمون کے اعتبار سے روزانہ کا کام (Daily dairy) میں ضرور درج کروائے۔

۴ کاپی کی فہرست بھی بچوں سے اپنی نگرانی میں منظم کروائے۔

۵ بچوں کو لکھنے کی عادت ڈالنا، خصوصاً سبق کے دوران خاص خاص نکات کو کاپی میں درج کروانے کی عادت ڈالنا۔

۶ وقتاً فوقتاً جماعت/ کلاس میں چکر لگا کر اس بات کی نگرانی رکھنا کہ آیا بچے کام میں مشغول ہیں یا نہیں؟

۷ جماعت/ کلاس میں ہر بچہ کو بار بار متوجہ کرتے رہنا، تا کہ کسی فضول کام میں مشغول نہ ہو مثلاً: سبق پڑھتے (ریڈنگ) وقت درمیان میں رک کر کسی بچے سے پوچھ لینا کہ کہاں سے پڑھا؟ یا اس عبارت کا کیا مطلب ہے یا کون اس عبارت کا مطلب بتائے گا؟ وغیرہ۔

۸ جماعت میں پڑھاتے وقت موقع بموقع بچوں کو ترغیب بھی دیتے رہیں جیسے اگر سبق میں سچ بولنے کا کوئی واقعہ آجائے تو واقعہ کے بعد سبق کو روک کر بچوں سے سچ کے بارے میں سوالات کریں کہ وہ اس کے فوائد بتائیں اور اسی طرح جھوٹ بولنے کے نقصانات بیان کریں۔

۹ گھر پر کرنے کے لئے دیا جانے والا کام روزانہ پابندی سے چیک کیا جائے۔

۱۰ جماعت میں داخلے کے وقت استاذ کا بچوں سے پورا سلام کہلوانا اور سلام میں پہل کی انہیں عادت ڈالنا۔

۱۱ بچوں میں بنیادی اسلامی شعائر کی بھی عادت ڈالنا مثلاً سیڑھیوں پر چڑھتے وقت "اَللّٰهُ أَكْبَرُ" اور اترتے وقت "سُبْحَانَ اللّٰهِ" کہنا، کسی کام کے مکمل ہو جانے یا کسی خوشی کے موقع پر مثلاً: امتحان میں اچھے نمبروں سے پاس ہونے پر "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہنا، کسی کے مدد کرنے پر "جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا" کہنا وغیرہ وغیرہ۔

۱۲ ہر طالب علم کے پورے یونیفارم کی بھی نگرانی رکھنا۔ مثلاً: جوتے صاف ہوں موزے پہنے ہوں، صاف ستھرے کپڑے ہوں، بال سنت کے مطابق چاروں طرف سے کٹے ہوئے ہوں، پائنچے ٹخنوں سے اونچے ہوں وغیرہ۔

۱۳ خالی گھنٹے میں بچوں کو تکرار پچھلے اسباق کے مطالعہ میں مصروف رکھیں اور انہیں جماعت/ کلاس میں وقتاً فوقتاً بزرگوں کے سبق آموز واقعات سنا کر ان کو اس طرح بننے کی ترغیب بھی دیتے رہیں، ان کے اخلاق پر بھی کڑی نظر رکھیں اور کسی برے فعل پر انہیں ڈانٹ ڈپٹ یا مار کا سہارا لئے بغیر پیار ومحبت سے سمجھائیں۔ اس طرح سمجھانے سے اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی وہ ضرور سمجھ جائیں گے اور گناہوں سے بھی بچتے رہیں گے۔ بچوں کے والدین/ سرپرست سے بھی ان کے اخلاق ومطالعہ کے بارے میں ملاقات کرتے رہیں۔

مقیم طلباء کے اوقات کی حفاظت

۱ وہ مدارس/ اسکول جہاں طلباء قیام پذیر ہوتے ہیں، ان کے اوقات کی حفاظت اور گناہوں سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ انہیں بھی جماعت میں مشغول رکھیں اور ان سے ان کے مضامین کا مشکل حصہ حل کروائیں۔ کاپیوں کو اچھی طرح چیک کریں اور اگر کوئی گھنٹہ خالی ہو تو اس میں پچھلے اسباق کی تکرار اور مطالعہ میں ان کو مشغول رکھیں۔

۲ چوں کہ یہ طلباء گھر نہیں جاتے، رات دن مدرسے ہی میں رہتے ہیں، اس لئے جو ذمہ داری والدین/سرپرست کی ہوتی ہے، وہی ذمہ داری اساتذہ کرام خصوصاً ناظمِ تعلیمات پر ہے۔ شب وروز ان کے اخلاق پر توجہ دینی چاہیئے۔ ہر طالب علم کے بارے میں اساتذہ باہم مشورہ کریں کہ فلاں طالب علم اسباق/ اخلاق میں کمزور ہے۔ اس کی کمزوری کے متعلق پیار، محبت، نرمی کو مدنظر رکھ کر (جس طرح اپنی اولاد کے بارے میں سوچا جاتا ہے) سوچنا چاہیئے کہ کس طرح ان کی یہ کمزوری دور ہو، اسی پہلو کو اپنانا چاہیئے۔

۳ اساتذہ کرام کو چاہیئے کہ طلباء سے مشفقانہ رویہ روا رکھیں، نہ کہ انہیں زر خرید غلام سمجھا جائے۔

۴ ایک اہم بات جو قابل توجہ ہے کہ مدرسہ کی انتظامیہ اور اساتذہ کرام طلباء کے درمیان باہم بھائی چارگی اور محبت کا ماحول قائم کریں کہ ہر طالب علم مدرسہ کو اپنا گھر سمجھے اور مدرسہ کی چیزیں بالکل اسی طرح استعمال کرے، جس طرح اپنے گھر کی چیزیں استعمال کرتا ہے۔ مدرسہ کی چیزوں کی حفاظت کرے۔ بلاضرورت چیزوں کو استعمال نہ کرے۔ لائٹ، پنکھے وغیرہ کی ضرورت نہ ہو تو انہیں بند کر دے۔ جماعت/ کلاس کی صفائی کا خیال رکھے۔ دیواروں وغیرہ پر کچھ نہ لکھے یعنی ایسا ماحول

قائم کیا جائے کہ مدرسہ کی ہر چیز کو بچہ اپنی چیز سمجھ کر استعمال کرے۔ اس طرح ایک طرف تو وہ اسراف جیسے گناہ سے بھی بچ جائے گا اور جو لوگ اپنا مال مدرسہ کے لئے وقف کرتے ہیں اس میں خیانت جیسے گناہ سے بھی حفاظت ہو جائے گی۔

۵ اساتذہ کرام اس بات کا خیال رکھیں کہ طلباء میں باہم زیادہ دوستیاں قائم نہ ہوں، کیوں کہ ایسی صورت میں طلباء کا فارغ وقت اکثر لایعنی، گپ شپ اور ایسی ہی دوسری خرافات میں گزرتا ہے اور اگر یہ تعلق مزید مضبوط ہو جائے تو پھر ناخوش گوار صورت حال بھی سامنے آتی ہے۔

۶ اساتذہ کرام اس بات کو بھی ملحوظ رکھیں کہ طلباء کے رات کے مطالعے کے اوقات مطالعہ ہی میں صرف ہوں، اس کی خصوصاً نگرانی کی جائے، نیز پڑھائی سے فارغ ہونے کے بعد تمام طلباء جلد سو جائیں اور جماعت کے ناظم استاذ کی یہ ذمہ داری ہے کہ جب تک آخری طالب علم کو نہ سلا دے تب تک خود آرام نہ کرے۔

۷ اس بات کا بھی خاص خیال رکھا جائے کہ طلباء مدرسے سے باہر بلا ضرورت وقت نہ گزاریں، کسی کام سے باہر جانا ہو تو فارغ ہو کر دوبارہ مدرسے واپس آجائیں۔

۸ طلباء کے اوقات کی حفاظت میں سے ایک ضروری عمل یہ بھی ہے کہ طلباءِ انجمن کے نگرانِ انجمن اپنی ذمہ داریوں کو احسن طریقے سے نبھائیں اور طلباء کی غیر نصابی سرگرمیوں میں دل چسپی پیدا کرنے اور ان کی ذہنی وجسمانی تربیت اور صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے لئے مناسب تدابیر اختیار کی جائیں۔ اسی طرح طالب علم سے کسی قسم کی خدمت نہ لی جائے، تاکہ ان کے اوقات تکرار اور مطالعہ میں صرف ہوں۔

بچوں کو ٹی وی سے بچائیے

بچوں میں ٹیلی ویژن کا شوق بڑھتا جا رہا ہے۔ بچوں کو ٹیلی ویژن اور ڈش کی وبا سے کیسے بچایا جائے؟ کیوں کہ یہ چیز براہ راست بچوں کے لئے ناقابل تلافی

نقصانات کا پیش خیمہ ثابت ہو رہی ہے مثلاً بچوں کی پڑھائی میں عدم دل چسپی، وقت کا زیاں، بچوں کی آنکھوں پر ٹیلی ویژن سے نکلنے والی برقی شعاعوں کے مضر اثرات اور سب سے بڑھ کر آخرت کا نقصان، بے ہنگم جنسی خیالات، بدزبانی، اخلاقی بُرائیاں بے ہودہ اداکاروں، گویوں، کھلاڑیوں کے نام رٹنا وغیرہ وغیرہ۔ بعض بچے تو اتنی دل چسپی لیتے ہیں کہ جسے ریاضت کہنا چاہیئے، اور اتنے قریب سے ٹیلی ویژن دیکھنے کے عادی ہیں کہ ان کی گردن کے پٹھے متاثر ہوتے ہیں۔ ایسے بچوں کے لئے ٹیلی ویژن ایک نشے کا سا اثر رکھتا ہے۔ ایسا نشہ جسے چھڑانا والدین کے لئے دن رات کی پریشانی بن جاتا ہے۔

دراصل ٹیلی ویژن ہیروازم کا ایک ایسا تصور پیش کرتا ہے کہ ناپختہ ذہن اس کا اثر قبول کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اور اس دور میں جب کہ تعلیم ایک بنیادی جزو ہے، اس شعبے میں بڑا مشکل مقابلہ ہے۔ اسکول میں تعلیم اور طریقۂ تعلیم خاصا بدل چکا ہے۔ کتابوں کے انبار ہیں۔ بے انتہا مطالعہ کرنا ہے بے شمار ہوم ورک کرنا ہے۔ پرسوں ٹیسٹ ہے اگلے ماہ امتحانات ہیں، سمسٹر سسٹم ہے وغیرہ، ٹیلی ویژن کو تفریح اور معلومات کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے، مگر اصل میں یہ ذہنی آلودگی پھیلانے کا باعث بن گیا ہے۔

دنیا بھر کے والدین کو اب یہ فکر لاحق ہو چکی ہے کہ بچوں کو ٹیلی ویژن کے مضر اثرات سے کیسے بچایا جائے۔ جب کہ حال یہ ہو چکا ہے کہ اب تو اس کی مضرتوں بل کہ فتنہ سامانیوں سے وہ ملک بھی پناہ مانگ رہے ہیں، جنھوں نے اس فتنہ گر کو وجود اور رواج بخشا ہے۔ خدا جانے ہم کب تک انہیں کا تھوکا ہوا چاٹیں گے اور اسی میں شفاء سمجھیں گے۔

؎ میر سادہ ہیں بہت، بیمار ہوئے جس کے سبب
اُسی عطار کے لڑکے سے دوا لیتے ہیں

آیئے! آج سے عزم کرلیں کہ اپنے گھر سے ٹی وی جو دراصل فواحش کے ٹی بی کی بیماری پیدا کرتا ہے، فوراً نکال دیں گے اور کبھی بھی نہیں دیکھیں گے اپنے بچوں اور تمام نونہالوں کو بھی ٹی وی سے بچائیں گے۔

طلبہ کو دعائیں سکھائیں

اساتذہ ومعلمات دعاؤں کے ذریعے سے طلبہ میں تعلق مع اللہ پیدا کرنے کی کوشش کریں، ہر پریشانی اور ہر خوشی میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف رجوع کرنا سکھلائیں کہ اللہ سے مانگ کر اپنا مسئلہ حل کرواؤ، امتحان میں پاس ہونے کے لئے دعا مانگو، خود بیمار ہو یا گھر میں کوئی بیمار ہے تو دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگو۔

آپ ﷺ نے ہمیں ہر پریشانی میں نماز کی طرف متوجہ کیا ہے۔ ایک طالب علم سے پوچھا جاتا ہے کل کیوں غیر حاضر تھے؟

اس کے جواب میں وہ کہتا ہے بیمار تھا، تو استاذ اس وقت سمجھائے کہ مسلمان جب بیمار ہو تو اس کو تین کام کرنے چاہئیں:

1. پہلے دو رکعت نفل پڑھ کر شفا کی دعا مانگے، اور استغفار بھی کرے۔
2. صدقہ دے۔
3. طبیب یا ڈاکٹر کے پاس جا کر ان کی پوری ہدایت کے مطابق دوا لے کر استعمال کرے، اب ان تین کاموں میں سے آپ نے کتنے کئے ....؟

اسی طرح ہر موقع پر طلبہ کو دعاؤں کا اہتمام کرنے والا بنائیں مثلاً: کبھی یہ پوچھیں کہ کھانا کھانے سے پہلے اور بعد کی دعا کیا ہے؟ سونے سے پہلے اور سوکر اٹھنے کی دعا کیا ہے؟ بیت الخلاء میں جانے سے پہلے اور نکلنے کے بعد کی دعا کیا ہے؟ مسجد میں داخل ہونے کی دعا اور آداب بتلاؤ؟ یہ دعائیں ضرور یاد کروائیں، ان کا شوق دلائیں، اگر اساتذہ نے یہ دعائیں شاگردوں کو بچپن میں یاد کروادیں تو جب تک بچے

پڑھتے رہیں گے اساتذہ کو بھی ثواب ملتا رہے گا۔

پھر دعاؤں کے یاد ہو جانے کے بعد پوچھے کہ یہ دعائیں عملی زندگی میں کتنی آگئیں؟ آج گھر سے نکلتے ہوئے کس نے دعا مانگی؟

ناشتہ سے پہلے کس نے دعا پڑھی؟ فجر کی نماز کے بعد علم نافع کی دعا کس نے مانگی؟ باورچی خانہ کے اندر والدہ کے کاموں میں کس نے مدد کی؟ جی نہ چاہتے ہوئے بھی والد کی بات کس نے مانی؟

یعنی عمل کے اندر یہ مسنون اعمال اور دعائیں کتنی آئیں؟

یا یہ بھی ممکن ہے کہ ہفتہ میں ایک دن دعاؤں کے لئے مقرر کرلیں کہ کس کو کتنی دعائیں یاد ہیں، اب آئندہ اگلے ہفتے کون زیادہ یاد کر کے آئے گا؟

اس سے طلبہ میں شوق بھی بڑھتا ہے اور اس شوق کو ذریعہ بنا کر دعائیں یاد کروائی جائیں، اسمائے حسنیٰ یاد کروائے جائیں، فرشتوں کے اعلانات یاد کروائے جائیں، سورۃ یٰسٓ، سورۃ رحمٰن، سورۃ ملك، سورۃ واقعه، سورۃ سجده یہ پانچ سورتیں یاد کروائی جائیں، چہل ربنا یاد کروائے جائیں اس سلسلے میں اَلْحَمْدُلِلّٰهِ! بیت العلم ٹرسٹ کی مطبوعہ کتابیں ہدیۃ الاطفال کی پانچ سیریز بچوں کے لئے بہت دل چسپ تیار کی گئی ہیں جن کے نام یہ ہیں:

1. اسمائے حسنیٰ
2. سُبْحَانَ اللّٰهِ
3. مَاشَاءَ اللّٰهُ
4. اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ
5. مسنون دعائیں بچوں کے لئے

مذکورہ کتابیں اپنے ادارے میں رکھوائیں۔ یہ علم اور تربیت دونوں کے اعتبار سے بہت ہی مفید ہیں، یا کم از کم ایسی کتابیں بچوں کو انعامات میں دی جائیں تو گھر

میں رہتے ہوئے ان دعاؤں کو یاد کرنے کا موقع مل جائے گا۔

❶ مسنون دعائیں از مولانا عاشق الٰہی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ

❷ پرنور دعائیں از حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہٗ

❸ مستند مجموعہ وظائف تصدیق شدہ مفتی نظام الدین صاحب شامزئی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ (مرتبہ اساتذۂ مدرسہ بیت العلم)

❹ مستند معمولات صبح وشام (مرتبہ اساتذۂ مدرسہ بیت العلم)

❺ استغفار کی ستر دعائیں از علامہ قطب الدین حنفی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ

❻ مناجات مقبول از حکیم الامت حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ

❼ ذَرِیْعَةُ الْوُصُوْلِ إِلٰی جَنَابِ الرَّسُوْلِ از حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ

❽ الحزب الاعظم از ملا علی قاری رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ

❾ کتاب الدعاء از صاحبزادہ قاری عبدالباسط صاحب[1]

یہ تو کتابیں ہر استاذ کو اپنے پاس رکھنی چاہئیں، اور ان میں سے دعاؤں کو زبانی یاد کرکے بار بار مانگتے رہنا چاہیے۔ اس کے اہتمام سے ان شاء اللہ تعالیٰ آپ چند دنوں میں ہی اپنے اندر تبدیلی محسوس فرمائیں گے۔ اس کے علاوہ یہاں چند دعائیں لکھی جاتی ہیں جو بچوں کو یاد کرائی جائیں۔ آں حضرت ﷺ نے حضرت عمران بن حصین رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو یہ دعا تعلیم فرمائی تھی:

❶ "اَللّٰهُمَّ أَلْهِمْنِيْ رُشْدِيْ وَأَعِذْنِيْ مِنْ شَرِّ نَفْسِيْ."[2]

تَرجَمۃ: "اے اللہ! میرے دل میں بھلائی ڈال دے اور میرے نفس کی بُرائی سے مجھے بچالے۔"

[1] بیت العلم ٹرسٹ کی کتابیں کسی بھی معیاری مکتبہ سے، یا ہم سے براہ راست منگوائیں۔ از ناشر

[2] ترمذی، کتاب الدعوات: ۱۸۶/۲

دل کی صفائی اور آنکھوں کی خیانت سے بچنے کے لئے رسول اللہ ﷺ اس دعا کو مانگا کرتے تھے۔

❷ "اَللّٰهُمَّ طَهِّرْ قَلْبِيْ مِنَ النِّفَاقِ وَعَمَلِيْ مِنَ الرِّيَآءِ وَلِسَانِيْ مِنَ الْكَذِبِ وَعَيْنِيْ مِنَ الْخِيَانَةِ فَإِنَّكَ تَعْلَمُ خَائِنَةَ الْأَعْيُنِ وَمَا تُخْفِي الصُّدُوْرُ."[1]

تَرجَمۃ: "اے اللہ! تو میرے دل کو نفاق سے پاک صاف کردے اور میرے اعمال کو دکھاوے سے اور زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو چوری وخیانت سے (پاک صاف کردے) کیوں کہ تو آنکھ کی خیانت اور دل کی پوشیدہ باتوں کو خوب جانتا ہے۔"

بچے کے لئے تعویذ:

❸ "أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّآمَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَآمَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَآمَّةٍ."[2]

تَرجَمۃ: "میں اللہ تعالیٰ کے کلماتِ تامہ کے ذریعہ پناہ لیتا ہوں ہر شیطان اور زہریلی بلاء (کے شر) سے اور ہر لگنے والی نظربد کے شر سے۔"

❹ "اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ."[3]

تَرجَمۃ: "شروع اللہ کے نام کے ساتھ اے اللہ! میں ایذا اور تکلیف پہنچانے والے نر اور مادہ شیطانوں اور (جنوں) سے آپ کی حفاظت چاہتا ہوں۔"

[1] مشکوٰۃ، کتاب الدعوات، باب جامع الدعاء، الفصل الثالث: ص۲۲۰

[2] ابن ماجہ، الطب، باب ماعوذبہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم: الرقم: ۳۵۲۵

[3] بخاری، کتاب الوضو، باب ما یقول عندالخلاء: ۲۶/۱

بیت الخلا میں جانے سے پہلے یہ دعا پڑھنا بہت ضروری ہے ناپاک جگہ پر شیطان کا گھر اور ٹھکانہ ہوتا ہے، اس لئے اس میں کسی مسلمان کی موجودگی کو شیطان غنیمت تصور کرتے ہیں۔

اولاد، والدین کے لئے یہ دعائیں کرے:

۵ ﴿رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا ۝﴾ [1]

ترجمہ: ”اے میرے پروردگار! ان پر ویسا ہی رحم کر، جیسا انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی ہے۔“

یہ مبارک دعا والدین کے لئے رحمت کی دعا ہے اولاد اللہ تعالیٰ سے یہ مانگے کہ اے اللہ! جیسے والدین نے بچپن میں مجھ پر رحم کیا، آپ اُن پر رحم فرمائیں، یہ حکم اللہ تعالیٰ نے سورۃ بنی اسرائیل میں اولاد کو والدین کے ادب کی رعایت کے بارے میں دیا ہے۔

علم میں برکت کے لئے یہ دعا پڑھے:

۶ ﴿رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا ۝﴾ [2]

ترجمہ: ”اے میرے اللہ! میرے علم میں اضافہ فرما۔“

نسائی میں بروایت حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسبِ ذیل الفاظ پر مشتمل یہ دعا بکثرت مانگتے تھے اور راویٔ حدیث حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ دعا اپنی سب اولاد کو یاد کرادیتے تھے، دعا یہ ہے۔

۷ ”اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوذُبِكَ مِنَ الْبُخْلِ وَأَعُوذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَأَعُوذُبِكَ مِنْ أَنْ أُرَدَّ إِلَى أَرْذَلِ الْعُمُرِ وَأَعُوذُبِكَ مِنْ فِتْنَةِ الدُّنْيَا وَعَذَابِ الْقَبْرِ“ [3]

[1] سورۃ اسراء: آیت ۲٤ [2] سورۃ طٰہٰ: آیت ۱۱٤

[3] نسائي، كتاب الإستعاذة، باب الإستعاذة من فتنة الدنيا: ۲/۳۱۵

ترجمہ: ”یا اللہ! میں تیری پناہ مانگتا ہوں کنجوسی سے، اور تیری پناہ مانگتا ہوں بزدلی سے، اور پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ ناکارہ عمر تک پہنچوں اور دنیا کے فتنہ سے اور قبر کے عذاب سے۔“

اساتذہ کرام یہ سات دعائیں بچوں کو سکھائیں، یاد کروائیں اور ان کی کاپی میں لکھوائیں۔ یہ دعائیں عمر بھر بچوں کو بہت کام آئیں گی۔

وضاحت

یاد رکھیئے! بدنظری کی بیماری بہت بری بیماری ہے، اس کا جلد از جلد علاج کیجیے، یہ روح کی ایک ایسی بیماری ہے کہ بہت بھاری نیکیوں کے نور کو بھی ضائع کردیتی ہے، دل سے ایمان کی حلاوت دور ہوجاتی ہے، اعمالِ صالحہ کرنے کو دل نہیں چاہتا، اس سے اپنے آپ کو بچانے کے لئے ایک اہم تدبیر لکھتے ہیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس پر عمل کرنے سے فائدہ ہوگا۔

اپنی نگاہوں کو نیچے رکھ کر چلنے کی کوشش کیجیے، غلطی سے کسی نامحرم پر نگاہ پڑجائے تو اس غلطی سے پڑی نظر کو بھی باقی نہ رکھیں، آنکھ ہٹالیں، اور دوبارہ اپنے ارادے سے نہ اُٹھایئے اور نہ ہی قصداً اس کے چہرے یا وجود کا تصور ذہن میں دوبارہ لایئے۔ کیوں کہ بعض بزرگوں نے تنبیہ فرمائی ہے کہ بعض لوگ نگاہِ چشمی کی حفاظت کر بھی لیں، تب بھی نگاہِ قلبی کے مرض میں مبتلا رہتے ہیں، یعنی دیکھے ہوئے منظر کے تصور سے لذت لیتے ہیں، یا خیالات پکاتے ہیں، یہ سب بھی بہت ہی گناہ کے کام ہیں، خوب سوچا جائے کہ میرا مالک جیسے میری نگاہوں کا اُٹھنا دیکھ رہا ہے اسی طرح میرے دل میں، سینے میں جنم لینے اور پکنے والے خیالات اور ارادوں کو بھی جانتا ہے۔ کسی عارف بزرگ نے کیا خوب فرمایا ہے:

؎ چوریاں آنکھوں کی، اور سینوں کے راز
جانتا ہے سب کو تو اے بے نیاز!

بچوں کی حیثیت پہچانیے

بچے کسی بھی قوم کی مشینری کے وہ بنیادی پرزے ہوتے ہیں، جنھیں مستقبل میں نظام چلانا ہے۔ اگر یہ پرزے درست، مضبوط اور متحرک ہوں تو مستقبل زندہ، جاوداں اور کارآمد نظر آئے گا۔ لیکن اگر ان پرزوں کے پیچ ڈھیلے پڑجائیں، یا کنارے ٹوٹ جائیں یا یہ زنگ آلود ہوں تو نہ مشین چلے گی، نہ نظام اور نہ ہی قوم کو کوئی فائدہ ہوگا۔

شاعر ہندی نے کہا تھا کہ "ہر بچہ جو دنیا میں آتا ہے اپنے ساتھ یہ پیام لاتا ہے کہ خدا ابھی انسان سے مایوس نہیں ہوا۔" مگر کیا ہم اساتذہ کی جماعت اتنی مایوس ہو چکی ہے کہ ان معصوم کلیوں کو کھلنے سے پہلے ہی مسل دینا چاہتی ہے۔

نہیں ہرگز نہیں! اپنے عزائم بلند رکھیے، حوصلہ قوی رکھیے، طلبہ کی خوبیاں بیان کیجیے، جہاں چار اساتذہ بیٹھیں، وہاں بچوں کی غیبت نہ کریں مثلاً: یہ کہ آج کل کے بچے ..... بس توبہ .... کلاس کا فلاں بچہ ...... بس کچھ نہ پوچھو وغیرہ اس طرح طلبہ کی غیبت کرنے سے استاذ اور بچوں کے درمیان محبت اور الفت کا رشتہ کمزور ہو جاتا ہے۔ خود اساتذہ کے دلوں میں مایوسی پیدا ہوجاتی ہے، اگر کسی استاذ کا گمان ایک بچے کے متعلق صحیح ہوتا ہے تو وہ بھی خراب ہوجاتا ہے اور بدگمانی پھیل جاتی ہے۔

لہٰذا بچوں کی حیثیت پہچانیے، یاد رکھیے، اور ان سے کام لینے کے لئے پہلی چیز ان کی خوبیوں پر نظر رکھنا ہے۔ ہر بچے کے اندر کمزوریاں بھی ہوتی ہیں اور خوبیاں بھی، کچھ کام وہ نہیں کرسکتا اور کچھ کام وہ ضرور کرسکتا ہے، ہر فرد کا ایسا ہی معاملہ ہے۔ لہٰذا ان کی خوبیاں سامنے رکھ کر ان سے کام لیا جائے تو اساتذہ بچوں سے بہت زیادہ کام لے سکتے ہیں۔ نیز ان کی خوبیوں پر ان کی حوصلہ افزائی بھی کی جائے۔

دوسری چیز کمزوریوں کا اثر کم سے کم لینا ہے، ایک ماہر استاذ کے لئے ضروری

ہے کہ وہ دلی طور سے کمزوریوں کا اثر کم سے کم لے۔ اس لئے کہ یہ کم تو ہوسکتا ہے مگر ختم نہیں ہوسکتا، یہ بات کہ مدرسہ اور اسکول کے تمام بچے کامل ہوجائیں، میرے پورے پورے معیار پر اُتر جائیں، یہ نہیں ہوسکتا۔ آدمی کو اپنے معیار کی تو بیوی بھی نہیں ملتی۔ لہٰذا بہترین استاذ وہ ہے جو کمزوریوں اور خامیوں کو اور ان کے اثرات کو کم کر کے میسر قوتوں کو اچھے انداز میں استعمال کر کے مطلوبہ ہدف حاصل کرے۔

آپ یہ سوچیں کہ پانچ یا دس روپے سے کیا ہوگا؟ تو شاید کچھ بھی کام نہیں ہو سکے گا، اس کی بجائے آپ یہ سوچیے کہ پانچ روپے سے کیا کام ہوسکتا ہے؟

یہ نہ سوچیے کہ کیا نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ "نہیں" ہوسکتا ہماری منزل نہیں ہے۔ یہ سوچنے کی ضرورت ہے کہ کیا کیا ہوسکتا ہے؟

یہ نہ سوچیں کہ ایسے نالائق، کمزور اور کام چور طلبہ کیا کام کریں گے؟

بل کہ یہ سوچیے کہ یہ گھر پر نہ تو مطالعہ کرتے ہیں، نہ تکرار نہ واجب المنزل (ہوم ورک) کرتے ہیں، لیکن جتنا وقت مدرسہ یا اسکول میں مثلاً: چار گھنٹے دیتے ہیں، ان چار گھنٹوں میں ان سے کیسے کام لیا جاسکتا ہے۔

شاگرد کا نام لے کر پکارنا

پڑھائی کے دوران استاذ کو چاہیے کہ ان کے نام یا کنیت سے ان کو مخاطب کرے اس لئے کہ اس طرح طلبہ کو ان کے نام سے مخاطب کرنے سے طلبہ کی توجہ سبق کی طرف بڑھ جاتی ہے۔ اور خوب دھیان سے سبق سنتے ہیں۔ اور ان کے دل میں ایک قسم کی خوشی اور سرور پیدا ہوتا ہے کہ استاذ نے میرا نام/میری کنیت لی ہے، جس سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ وہ طالب علم بات بہت جلدی لیتا ہے اس طرح استاذ اور کتاب دونوں سے مناسبت بھی پیدا ہوجاتی ہے۔ ف

ف اور کلاس کے باہر بھی طلبہ کو غیر شائستہ الفاظ مثلاً اے موٹے...... اے چشمے والے...... کے بجائے نام یا اچھی کنیت سے پکارا جائے۔

بنو سلمہ نے اپنی رہائش مسجد کے قریب کرنے کا ارادہ کیا، جس کی خبر آپ ﷺ کے پاس پہنچی تو آپ ﷺ نے ان سے ان کے ارادے کے بارے میں دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا: جی ہاں۔

نبی کریم ﷺ نے ان کو کنیت سے مخاطب کر کے فرمایا:

"يَا بَنِيْ سَلِمَةَ! دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ آثَارُكُمْ، دِيَارَكُمْ تُكْتَبْ آثَارُكُمْ"

ترجمہ: "اے بنو سلمہ! تم لازم پکڑو اپنے گھروں کو، اس لئے کہ قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں، لازم پکڑو اپنے گھروں کو اس لئے کہ قدموں کے نشانات لکھے جاتے ہیں۔" یعنی جتنے دور سے مسجد کی طرف روانہ ہوں گے ہر ایک قدم پر اللہ تعالیٰ ثواب عطاء فرمائیں گے۔[1]

نبی کریم ﷺ نے حضرت ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اُن کی کنیت سے پکار کر فرمایا:

"يَا أَبَا سَعِيْدٍ! مَنْ رَضِيَ بِاللّٰهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِيْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ"

ترجمہ: "اے ابوسعید! جو آدمی اللہ تعالیٰ کو رب جانتے ہوئے اور اسلام کو دین سمجھتے ہوئے اور محمد (ﷺ) کو نبی ماننے پر راضی ہو جائے تو اس کے لئے جنت واجب ہے۔"

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بات بہت پسند آئی، اور آپ ﷺ سے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! دوبارہ ارشاد فرما دیجئے، آپ ﷺ نے دوبارہ یہی ارشاد فرمایا۔[2]

---

[1] مسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل كثرة الخطا إلى المساجد: ۲۳۵/۱

[2] كمسلم، كتاب الإمارة، باب بيان ما أعده الله للمجاهدين في الجنة من الدرجات: ۱۳۵/۲

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا:

"مَنْ أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟"

ترجمہ: "قیامت کے دن آپ کی شفاعت کا زیادہ مستحق کون ہے؟"

آپ ﷺ نے اُن کی کنیت سے مخاطب فرمایا:

اے ابوہریرہ! احادیث پر تمہارا حرص دیکھ کر مجھے یہی گمان تھا کہ اس بارے میں تم سے پہلے کوئی نہیں پوچھے گا (پھر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا):

"أَسْعَدُ النَّاسِ بِشَفَاعَتِيْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، مَنْ قَالَ: "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ خَالِصًا مِنْ قَلْبِهِ أَوْ نَفْسِهِ""[1]

ترجمہ: "قیامت کے دن میری شفاعت کا سب سے زیادہ مستحق وہ ہے جس نے صدق دل سے "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ" کا اقرار کیا۔"

فوائد: ان احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے شاگردوں کے نام اور کنیت لے کر ان کو تعلیم اور نصیحت کیا کرتے تھے، تاکہ ان میں انسیت پیدا ہو اور دل جوئی سے نصیحت پر عمل ہو سکے۔ مزید یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ اپنی بات مخاطب کو سمجھانے کے لئے مکرر/دہرایا کرتے تھے اور یہ کہ آپ ﷺ مخاطب کے سامنے ایسے الفاظ ذکر فرماتے تھے، جس سے مخاطب کے دل میں سرور پیدا ہو، جیسا کہ تیسری حدیث میں آپ ﷺ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ تمہیں احادیث پر زیادہ حریص دیکھ کر مجھے یہی گمان تھا کہ تم سے پہلے مجھ سے کوئی نہیں پوچھے گا۔

ڈاکٹر فضل الٰہی مذکورہ حدیث کی تشریح میں حضرت امام ابن ابی جمرۃ کا قول نقل فرماتے ہیں:

"فِيْ هٰذَا دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّ مِنَ السُّنَّةِ إِدْخَالُ السُّرُوْرِ عَلٰى

---

[1] بخاري، كتاب العلم، باب الحرص على الحديث: ۲۰/۱

السَّائِلِ قَبْلَ رَدِّ الْجَوَابِ عَلَيْهِ."[1]

ترجمہ: ”سوال کرنے والے کو جواب دینے سے پہلے خوش کرنے والے الفاظ کہنا سنت ہے۔“

شاگردوں کی خوبیوں پر تعریف کیجیے

اس گر کو آپ آزما کر دیکھیے، ان شاء اللہ ہر جگہ مفید پائیں گے، والد ہوتے ہوئے، مینیجر ہوتے ہوئے، پرنسپل کے ہوتے ہوئے، ماتحتوں کی خوبیوں کی تعریف ضرور کیجیے، جتنی کمیاں ہیں وہ بھی اس تعریف کرنے سے آہستہ آہستہ دور ہوجائیں گی، مثلاً: کسی فیل بچے کو یہ کہنے کے بجائے کہ تم پچھلے ماہانہ ٹیسٹ میں بھی فیل تھے اور اس ماہ بھی فیل ہوئے، یہ کہیے کہ پچھلے ماہ تم نے بیس نمبر لئے تھے، اس ماہ ماشاء اللہ تیس نمبر لئے، بڑی بات ہے دس نمبر تمہارے زیادہ ہوگئے، آئندہ اگر اسی طرح محنت جاری رکھو گے تو ہر ماہ دس نمبر کا اضافہ ہوگا تو ایک دن تم اوّل آسکتے ہو۔

دیکھیں! اللہ تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں کی تعریف فرمائی ہے اور نوح علیہ السلام کی اس طرح تعریف فرمائی:

❶ ﴿إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا﴾[2]

ترجمہ: ”وہ بے شک بڑے شکر گزار بندے تھے۔“

یعنی نوح علیہ السلام جن کی اولاد میں تم ہو، کیسے احسان شناس اور شکر گزار بندے تھے، تم کو بھی ان ہی کی راہ پر چلنا چاہیے۔

ابراہیم خلیل علیہ السلام کی تعریف فرمائی:

❷ ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِيمٌ أَوَّاهٌ مُّنِيبٌ ۝﴾[3]

[1] النبي الكريم معلماً: ص۱۴۲
[2] سورة بني اسرائيل: آیت ۳
[3] سورة هود: آیت ۷۵

ترجمہ: ”بے شک ابراہیم علیہ السلام بڑے حلیم، بڑے دردمند بڑے نرم دل تھے۔“

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف فرمائی:

❸ ﴿إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا﴾[1]

ترجمہ: ”بے شک وہ وعدہ کے (بڑے ہی) سچے تھے اور رسول تھے، نبی تھے۔“

حضرت اسماعیل علیہ السلام کا صادق الوعد ہونا مشہور تھا۔ اللہ تعالیٰ سے یا بندوں سے جو وعدہ کیا پورا کرکے دکھلایا۔ ایک شخص سے ایک جگہ ملنے کا وعدہ کیا، وہ وقت پر نہ آیا تو اس کے انتظار میں تین دن اور بعض روایات میں ایک سال کا انتظار کرتے رہے۔[2]

حضرت اسماعیل کے وعدہ کی انتہائی سچائی، اس وقت ظاہر ہوئی جب آپ نے اپنے والد ابراہیم علیہ السلام سے کہا تھا“

”يَا أَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِنْ شَاءَ اللَّهُ مِنَ الصَّابِرِينَ.“[3]

اور اسی طرح کرکے دکھایا[4]

اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منقول ہے کہ ”قبل از بعثت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عبداللہ بن ابی الحمساء نے کہا کہ آپ یہاں ٹھہریئے، میں ابھی آتا ہوں۔ آپ تین دن تک اسی جگہ رہے، جب وہ واپس آیا تو فرمایا کہ تو نے ہم کو تکلیف دی، میں حسبِ وعدہ تین دن سے یہیں ہوں۔“[5]

[1] سورة مريم: آیت ۵۴ — [2] تفسیر مظہری: ۱۰۲/۶
[3] سورة صٰفّٰت: آیت ۱۰۲ — [4] تفسیر عثمانی ص ۴۱۳
[5] ابوداؤد، كتاب الأدب، باب في العدة: ۳۲۶/۲

ایک مرتبہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ اہلِ یمن نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ:

"اِبْعَثْ مَعَنَا رَجُلًا يُعَلِّمُنَا الْقُرْآنَ" "آپ کسی کو ہمارے ساتھ کردیں جو ہم کو قرآن کریم کی تعلیم دیں۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شاگرد ابوعبیدہ (کی تعریف کرتے ہوئے) کو یہ کہہ کر ان کے ساتھ کردیا کہ:

۷ "هٰذَا أَمِيْنُ هٰذِهِ الْأُمَّةِ"

ترجمہ: "یہ میری امت کے امین ہیں۔"[1]

۸ ایک جگہ اپنے مختلف صحابہ کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا: معاذ بن جبل میری امت میں حلال وحرام کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

۹ میری امت میں فرائض کے سب سے بڑے عالم زید بن ثابت ہیں۔

۱۰ عبداللہ بن عباس قرآن کے بہترین ترجمان ہیں۔ اور ابوموسیٰ اشعری کو آل داؤد کی شہنائی دی گئی ہے۔

۱۱ علی قضاء کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

۱۲ ابودرداء عبادت میں سب سے آگے اور اس امت کے حکیم ودانا ہیں۔

۱۳ زمین کے اوپر آسمان کے نیچے ابوذر سب سے زیادہ صادق اللہجہ ہیں (رضی اللہ تعالیٰ عنہم)۔[2]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے شاگردوں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اجتماعی تعریف بھی فرمائی:

---

[1] خیر والقرون کی درس گاہیں: صفحہ ۱۰۸

[2] خیر القرون کی درس گاہیں: صفحہ ۱۱۶

۱۴ "أَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ فَبِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ."[1]

ترجمہ: "میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں، جس کی بھی تم اتباع کرو گے ہدایت پاؤ گے۔"

اور انفرادی بھی جس صحابی میں جو خوبی تھی اس کی تعریف فرمائی اور اس کی داد دی۔

غور فرمایئے! اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کی تعریف فرماتے ہیں کسی نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے صبر کی اور کسی نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے شکر کی تعریف فرماتے ہیں، کسی نبی کے حلیم اور نرم دل ہونے کی اور کسی نبی کے وعدہ کی سچائی وپختگی کی تعریف فرماتے ہیں، حالاں کہ یہ صفات اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کی ہوئی ہیں لیکن وہ رحیم کریم خود اپنی ہی دی ہوئی صفات ان کی طرف مغلوب کرکے ان بندوں کی تعریف فرماتے ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے شاگردوں کی تعریف فرماتے ہیں مختلف موقعوں پر مختلف صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مختلف صفاتِ حمیدہ پر تعریف وحوصلہ افزائی فرماتے ہیں تو ہمیں بھی چاہیے کہ ہم طلبہ کی، ماتحتوں کی ضرور اچھی باتوں اور اچھی عادتوں پر تعریف کریں۔ حوصلہ افزائی کریں یہ سنت اساتذہ، مہتمم اور ہر گھر کا ذمہ دار یاد رکھ لے تو گھریلو جھگڑے اور ناچاقیاں آپس میں بغض وعناد اور معاشرے کی کئی برائیاں ختم ہوں۔

لہٰذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت پر عمل کرنے کی نیت سے اپنے شاگردوں اور ماتحتوں کی حوصلہ افزائی بھی فرمائیں۔ ان کی ان خوبیوں پر جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے انہوں نے محنت کرکے حاصل کی ہے، اس کی تعریف بھی فرمائیں۔ اس پر انعام بھی دیں، اگر بڑا انعام نہ دے سکیں تو ایک سادہ

---

[1] مشکوٰۃ، کتاب المناقب باب مناقب الصحابة، الفصل ثالث: ۵۵۴/۲

کاغذ پر لکھ کر دے دیں کہ یہ اچھے شریف طلبہ میں سے ہے اور اخیر میں کوئی دعا لکھ دیں، اللہ تعالیٰ اس طالب علم کو دنیا و آخرت کی خوشیاں عطا فرمائیں۔ اس کو اپنے دین کی خدمت کے لئے عافیت سے قبول فرمائے، اس کو والدین کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائے۔ آمین

حوصلہ افزائی کی ضرورت

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بچوں کو بلا مقصد تو پیدا نہیں کر دیا۔ وہ ان سے کچھ کام بھی لینا چاہتے ہیں، ان سے عبادت، خدمت ودعوت إلی اللہ اور خدمت انسانیت کا کام لینا چاہتے ہیں، اس لئے انھیں کچھ صلاحیتیں تو ضرور عطا کی ہوں گی۔ اس لئے یہ طلبہ کچھ نہ کچھ ضرور کر سکتے ہیں۔ لہٰذا طلبہ جو کچھ کر سکتے ہوں، ان سے وہی کام لینا چاہئے۔ یہ تمام صلاحیتیں اور وسائل جمع ہو کر ایک بہت بڑی قوت بن سکتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں اگر آدمی ان باتوں پر غور کرتا رہے جو طلبہ نہیں کر سکتے تو قوت صفر ہو جائے گی۔

جو جو طلبہ/ طالبات کو اللہ تعالیٰ نے صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، آپ ضرور ان کی تعریف کریں، جو امتیازی خوبیاں ہیں ان کی خصوصی داد دیجئے۔

آپ غور فرمائیں گے تو بعض طلبہ تعلیم میں کمزور ہوں گے، لیکن دوسری صفاتِ حمیدہ میں وہ فائق ہوں گے مثلاً: وقت کی پابندی ان کی امتیازی خصوصیت ہوگی، چاہے وہ امتحان میں ناکام ہوئے ہیں، جہاں آپ ناکامی پر ان کو سمجھائیں، وہاں ان کی اس امتیازی خصوصیت کی خصوصی داد دیجئے۔

بعض طلبہ/ طالبات میں سلیقہ مندی ......، حاضر دماغی ......، تجربہ کاری ......، فطری مستعدی ......، بلند ہمتی، دل ودماغ کی چستی ......، صفائی ستھرائی ......، خوشخطی ......، ادب، وقار ......، حیا، صبر ......، پابندی ...... وغیرہ جیسی صفاتِ حمیدہ ان کو اللہ

تعالیٰ جل جلالہ نے عطا کی ہوئی ہوتیں ہیں۔

ان صفات پر تعریف اور حوصلہ افزائی کرتے ہوئے نقائص دور کرنے کی ترغیب دی جاسکتی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ اس بات کا جائزہ لینا چاہیئے کہ ایک طالب علم کے اندر کیا خوبیاں ہیں اور ان خوبیوں کا استعمال صحیح مصرف پر کس طرح ہوسکتا ہے؟ انھیں بڑھانے کی کوشش کرنا چاہیئے اور جو کمزوریاں ہیں، انھیں دبانے یا دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اسی طرح اپنے شاگردوں اور ساتھیوں کے اچھے اوصاف کی قدر کریں، ان کو اہمیت دیں، ان کی نشوونما کی کوشش کریں اور ان کو مربوط کر کے مجموعی قوت بنائیں تو آپ دیکھیں گے کہ ادارے کے اندر قوت اور طاقت پیدا ہوگی۔

دوسری طرف اگر آپ صبح سے شام تک اپنے شاگردوں اور ساتھیوں کی کمزوریوں اور خامیوں کا رونا ہی روتے رہیں گے تو یقین جانئے کہ یہی کام کرتے کرتے آپ کی عمر بھی گزر جائے گی اور طلبہ وطالبات کی عمر بھی گزر جائے گی، مگر کام آگے نہیں بڑھ سکے گا۔

لیکن جہاں آپ نے یہ محسوس کیا کہ چند افراد بھی بڑھتے بڑھتے لاکھوں افراد بن گئے ہیں، وہ آپ کے پاس ہیں، آپ کی قوت ہیں اور ان سے آپ نے کام لینا ہے، تو آپ کی کیفیت بدل جائے گی۔ آپ کو ایک نیا عزم اور ولولہ ملے گا۔ نتیجۃً طلبہ کرام کی مجموعی کارکردگی بہت بہتر ہو جائے گی اور تمام وسائل تعمیری عمل میں صرف ہونے لگیں گے۔

ہر انسان کے اندر خوبیوں اور خامیوں دونوں کا پایا جانا ناگزیر ہے۔ خامیوں کے حامل افراد کی اصلاح بھی ضروری ہے۔ مگر اصل کمال تو یہ ہے کہ افراد کی خوبیوں، اچھائیوں اور صلاحیتوں کو بڑھانا، نشوونما کرنا اور انھیں ایک مؤثر قوت میں بدل دینا، طلبہ کی تربیت اور ان کی حیثیت کو پہچاننے اور ان کی صلاحیتوں سے کام لینے کے

لئے بزرگوں کا بتلایا ہوا پہلا اصول "ان کی حوصلہ افزائی" ہے۔

حوصلہ افزائی وہ محرک ہے جو جذبوں کو ابھارتا......، صلاحیتوں کو اجاگر کرتا...... اور کچھ کر گزرنے پر مجبور کرتا ہے......۔ اگر اساتذہ بچوں کے ساتھ خلوص......، محبت......، خیر خواہی سے پیش آئیں...... اور حوصلہ افزائی کرتے رہیں تو شاگردوں کی کارکردگی بہتر ہوسکتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ راستے میں جا رہے تھے، بازار میں ایک شخص کی آواز سنی، جو گانا گا رہا تھا تو گزرتے ہوئے فرمایا کہ کتنی بہترین آواز ہے کاش! یہ آواز قرآن کریم کی تلاوت میں استعمال ہوتی۔

یہ کہنا تھا کہ گویّے نے پوچھا کہ فلاں بزرگ کیا کہہ کر گئے۔ لوگوں نے بتایا یہ کہہ کر گئے ہیں۔ دل پر ایک چوٹ لگی۔ (یہی خاصانِ خدا داعیانِ حق کے دردِ دل کی آواز ہوتی ہے جو سات پردوں کو چاک کر کے قلبِ انسانی میں پیوست ہو کر انسان کی کایا پلٹ دیتی ہے) یہ سنتے ہی توبہ کی، اور حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کی شاگردی میں داخل ہوئے اور اب یہ آواز تلاوتِ قرآن کریم میں استعمال ہو کر بہت ہی مبارک بن گئی۔[1] (اسی طرح استاذ طلبہ کی خوبیوں پر نظر رکھ کر حوصلہ افزائی کرتے ہوئے کتنے بچوں کی اصلاح کر سکتا ہے، عزم و ہمت سے کام لیجئے مسلمان بچے اور آپ کے تمام ماتحت لوگ آپ کی حوصلہ افزائی اور خوبیوں کے اعتراف اور ان پر تعریف کرنے کے انتظار میں ہیں)۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے پہلے اس کی آواز کی تعریف کی اور یہ فطرتِ انسانی ہے کہ آپ کسی کی تعریف کر کے دشمن کو بھی دوست بنا سکتے ہیں، انسان اپنی تعریف سے بہت خوش ہوتا ہے، سمجھدار تجربہ کار اساتذہ اپنے شاگردوں کی

[1] الغنية (عبدالقادر جيلاني)، (فصل آخر) في ذكر الاخبار والآثار الواردة في التوبة: ٢/٢٦٣

تعریف کر کے ان سے خوب کام نکلوا لیا کرتے ہیں۔

آپ بھی طلبہ کی خوب تعریف کریں، پھر کام کروائیں، تعریف کرنا، طلبہ کی خوبیوں کو اُجاگر کرنا یہ وہ اسلامی دینی جوہر ہے، جو خامیوں کو خوبیوں میں بدل سکتا ہے۔

لہٰذا جس کی جو خوبی ہو، اور جتنی خوبی ہو اس کا ضرور اعتراف کیا جائے، اس کی حوصلہ افزائی کی جائے، اس کی خوبی کی داد دی جائے۔

۱۵ ایک مرتبہ عبداللہ بن مسعود رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے سامنے سورۂ یوسف کی تلاوت کی تو آپ نے ان کی حوصلہ افزائی کے لئے فرمایا أَحْسَنْتَ. "تو نے اچھی تلاوت کی۔"[1]

۱۶ ایک مرتبہ نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اپنی سواری پر سوار تھے کہ ایک اعرابی نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سواری کی لگام پکڑ لی اور عرض کیا۔

اے اللہ کے رسول!

"أَخْبِرْنِي بِمَا يُقَرِّبُنِي مِنَ الْجَنَّةِ وَمَا يُبَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ"

تَرْجَمَہ: "مجھے ایسا عمل بتلایئے جو جنت کے قریب کر دے اور جہنم سے دور کر دے۔"

آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُک کے رہے اور صحابہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُمْ کی طرف نظر فرمائی اور اس اعرابی کی اس طرح حوصلہ افزائی فرمائی: "لَقَدْ وُفِّقَ أَوْ هُدِيَ"

"کہ اللہ تعالیٰ نے اس اعرابی کو اس طرح کہنے کی توفیق عطاء فرمائی ہے۔" پھر آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوئے اور دوبارہ یہی ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس اعرابی کو اس طرح کہنے کی توفیق بخشی ہے۔ اس کے بعد آپ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے فرمایا:

[1] مسلم، كتاب فضائل القرآن، باب فضل استماع القرآن: ١/٢٧٠

”اللہ تعالیٰ کی عبادت کر اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک مت ٹھہرا، نماز قائم کر اور زکوٰۃ ادا کر اور صلہ رحمی کر اور اب اونٹنی کو چھوڑ دے۔“[1]

۱۷ آپ ﷺ نے حضرت سالم رضی اللہ تعالیٰ عنہ (جو حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے) کی قرأت سن کر حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ فِيْ أُمَّتِيْ مِثْلَهٗ“[2]

تَرجَمَۃ: ”تمام تعریفیں اس رب کی ہیں جس نے میری امت میں اس طرح اچھی قرأت کرنے والا پیدا فرمایا۔“

۱۸ اور ایک حدیث میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محبوب ترین مال صدقہ کرنے پر آپ علیہ السلام نے ان کی تعریف کرتے ہوئے حوصلہ افزائی فرمائی ہے۔[3]

۱۹ آپ نے ایک سریہ میں چند صحابہ کو روانہ فرمایا اور سب سے قرآن پڑھوا کر سنا، ان میں سے ایک نوجوان کو پوری سورۂ بقرہ زبانی یاد تھی، چناں چہ آپ نے فرمایا:

”اِذْهَبْ فَأَنْتَ أَمِيْرُهُمْ.“ کہ تو امیر سریہ ہے۔[4]

فَائِدَۃ: ان احادیث مبارکہ میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ کسی کو اچھی خوبی اور حسن کارکردگی پر تعریفی کلمات کہنے چاہئیں جیسا کہ نبی اکرم ﷺ مختلف اوقات میں صحابہ کرام کی حسنِ کارکردگی اور حسنِ خوبی پر تعریفی کلمات ارشاد فرماتے تھے۔ لہٰذا طلباء کی تعریف بقدر استحقاق ضرور کرنی چاہئے۔ اور یہ بھی تعلیم دی گئی ہے کہ سوال کرنے والے کو ڈانٹنا اور جھڑکنا نہیں چاہئے بل کہ ان کو تسلی بخش جواب دینا چاہئے

[1] مسلم، كتاب الايمان، باب بيان الذى يدخل به الجنة: ۳۱/۱، رقم الحديث ۱۰٤

[2] مجمع الزوائد، كتاب المناقب، باب فضل سالم: ۳٦٤/۹، رقم: ۱۵٦٤۳

[3] بخارى، كتاب الوصايا، باب اذا وقف ارضا ولم يبين الحد، فهو جائز، رقم الحديث ۲۷٦۹

[4] ترمذى، كتاب فضائل القرآن، باب ماجاء فى سورة البقرة وآية الكرسى: ۱۱٦/۲

اور سائل کے سوال کو بھی غور سے سننا چاہئے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ سفر میں جا رہے تھے اس دوران اعرابی نے آپ کی سواری کی لگام تھام لی آپ ﷺ نے ناراضگی کا اظہار تک نہیں فرمایا بل کہ اعرابی کے سوال غور سے سننے کے لئے رکے رہے پھر تسلی بخش جواب دیئے۔

اساتذہ کرام طلبہ کی محض خامی کو دیکھ کر حوصلہ شکنی والے الفاظ ”تمہارے فلاں ساتھی کو دیکھو کتنا سمجھ دار ہے اور تم ....“ وغیرہ استعمال نہ کریں کیوں کہ یہ الفاظ ان کے اندر موجود خوبیوں کو بھی خامیوں میں بدل دیتے ہیں اور اس سے طلبہ کے دل میں یہ آتا ہے کہ آج میں عبارت نہیں پڑھ سکا تو استاذِ محترم نے مجھے ڈانٹ دیا۔ یہ نہیں دیکھا آج میں جلدی بھی تو آگیا تھا، آج ہوم ورک بھی مکمل تھا۔ چھوٹے بچے بھی، حوصلہ افزائی سے اس قدر متاثر ہوتے ہیں کہ جو کام وہ زبردستی، ڈانٹ ڈپٹ سے بھی نہیں کرتے، وہ حوصلہ افزائی سے کر لیتے ہیں۔

معصوم بچے، امی کو کہتے ہیں کہ آپ ہمیں غسل کروا کر مدرسہ/ اسکول بھیجیں، اس لئے کہ مس ہمیں Beautiful Girl کی سیٹ پر بٹھائے گی، ہوم ورک جلدی کرنے بیٹھ جاتے ہیں، اس لئے کہ آج ہمیں ”اسٹار“ ملا تھا اور جو صاف ستھرا کام کر کے لائے گا، اس کو مس اسٹار دیں گی۔

استاذ کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ طلبہ کے لئے برکت، خیر اور توفیق وغیرہ کی دعا بھی کرتا رہا کرے، تاکہ ان میں آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا ہو۔

۲۰ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ حضور ﷺ کے لئے انہوں نے وضو کا پانی رکھا تو حضور ﷺ نے ان کے لئے اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْكِتَابَ[1] ”اے اللہ! اس کو کتاب کا علم عطا فرما“ کی دعا فرمائی۔

اساتذہ کرام یہ دعا یاد کرلیں اور طلبہ کی اچھی کارکردگی پر ان کی حوصلہ افزائی کے

[1] بخاري، كتاب العلم، باب قول النبى اللّٰهم علمه الكتاب: رقم ۷۵، ۱۷/۱

لئے یہ دعائیں دیں۔ ہوم ورک کاپیوں میں گڈ اور ویری گڈ کی بجائے اس طرح کی چھوٹی چھوٹی مبارک دعائیں دیں مثلاً:

اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ عِلْمًا نَّافِعًا. "اے اللہ! اس طالب علم کو علم نافع نصیب فرما"

وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا.[1] "اے میرے رب! اس کو اپنا پسندیدہ بنایئے (یعنی عالم بھی ہو اور عامل بھی ہو)"[2]

استاذ محمد بن جمیل زینو اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ کامیاب اُستاذ جب طالب علم میں کوئی اچھی چیز دیکھ لیتا ہے تو اس کی تحسین اور تعریف کرتا ہے اور اس کے لئے دعائے خیر کرتا ہے، اس طرح کرنے سے طالب علم کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے اور وہ زیادہ محنت کرنے لگتا ہے اور دیگر طلبہ بھی اس کی طرح کوشش کرنے لگتے ہیں۔[3]

(۲۱) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بطحاء نامی جگہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو نے حج کیا ہے؟

میں نے کہا جی ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کس طرح؟

میں نے کہا کہ یارسول اللہ! جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "أَحْسَنْتَ"، تو نے اچھا کیا۔[4]

نیز تجربہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ طالب علم کی حوصلہ افزائی کرنے سے وہ اور مستعد ہو جاتا ہے اور دیگر طلبہ بھی اس کی طرح بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس لئے کہ کسی کی صلاحیت کا اعتراف اس کی صلاحیتوں میں اضافہ کا سبب بنتا ہے۔

حضرت مفتی اعظم پاکستان رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں: حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے، انتظامی مصروفیت کی بناء پر آپ کا علمی اور

---

[1] سورۃ مریم: آیت ٦ — [2] معارف القرآن: ١٦/٦

[3] نداء الی المربّین والمربّیات: ص ٨٣

[4] مسند احمد: ٣٩٣/٤، رقم: ١٩٠١١

عملی مقام لوگوں پر واضح نہ ہو سکا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ علمی اور عملی دونوں حیثیتوں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو عجیب کمالات عطا فرمائے تھے۔ حضرت مولانا کو عربی ادب کا بڑا ستھرا ذوق تھا اور آپ کی عربی تحریریں، بڑی چست اور ادیبانہ ہوتی تھیں۔ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء کو جو سند دی جاتی ہے، اس کا پورا مضمون حضرت مولانا ہی کا مرتب فرمایا ہوا ہے اور جب ہم لوگوں نے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی سرپرستی میں عربی نظم ونثر کی مشق کے لئے "نَادِيَةُ الْأَدَبْ" قائم کی تو حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ اس میں بڑی دل چسپی کے ساتھ حصہ لیا کرتے تھے۔ تصنیف وتالیف اور مضمون نگاری کی طرف متوجہ کرنے میں حضرت مولانا کا بڑا حصہ ہے۔

حضرت مولانا کی عادت یہ تھی کہ وہ انتظامی کاموں میں مصروف رہنے کے باوجود، دارالعلوم کے طلباء پر خاص نظر رکھتے تھے اور جس طالب علم میں کوئی صلاحیت دیکھتے، اس کی ہمت افزائی فرما کر اس کی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کی کوشش فرماتے، میں ابھی دارالعلوم میں پڑھتا ہی تھا کہ حضرت مولانا کی خاص نظرِ عنایت مجھ پر مبذول ہو گئی، بارہا ایسا ہوا کہ جب میں امتحان گاہ میں بیٹھا پرچہ لکھ رہا ہوتا تو حضرت مولانا مرحوم میرے پاس تشریف لا کر میرے لکھے ہوئے جوابات دیکھتے اور بعض اوقات اتنے مسرور ہوتے کہ دوسرے اساتذہ کو جا کر اطلاع دیتے تھے۔

ایک مرتبہ کسی اخبار یا رسالے میں کوئی مضمون شائع ہوا، جس میں امت کے کسی اجتماعی مسئلے کے خلاف رائے ظاہر کی گئی تھی، حضرت مولانا نے احقر (یعنی مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ) کو حکم دیا کہ اس کا جواب لکھو، میں نے تعمیلِ حکم کی اور یہ میرا پہلا مضمون تھا، میں نے جب یہ مضمون لکھ کر حضرت مولانا صاحب کو دکھایا تو وہ خوشی سے پھولے نہیں سمائے اور اسی وقت مجھے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ، حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

اور دوسرے اساتذہ کے پاس لے گئے اور ان کو میرا لکھا ہوا یہ مضمون دکھایا۔

حالاں کہ میرے پڑھنے کا زمانہ تھا اور یہ پہلا مضمون تھا، اس میں یقیناً خامیاں بہت سی ہوں گی، لیکن حضرت مولانا نے جو معاملہ میرے ساتھ فرمایا، اس نے میری ایسی ہمت افزائی کی کہ تحریری کام کا ایک شوق پیدا ہوگیا، اس کے بعد "اَلْقَاسِمْ" کے نام سے دارالعلوم دیوبند کا جو رسالہ حضرت مولانا کی زیرادارت نکلتا تھا، میں نے اس میں مضامین لکھنے شروع کئے اور حضرت خوب داد دیتے۔

فراغت کے بعد کچھ عرصہ حالات ایسے رہے کہ مجھے تصنیف وتالیف کی طرف توجہ دینے کا موقع نہ مل سکا، اس لئے حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اس زمانے میں مجھ سے کچھ شاکی رہے، اس کے بعد جب میں نے دو تین رسالے لکھ کر انہیں دکھائے تو وہ کھل اٹھے اور فرمایا:

"یہی تو وہ کام ہے، جس میں تمہیں مشغول دیکھنا چاہتا ہوں۔"[1]

تقریباً قرآن کریم واحادیث مبارکہ اور آثار صحابہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ سے یہ ۲۱ دلائل یا استشہادات ہیں جو حوصلہ افزائی اور تعریف پر ہیں۔

طالب علم کو خوش آمدید کہنا اور بشارت سنانا

طلبہ جب دور دراز سے آپ کے ہاں بغرض تعلیم آتے ہیں تو ان کو مبارک باد دینی چاہئے، اور ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے، اس طرح باہر سے آنے والے طلبہ کو مبارک باد دینے سے ان کی اجنبیت ختم ہوکر ان میں انسیت پیدا ہوگی، اور ان کو کلماتِ دعائیہ سے بھی نوازنا چاہئے، حتی الامکان ان کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ ان کی خدمت کرنے سے اللہ تعالیٰ ہمیں اس کا بدلہ دنیا و آخرت دونوں میں دیں گے۔

[1] چند عظیم شخصیات، مفتی اعظم پاکستان: صفحہ ۳۲

حضرت نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں وفدِ عبدالقیس تعلیم کی غرض سے حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے دعائیہ کلمات کہتے ہوئے فرمایا:

"مَرْحَبًا بِالْوَفْدِ الَّذِيْنَ جَاءُوْا غَيْرَ خَزَايَا، وَلَا نَدَامٰى"[1]

تَرْجَمَۃ: "مبارک ہو، تمہیں اللہ تعالیٰ نامراد اور شرمندہ نہ کرے۔"

فَائِدَہ: اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ آپ ﷺ اپنی خدمت میں حاضر ہونے والوں کو مبارک باد اور دعائیہ کلمات فرمایا کرتے تھے۔

حضرت صفوان بن عسال مرادی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ اس وقت مسجد میں اپنی سرخ دھاریوں والی چادر کے ساتھ ٹیک لگائے ہوئے تھے، میں نے عرض کیا یارسول اللہ! میں علم حاصل کرنے آیا ہوں آپ ﷺ نے فرمایا: "طالب علم کو خوش آمدید ہو۔"[2]

حضرت ابوہارون رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کہتے ہیں کہ جب ہم حضرت ابوسعید رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خدمت میں جاتے تو فرماتے: "مَرْحَبًا بِوَصِيَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" خوش آمدید ہو، ان لوگوں کو، جن کے بارے میں حضور ﷺ نے ہمیں وصیت فرمائی تھی۔

حضور ﷺ نے فرمایا تھا: لوگ تمہارے تابع ہوں گے اور زمین کے آخری کناروں سے تمہارے پاس دین کی سمجھ حاصل کرنے آئیں گے، جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کے ساتھ اچھا سلوک (یعنی بھلائی کا معاملہ) کرنے کی وصیت مجھ سے قبول کرلو۔[3]

[1] بخاري، كتاب الادب، باب قول الرجل مرحبا: ۹۱۲/۲

[2] مجمع الزوائد، كتاب العلم، باب في طالب العلم: ۱۷٤/۱ رقم ۵۵۰

[3] ترمذي، كتاب العلم، باب ماجاء في الاستيصاء بمن يطلب العلم: ۹۳/۲

ایک روایت میں یہ ہے کہ مختلف دور دراز علاقوں سے لوگ آئیں گے جو تم سے دین کے بارے میں پوچھیں گے۔ جب وہ تمہارے پاس آئیں تو ان کے لئے جگہ میں گنجائش پیدا کرو اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی وصیت قبول کرو اور ان کو سکھاؤ۔ ابن عساکر رحمہ اللہ تعالیٰ کی روایت میں یہ ہے کہ انہیں سکھاؤ اور انہیں کہو خوش آمدید، خوش آمدید، قریب ہو جاؤ۔[1]

حضرت ابوسعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس جب مشرق کی طرف سے یہ نوجوان آتے تو فرماتے خوش آمدید ہو، ان لوگوں کو جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں وصیت فرمائی تھی۔ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا تھا کہ ہم ان کے لئے مجلس میں گنجائش پیدا کریں اور ان کو حدیث سمجھائیں، کیوں کہ آپ لوگ ہی ہمارے بعد جگہ سنبھالنے والے ہیں اور احادیث دوسروں کو سنانے والے ہیں، اور ان نوجوانوں سے فرمایا کرتے تھے: اگر تمہیں کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو مجھ سے سمجھ لینا کیوں کہ تم سمجھ کر اٹھو یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ تم بے سمجھے اٹھ جاؤ۔[2]

اگر اساتذہ کرام عزم فرمالیں کہ طلبہ کو بغیر سمجھائے آگے نہیں چلنا، تو مدرسہ اسکول کی آدھی پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ طلبہ سے بھی فیصلہ کروالیں کہ بغیر سمجھے نہیں پڑھیں گے۔

حضرت اسماعیل رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ تعالیٰ کے پاس عیادت کے لئے گئے، ہماری تعداد اتنی زیادہ تھی کہ سارا گھر بھر گیا تو انہوں نے اپنے پاؤں سمیٹ کر فرمایا: ہم لوگ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی عیادت کرنے گئے ہماری تعداد اتنی زیادہ تھی کہ سارا گھر بھر گیا انہوں نے اپنے پاؤں سمیٹ کر فرمایا: ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کرنے

[1] کنز العمال، کتاب العلم، الخامس: ۱۰/۱۳۶، رقم: ۲۹۵۲۱
[2] کنز العمال، کتاب العلم المجلد الخامس: ۱۰/۱۳۶، رقم: ۲۹۵۱۹

گئے اور ہماری تعداد اتنی زیادہ تھی کہ سارا گھر بھر گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلو کے بل لیٹے ہوئے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیکھا تو اپنے پاؤں سمیٹ لئے اور فرمایا:

"میرے بعد تمہارے پاس بہت لوگ علم حاصل کرنے آئیں گے، تم انہیں خوش آمدید کہنا اور ان سے سلام اور مصافحہ کرنا اور انہیں خوب سکھانا۔"[1]

حضرت اُمّ درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب بھی حضرت ابودرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوئی حدیث بیان کرتے تو ضرور مسکراتے، تو میں نے ان سے کہا: مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ اس طرح لوگ آپ کو بیوقوف سمجھنے لگیں گے۔ انہوں نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی بات فرماتے تو ضرور مسکراتے۔[2]

اب ہم اپنا محاسبہ کرلیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک پر عمل کرتے ہوئے کتنے مرتبہ طلبہ کو "مَرْحَبًا" کہا؟

ان کے ساتھ کتنی مرتبہ اچھا سلوک کیا؟

کتنی مرتبہ ان سے کہا کہ سمجھ نہ آئے تو مجھ سے دوبارہ سمجھ لینا۔

ہمارے بزرگ حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ جنوبی افریقہ میں اساتذہ سے خطاب کیا اور فرمایا:

اے اساتذہ کی جماعت! تم طلبہ کو اپنا محسن سمجھو۔

1 اگر یہ نہ ہوں تو تم فتح الباری، فتح القدیر، اشموغی، تحریر سنبٹ کا مطالعہ کیسے کرسکو (تدریس کے بوجھ کی وجہ سے استاذ اپنا سبق تیار کرتا ہے، ایک گھنٹہ درس دینے کے لئے، بسا اوقات کئی گھنٹے مطالعہ کرنا پڑتا ہے، یہ طلبہ ہی کی تو برکت ہے، ورنہ مطالعہ کرنے کی نہ ہمت ہو نہ شوق، لائبریریوں میں جانے کی نہ تڑپ ہو، نہ جدید سے جدید شروحات وتحقیقات کی فکر ہو)۔

[1] ابن ماجہ، کتاب العلم، باب الوصاة بطلبة العلم: ص۲۲
[2] مجمع الزوائد، کتاب العلم، باب فی طالب العلم: ۱/۱۷۴، رقم: ۵۴۹

❷ دوسری طرف دیکھو تو یہ طلبہ ہی تمہارے ذریعہ معاش ہیں، یہ نہ ہوں تو اسکول کالج مدرسہ کی دیواروں کو پڑھانے سے رہے، ان ہی کی وجہ سے ان کے والدین فیس دیتے ہیں، ان ہی کی وجہ سے مخیّر حضرات چندہ دیتے ہیں، کسی مدرسہ میں اسکول میں بڑے بڑے ماہرینِ تعلیم و شیخ الحدیث، جمع کرکے دیکھ لو وہاں طلبہ نہ ہوں، کیا کوئی چندہ دے گا؟ کیا کوئی تنخواہ دے گا؟

پھر ان طلبہ کی ناقدری کرنا، گویا اپنے علم کے بڑھانے کے اسباب اور اپنے ذریعہ معاش کی ناقدری کرنا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی نعمتوں کی ناقدری سے حفاظت فرمائے۔[1]

ہشام دستوائی اپنے شاگردوں کے صدقِ طلب اور حسنِ نیت کو دیکھ کر فرماتے تھے:

"وَدِدْتُ أَنَّ الْحَدِيْثَ مَاءٌ فَأَسْقِيْكُمُوْهُ."[2]

ترجمہ: "میں چاہتا ہوں کہ حدیث، پانی بن جائے اور میں تم لوگوں کو پلادوں۔"

سعید بن مسیب مکتب کے بچوں کو دیکھ کر کہتے تھے: "هٰؤُلَاءِ النَّاسُ بَعْدَنَا" ہمارے بعد یہی بچے بڑے ہوکر عالم ہوں گے۔[3]

حسن بصری کہا کرتے تھے کہ نوجوانوں کو ہمارے سامنے رکھو، ان کے دل فارغ ہیں، جو سنتے ہیں یاد کرلیتے ہیں، ان میں سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے گا علم دین دے گا، ابوبکر بن عیاش کسی مجلس سے گزرتے ہوئے، ایک شخص نے ان سے پوچھا کہ یہ بچے یہاں کیوں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔

"هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَحْفَظُوْنَ عَلَيْكَ دِيْنَكَ."[4]

---

[1] ملخصہ از بیان حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

[2] خیر القرون کی درس گاہیں: صفحہ ۲۴۴ [3] ایضاً [4] ایضاً: صفحہ ۳۴۳

ترجمہ: "یہ لوگ تمہارے دین کی حفاظت کریں گے۔"

ان واقعات و روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ طلبہ قابل قدر ہیں ان کی تحقیر نہ کی جائے بل کہ ان کو علمِ دین حاصل کرنے پر بشارت اور ان کی حوصلہ افزائی کرنی چاہیے۔

اساتذہ، کمزور بچوں کو شرارتی بچوں سے کس طرح بچاسکتے ہیں؟

مدرسوں، اسکولوں اور محلے کے کمزور بچوں کو طاقتور بچوں کی طرف سے تشدد کا نشانہ بنایا جانا، ایک عام معمول بن چکا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ نفسیاتی طور پر مریض بن جاتا ہے۔ وہ اسکول جانے سے کتراتا اور گھبراتا ہے۔ گلی محلے میں کھیلنے کے لئے نکلنے سے احتراز کرتا ہے اور اس کی صحت بھی دن بدن کمزور ہوتی چلی جاتی ہے۔

اگر بچہ گھر آکر والدین کو بتائے تو لڑائی جھگڑے کا امکان پیدا ہوتا ہے، نہ بتائے تو مسلسل تشدد کا نشانہ بنتا ہے۔ یہ صورتحال ہمارے ہاں نہیں، بیرونِ ممالک میں بھی موجود ہے۔ بل کہ وہاں تو بعض بچے اس صورتحال سے تنگ آکر اسلحہ کا استعمال بھی کرتے ہیں، جس سے کئی جانیں ضائع ہوچکی ہیں۔ جب کوئی بچہ اسکول میں نیا نیا داخل ہوتا ہے تو اسے مختلف صورتوں میں تمسخر کا نشانہ بننا پڑتا ہے۔ قدیم طلبہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور جسمانی گزند پہنچانے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ وہ اسے شغل کے طور پر کرتے ہیں۔ خواہ نئے طالب علم کا اس میں کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہوجائے۔

اسی طرح اسکولوں میں طلبہ کے گروپ بن جاتے ہیں، نئے آنے والے طالب علم کو ہر گروپ والے اپنے گروپ میں شامل کرنے کے خواہاں ہوتے ہیں، پھر لڑائی جھگڑے شروع ہوجاتے ہیں، کسی ایک گروپ میں شامل ہونے والا نیا

طالب علم طعنوں یا تشدد کا نشانہ بنتا ہے کہ کیوں دوسرے گروپ میں شامل ہوا ہے؟

ایسے طالب علم کو ٹھڈے مارے جاتے ہیں، اس کا سامان چھپا لیا جاتا ہے یا چھین لیا جاتا ہے، جس سے وہ اپنے آپ کو سخت ذہنی دباؤ میں محسوس کرتا ہے۔ اور اسے سخت نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس سلسلہ میں والدین و اساتذہ کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟ آیئے اس کا جائزہ لیتے ہیں۔

ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ تشدد کا نشانہ بننے والے بچوں پر تشدد کے دو قسم کے اثرات مرتب ہوتے ہیں، اس کے اثرات بعض اوقات تو مختصر عرصے کے لئے ہوتے اور بعض اثرات طویل المیعاد ہوتے ہیں۔ جو بچے کو مسلسل ذہنی دباؤ میں رکھتے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ اسکول سے متنفر ہو جاتا ہے اور ہر قسم کی تقریبات میں جانے سے گریزاں رہنے لگتا ہے، اسے ہر وقت یہ خدشہ لگا رہتا ہے کہ اسے تنگ کرنے یا اس پر تشدد کرنے والے، وہاں بھی نہ پہنچ جائیں۔ بعض اوقات بچہ اپنے آپ کو ایک ناکارہ چیز سمجھنے لگتا ہے یا اپنے آپ کو مختلف لوگوں کے ہاتھوں میں ایک کھلونا سمجھتا ہے۔

بچہ وقت پر کھانا چھوڑ دیتا ہے، اور اگر وہ مسلسل تشدد کا نشانہ بنا رہے تو جسمانی طور پر بھی کمزور ہونا شروع ہو جاتا ہے، نشانہ بنانے والوں کا کہنا ہے کہ تمسخر اس وقت کامیاب ثابت ہوتا ہے، جب نشانہ بننے والا پریشان ہو جائے، غصے کا اظہار کرے یا چیخنا چلانا شروع کر دے۔ اس سے نشانہ بنانے والوں کو ایک تسلی کا احساس ہوتا ہے اور وہ صرف اس وقت ہی بچے کو تنگ کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں، جب بچہ احساس زیادہ کرے، اگر بچہ پرواہ ہی نہ کرے تو پھر تنگ کرنے والا اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

بچے کو چاہیئے کہ وہ کسی کو احساس تک نہ ہونے دے کہ وہ مذاق یا تمسخر کا بُرا منا رہا ہے اور آپ سیٹ ہو رہا ہے۔ بچے کو یہ احساس دلانا چاہیئے کہ اسے تنگ کرنے والا بیوقوف ہے، وہ کسی کو تنگ کر کے تسلی محسوس کرتا ہے، اس کا برا نہ منانا چاہیئے۔ اگر

بچہ کوئی ردِ عمل نہ دکھلائے گا تو تنگ کرنے والا خود شرمندہ ہو کر یہ حرکت چھوڑ دیگا۔

ایک اور طریقہ یہ بھی ہے کہ جب اسے کوئی تنگ کر رہا ہو تو وہ تنگ کرنے والے کی باتوں کو خوب مزے لیتے ہوئے خود بھی تمسخر میں شامل ہو جائے یا اس سے لاپرواہ ہو کر دوسری طرف دیکھنا شروع کر دے اور یوں ظاہر کرے کہ اس نے دیکھا ہی نہیں اور بالکل بے خبر بن جائے۔ اس طرح نشانہ بنانے والا خود باز آجائے گا۔

بچہ جتنا بھی زیادہ احساس کرے گا یا ایسی علامات ظاہر کریگا اور پریشان ہوگا تو دوسروں کو اور زیادہ موقع ملے گا اور وہ مزید تنگ کریں گے، بچے اس امر کے خواہش مند ہوتے ہیں کہ ایسی صورت حال میں ان کی مدد کی جائے۔ اس سلسلے میں ان کی تربیت ضروری ہے کہ ان کے اندر خود اعتمادی پیدا ہو تو پھر ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑا جا سکے گا۔ ستائے جانے والے بچوں کے لئے کچھ مفید آراء حسب ذیل ہیں:

فرض کریں اگر کوئی مذاق میں آپ سے کہتا ہے کہ ہم نے تمہیں بہت ہی ستایا ہے، اب اس کا جواب دو تو جواب میں یہ کہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے۔

مَنْ صَمَتَ نَجَا جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا تو میں خاموش رہا ہوں۔

آپ مذاق کرنے والے کی بات سنی اَن سنی کرتے ہوئے اس سے سوال کیجئے کہ تم اپنے سوال پر دوبارہ غور کر لو، کتنا غلط سوال ہے؟ اگر مذاق کرنے والا ایک ایسے بچے کا مذاق اُڑاتا ہے، جو ویل چیئر پر ہے تو وہ کہہ دے میں ویل چیئر پر ہی تو ہوں اس میں حرج بھی کیا ہے اگر تم بھی ایسے ہی ہو جاؤ تو بھلا بتاؤ کیا کرو گے؟ اس طرح وہ شرمندہ اور لاجواب ہو جائے گا۔

اسی طرح بچوں کو سکھایا جائے کہ "موضوع بدلنا" سیکھیں اور اس فن میں وہ مہارت پیدا کریں، یہ فن بہت ہی کارگر اور بے انتہا مفید ہے، یہ فن گویا اپنی حفاظت کے لئے قلعہ کی مانند ہے یا ڈھال کی مانند ہے۔ فرض کیجئے چار دوست مل کر عامر کا مذاق اُڑا رہے ہیں یا ایسے موضوع پر بات ہو رہی ہے، جس سے عامر خوش نہیں ہے،

یا چار اساتذہ بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک غیبت کر رہا ہے تو اس وقت گناہ سے بچنے اور بچانے کیلئے یہ بہترین حربہ اور کامیاب ترین وسیلہ ہے کہ گفتگو کا موضوع بدل دیجئے۔

بہت ہی احسن طریقے سے عامر یہ کہہ دے مثلاً: سنا ہے اس سال حج کے لئے اتنے لوگ جائیں گے۔ اسلم کیا آپ کے رشتہ داروں میں سے کوئی جا رہا ہے؟ یا، سنا ہے کہ موٹر سائیکل بہت مہنگی ہوگئی ہے، یا کل ۴۳ ڈگری درجہ حرارت تھا۔ کیا آج آپ نے چائے کی دعوت کی ہے۔ یار سعد تم گذشتہ امتحان میں کس گریڈ میں پاس ہوئے تھے وغیرہ اب آپ نے یہ بات بدلی تو فوراً ایک ساتھی تبصرہ کرے گا یار میرے چاچا جا رہے ہیں حج کے لئے، پھر دوسرا کچھ اور کہے گا اور بات کا رُخ کہیں اور مڑ جائے گا، اور اس مجلس میں ہونے والے گناہ سے آپ کی جان چھوٹ جائے گی۔

دوسرا یہ کہ ایسے بچے میں ہمت، جرأت اور بہادری پیدا کی جائے کہ بیٹا! ان بیوقوفوں کی بات سے اثر نہیں لینا چاہئے۔ اگر انہوں نے تمہیں کسی ایک بات پر عار دلائی ہے تو دوسری بہت سی باتیں تمہارے اندر فضیلت کی بھی تو ہیں، اس پر غور کر کے اپنا حوصلہ بلند رکھو۔

استاذ کو چاہئے کہ اس طرح بچوں کے اندر حوصلہ پیدا کرے، اس لئے کہ سنت سے یہی ثابت ہے۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو وہ رو رہی تھیں پوچھا کیوں رو رہی ہو؟

عرض کیا حفصہ نے میرے بارے میں یہ کہا ہے کہ میں یہودی کی بیٹی ہوں (ان کے والد یہودی تھے) اب وہ یہ بات سن کر رونے لگیں۔ لیکن قربان جائیے نبی اکرم ﷺ پر، ایسی تسلی دی کہ وہ اپنا غم بھول گئیں۔

فرمایا:

"إِنَّكِ لَابْنَةُ نَبِيٍّ، وَإِنَّ عَمَّكِ لَنَبِيٌّ، وَإِنَّكِ لَتَحْتَ نَبِيٍّ،

فَفِيمَ تَفْخَرُ عَلَيْكِ." [1]

ترجمہ: "(تم ان کے کہنے کا غم نہ کرو) حقیقت تو یہ ہے کہ تم نبی کی بیٹی ہو تمہارے چاچا بھی نبی تھے اور اب تم ایک نبی کی (یعنی میری) بیوی ہو۔"

(چوں کہ حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نسب حضرت ہارون علیہ السلام سے ملتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کے بھائی تھے تو باپ یعنی جد اعلیٰ نبی ہوئے اور چاچا بھی نبی ہوئے، اب فی الحال خاتم الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی ہو، اتنی چیزیں فضیلت کی جمع ہوگئیں)۔

اب (حضرت) حفصہ! کس بات پر تم سے فخر کرتی ہے؟ اس طرح اس تنقیص وتحقیر کا ازالہ ہوگیا، جو حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے محسوس کیا تھا۔

پھر دوسری طرف آپ ﷺ نے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو سمجھایا "اِتَّقِي اللّٰهَ يَا حَفْصَةُ!" [2] "اے حفصہ! تمہیں اللہ سے ڈرنا چاہئے۔"

یعنی صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی مخالفت یا عداوت کے جذبے سے تمہیں ایسی باتیں زبان سے نہیں نکالنی چاہئیں، جو زمانہ جاہلیت کی یادگار ہیں اور جن کو اللہ تعالیٰ کسی حالت میں پسند نہیں کرتا۔

لہٰذا استاذ، دونوں بچوں کو اس طرح سمجھائے۔ اسی طرح ستانے والے بچوں کو خوف دلانا چاہئے کہ ایسے بچوں کی دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پکڑ ہو جاتی ہے۔ بعض بچے جو دوسرے بچوں کو توتلے پن یا لنگڑے پن پر ستاتے تھے۔ بعد میں ان کی بددعا سے اللہ تعالیٰ نے ان کو بھی توتلا بنا دیا یا حادثے سے لنگڑا بنا دیا۔

اس لئے مکافاتِ عمل کے قانون کی اہمیت بتلانی چاہئے اور ان آیات کی بھی

[1] ترمذی، ابواب المناقب، باب فضل ازواج النبی، رقم: ۳۸۹۴
[2] ترمذی، ابواب المناقب، باب فضل ازواج النبی رقم: ۳۸۹۴

تفسیر بتلانی چاہیے۔

﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝﴾[1]

تَرجَمَۂ: ”پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا، اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا۔“

اسی طرح مسلمان بھائی، بہن کی محبت اور ان کو راحت پہنچانے کے فوائد بتلانے چاہیے کہ ہم دوسرے بچوں کے لئے راحت کا سبب بنیں، نہ کہ ان کو تکلیف دینے کا۔

اسی طرح ستانے والے بچوں کو بتلانا چاہیے کہ یہ اتنا برا فعل ہے کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہ خالق و مالک پر اعتراض ہوتا ہے۔ یہ بچے کا قصور نہیں ہے اگر وہ پیدائشی طور پر معذور ہے یا بھولا پن ہے یا کوئی بھی عیب اس میں ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ تامہ کی بنا پر اس کو ایسا ہی پیدا کیا ہے، آپ اور ہم سب کے لئے امتحان ہے کہ ہم اس پر شکر کریں کہ ہمیں ایسا نہیں بنایا۔

اور دوسری ہم پر یہ ذمہ داری ہے کہ ہم اس کی مدد کریں، اگر یہ بچہ پہلی مرتبہ میں یا جلدی سبق نہیں سمجھتا تو جماعت کے دوسرے لڑکے اس کو سمجھائیں، اس کو یاد نہیں ہوتا تو جتنا یاد ہوجائے، اسی پر استاذ صبر کرکے اس کی حوصلہ افزائی کرے۔

اسی طرح جو بچے ستانے سے متاثر ہوجاتے ہیں، ان کو کہیں کہ ”قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ“ اور ”قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ“ پڑھ کر پانی پر دم کرکے پی لیا کریں۔

اور ”بِسْمِ اللّٰهِ الَّذِيْ لَا يَضُرُّ مَعَ اسْمِهٖ شَيْئٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ.“[2]

---

[1] سورۃ الزلزال: آیت ۷، ۸

[2] ترمذي، كتاب الدعوات، باب ماجاء في الدعاء اذا اصبح واذا امسى: ۱۷۶/۲

صبح وشام والی دعا تین مرتبہ مانگ لیا کریں۔

اسی طرح بعض شرارتی بچے پان، گٹکا، چھالیہ وغیرہ بری چیزوں کے کھانے کے عادی ہوتے ہیں اور بعض بھولے بچے ان کی دوستی میں پھنس جاتے ہیں اور وہ بھی ان برائیوں کے عادی ہوجاتے ہیں تو استاذ کو چاہیے کہ ایسے بچوں پر کڑی نگرانی رکھیں کہ وہ ان گندی اور بری عادتوں سے باز آجائیں اور اس کی بھی پوری کوشش کرنی چاہیے کہ یہ بری عادت دوسرے بچوں میں نہ پھیلے۔

اساتذہ کرام کی طرف سے طلبہ کو گیارہ نصیحتیں

اگر اساتذہ کرام طلبہ، طالبات اور معلّمات کو مندرجہ ذیل گیارہ نصیحتیں فرمایا کریں تو ان شاء اللہ اس سے بہتر ثمرہ مرتب ہوگا۔

حضرت انس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ مجھے نبی کریم ﷺ نے پانچ باتوں کی وصیت کی ہے، فرمایا:

1. اے انس! کامل وضو کرو تمہاری عمر بڑھے گی۔
2. جو میرا امتی ملے، سلام کرو نیکیاں بڑھیں گی۔
3. گھر میں سلام کرکے جایا کرو، گھر کی خیریت بڑھے گی۔
4. چاشت کی نماز پڑھتے رہو، تم سے اگلے لوگ جو اللہ والے بن گئے تھے ان کا یہی طریقہ تھا۔
5. اے انس! چھوٹوں پر رحم کر، بڑوں کی عزت وتوقیر کر تو قیامت کے دن میرا ساتھی ہوگا۔[1]

حضور ﷺ نے فرمایا سنو! ابوبکر! تین چیزیں بالکل برحق ہیں۔

1. جس پر کوئی ظلم کیا جائے اور وہ اس سے چشم پوشی کرے تو ضرور اللہ تعالیٰ اسے

---

[1] كنز العمال، الثامن، كتاب المواعظ: ۳۸۳/۱۵، رقم الحديث ٤٣٥٦٤

عزت دے گا اور اس کی مدد کرے گا۔

۲ جو شخص سلوک اور احسان کا دروازہ کھولے گا اور صلہ رحمی کے ارادے سے لوگوں کو دیتا رہے گا اللہ تعالیٰ اسے برکت دے گا اور زیادتی عطا فرمائے گا۔

۳ اور جو شخص بڑھانے کے لئے سوال کا دروازہ کھول لے گا اس سے مانگتا پھرے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہاں بے برکتی کر دے گا اور کمی میں ہی وہ مبتلا رکھے گا۔[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: مجھ سے میرے والد نے فرمایا: اے میرے بیٹے! میں دیکھ رہا ہوں کہ امیر المؤمنین (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ) تمہیں بلاتے ہیں اور تمہیں اپنے قریب بٹھاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ تم سے بھی مشورہ لیتے ہیں، لہٰذا تم میری تین باتیں یاد رکھنا۔

۱ اللہ سے ڈرتے رہنا، کبھی ان کے تجربہ میں یہ بات نہ آئے کہ تم نے جھوٹ بولا ہے یعنی کبھی ان کے سامنے جھوٹ نہ بولنا۔

۲ ان کا کوئی راز فاش نہ کرنا۔

۳ کبھی ان کے پاس کسی کی غیبت نہ کرنا۔

حضرت عامر کہتے ہیں: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا: ان تین باتوں میں سے ہر بات ایک ہزار (درہم) سے بہتر ہے، انہوں نے فرمایا: نہیں، ان میں سے ہر ایک دس ہزار (درہم) سے بہتر ہے۔[2]

اساتذہ کرام کو چاہئے کہ وقتاً فوقتاً طلباء کو نصیحتیں کرتے رہیں، لیکن ایک خاص نصیحت، ہم یہاں ذکر کرتے ہیں جس کا اہتمام ضروری ہے۔

---

[1] مسند احمد: ۲/۴۳٦ بروایت ابی هریرہ

[2] مجمع الزوائد، کتاب الوصایا، باب وصیة العباس: ۴/۲۸۵، رقم: ۷۱۲۸

مسلسل سیکھنے کا عمل

افراد اور طلبہ کی تربیت کے حوالے سے ایک اہم اصول یہ ہے کہ ہر کام سیکھنے سے آسکتا ہے۔ دنیا میں کوئی بھی کام ایسا نہیں ہے کہ جو آدمی محنت اور کوشش کر کے نہ سیکھ سکتا ہو۔ اگر کسی کو بولنا نہیں آتا تو بولنا آسکتا ہے۔ اگر لکھنا نہیں آتا تو لکھنا آسکتا ہے۔ اگر آفس چلانا نہیں آتا تو آفس چلانا آسکتا ہے، اگر دین کی دعوت دینا نہیں آتی تو سیکھ کر یہ عمل آسکتا ہے۔ اگر لیڈرشپ یا قیادت کی صلاحیت نہیں ہے تو پیدا کی جاسکتی ہے۔

اگر ایسا ممکن نہ ہوتا تو دنیا کی بڑی بڑی ارب پتی کمپنیوں کو تربیت یافتہ افراد کہاں سے ملتے، مختلف افراد کو مدارس، جامعات، یونیورسٹیوں میں رکھا جاتا ہے، تربیت کی جاتی ہے اور یہی معمولی انسان بڑے بڑے کاروبار کامیابی سے چلا کر دکھاتے ہیں۔ اس لئے یہ بات صحیح نہیں ہے کہ قیادت کا فن سیکھا نہیں جاسکتا۔ البتہ سیکھ وہی سکتا ہے جو سیکھنے کی کوشش کرے۔ کوئی دوسرا فرد کچھ گھول کے پلا کر کسی دوسرے کے اندر کوئی صلاحیت پیدا نہیں کرسکتا۔

یہی بات سمجھنے اور شاگردوں کو سمجھانے کی ضرورت ہے کہ کسی قسم کا مطالعہ، لٹریچر یا تربیت گاہیں، اس وقت تک کارگر نہیں ہوسکتیں، جب تک کہ آپ وہ نہ بننا چاہیں جو کہ آپ بننا چاہتے ہیں۔ اس عمل کو "سیکھنے کا عمل" یا عربی میں طلبِ صادق کہا جاتا ہے۔ اگر سیکھنے کا عمل مسلسل جاری رہے تو انسان سیکھ سکتا ہے اور اگر یہ عمل جاری نہ رہے تو نہیں سیکھ سکتا۔ محض تقریروں یا تربیت گاہوں سے انسان نہیں سیکھتا بلکہ اپنے عمل اور ارادے سے سیکھتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ استاذ یہ عزم کرلے کہ کوئی کام ایسا نہیں ہے جو ناممکن ہے اور اپنے ہر ساتھی کے اندر یہ سوچ پیدا کرے کہ جو کام کرنا ضروری ہے وہ

کیا جاسکتا ہے، جو آدمی اپنے اوپر اعتماد سے محروم ہو یا اپنے اوپر بد اعتمادی کرے، وہ دراصل یقین کی کمزوری میں مبتلا ہے۔

اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جس نے انسان کو پیدا کیا ہے جو کام لینا اس کے پیشِ نظر ہے اور جو آزمائش اس کی مقصود ہے، اس نے اس کے لئے انسان کو مطلوبہ صلاحیتیں ہی عطا نہ کی ہوں، ایسا نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ یہ "اَلعیاذُ باللّٰہ" اس کی طرف سے ناانصافی ہوگی۔ جب اللہ تعالیٰ پر یہ یقین اور توکل ہے کہ وہ زیادتی نہیں کرسکتا تو پھر اپنے اوپر بھی یہ اعتماد اور یقین ہونا چاہیئے کہ مجھے جو کچھ دیا گیا ہے۔

وہ میرے امتحان کے لئے ہے اور اسے امتحان کے لئے کافی ہونا چاہیئے۔ کم چیز دے کر امتحان لینا، یہ اللہ تعالیٰ کے عدل وانصاف اور رحمت کی روش سے بعید ہے۔ اس لئے اپنے آپ کو اور اپنے شاگردوں اور ساتھیوں کو یہ اعتماد دینا چاہیئے کہ ہم جو کام کرنا چاہیں وہ کرسکتے ہیں اور سیکھ سکتے ہیں، بشرطیکہ ہم اس کے لئے لگ کر کوشش کریں خواہ وہ تقریر کرنا ہو...... درس دینا ہو...... تربیت کرنا ہو...... یا مؤثر انداز میں ادارے چلانا...... اور دیگر اہداف کا حصول ہو کوشش ہی اصل چیز ہے۔ اس طرح جو بڑے بڑے کام مشکل نظر آتے ہیں نتیجۃً وہ آسان ہوجاتے ہیں۔

مثلاً آپ اپنی رائٹنگ اچھی کرنا چاہیں تو آپ ضرور کرسکتے ہیں، آپ اچھی عربی/انگریزی میں ماہر بننا چاہیں تو بن سکتے ہیں۔

آپ سچی طلب پیدا کریں تو آپ بھی کسی فن کے ماہر بن سکتے ہیں، اسی طرح استاذ حضرت حکیم الامت رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کی یہ تین نصائح بھی طلبہ کو یاد کرائیں۔

۱ سبق سے پہلے مطالعہ کرے۔

۲ سبق سمجھ کر پڑھے، بغیر سمجھے آگے نہ چلے۔

۳ سبق پڑھنے کے بعد ایک بار طالب علم اس کی تقریر کرلے، خواہ تنہا یا دو تین ساتھیوں کے ساتھ مل کر تکرار کرلے کہ اس سے زیادہ محنت کی ضرورت نہیں کیوں کہ

زیادہ محنت کا انجام اچھا نہیں ہوتا۔[1]

نالائق بچوں کو کس طرح لائق بنایا جائے؟

اگر ہم اساتذہ کی جماعت اس بات کی ذمہ داری محسوس کرے کہ نالائق بچوں پر توجہ دینا، ان کی فکر رکھنا، ان سے مایوس نہ ہونا یہ ہماری ذمہ داری ہے تو ان شاء اللہ تعالیٰ ان کو لائق بنایا جاسکتا ہے، لائق بچے تو ویسے بھی لائق ہیں، ہم جس جگہ بیٹھے ہیں ایک معلّم مدرس ہونے کی حیثیت سے تو وہ یہی حیثیت ہے کہ ہم نالائقوں کو لائق بنائیں، ان کے والدین نے ہمارے ادارے میں ان کو بھیجا ہی اصلاح کے لئے ہے اگر ہم اصلاح کی حقیقی معنوں میں سرے سے کوشش ہی نہ کریں تو ہم خائن ہونے کے ساتھ ساتھ مجرم بھی ہیں۔

لہٰذا ان دونوں گناہوں سے بچنے کے لئے ان امور پر توجہ دینی چاہیئے۔

۱ ہم سچی نیت کریں کہ ایسے بچوں کی اصلاح پر ہم ضرور توجہ دیں گے، جب ہم نے سچا اور حقیقی معنوں میں ارادہ کرلیا کہ مجھے ان نالائق اور کمزور بچوں پر محنت کرکے ان کو اچھے بچوں کی فہرست میں شامل کرنا ہے تو اللہ تعالیٰ ہماری رہبری فرمائیں گے۔

۲ ہم ایسے بچوں کا نام لے کر فرض نمازوں کے بعد دعا کریں کہ اے اللہ! ان کی اصلاح فرمادے، ان کو اپنے دین کی خدمت کے لئے قبول فرمالے، ان کو اپنے ماں باپ اور اساتذہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنا۔ رو رو کر دعائیں مانگنے اور بار بار مانگنے سے آپ دیکھیں گے کہ وہ بچے جو معاشرے پر بوجھ بننے والے تھے، اسکول اور والدین کے لئے دردِ سر بنے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ ان کو بھی ہدایت عطا فرمادیگا

۳ جس کی عادت خراب ہوجائے، خواہ انسان ہو یا جانور اس کے کان میں بھی اذان دی جائے، حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

[1] التبلیغ: ۲۰۴/۱۵ بحوالہ استاذ اور شاگرد کے حقوق: صفحہ ۷۶

نے ارشاد فرمایا کہ:

"مَنْ سَاءَ خُلُقُهُ مِنْ إِنْسَانٍ أَوْ دَابَّةٍ فَأَذِّنُوْا فِيْ أُذُنِهِ"

ترجمہ: "جو بد اخلاق ہوجائے، خواہ انسان ہو یا چوپایہ، اس کے کان میں اذان دو۔"[1]

لہٰذا اگر کوئی بچہ حد سے زیادہ تنگ کرے، نالائق ہونے کے ساتھ بے ادب اور شرارتی بھی ہو تو اس کے کان میں اذان دلوانا چاہیے۔

اسی طرح نالائق شریر بے ادب بچوں کے لئے حدیثِ نبوی سے دو علاج اور لکھے جاتے ہیں، ان شاء اللہ تعالیٰ ان دو تدبیروں پر عمل کرنے سے شیطانی اثرات سے محفوظ رہیں گے۔

(۲) سونے سے پہلے وضو کرلیں، پھر "آیت الکرسی" پڑھ لیں اور اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے کرتے سو جائیں۔

حدیث میں آتا ہے کہ شیطان نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا تھا: "جو شخص سونے سے پہلے آیت الکرسی پڑھ لیتا ہے، صبح ہونے تک ایک فرشتہ اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے اور شیطان اس کے قریب نہیں آسکتا۔"

یہ بات جب ابوہریرہ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی تو آپ نے فرمایا: "اس نے سچ کہا ہے حالاں کہ وہ جھوٹا ہے۔"[2]

ہر طالب علم کو یہ نصیحت کی جائے کہ بے وضو نہ سوئے، ہمیشہ وضو کر کے سوئے، خصوصاً تنگ کرنے والے طلبہ اور ان کے والدین کو نصیحت کی جائے کہ باوضو سلایا کریں، سوتے وقت بچوں کو یاد دلادیں کہ وضو کر کے دانت صاف کر کے سو جائیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ: ۱۴۹/۲ بحوالہ بکھرے موتی: صفحہ ۳۵

[2] بخاری، کتاب الوکالۃ، باب اذا وکل رجلاً، رقم: ۲۳۱۱

نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ بَاتَ طَاهِرًا بَاتَ فِيْ شِعَارِهِ مَلَكٌ، فَلَمْ يَسْتَيْقِظْ إِلَّا قَالَ الْمَلَكُ: "اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِعَبْدِكَ فُلَانًا فَإِنَّهُ بَاتَ طَاهِرًا"."[1]

ترجمہ: "جو شخص حالت طہارت میں سوئے تو اس کے ہمراہ ایک فرشتہ ہوتا ہے، جب بھی وہ بیدار ہوتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے: "اے اللہ! اپنے فلاں بندے کو معاف فرما" یقیناً وہ طہارت کی حالت میں سویا تھا۔"

امام ابن حبان رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں اس حدیث پر یہ عنوان قائم کیا ہے۔

"ذِكْرُ اسْتِغْفَارِ الْمَلَكِ لِلْبَائِتِ مُتَطَهِّرًا عِنْدَ اسْتِيْقَاظِهِ."[2]

ترجمہ: "حالت طہارت میں سونے والے کے لئے بیدار ہونے پر فرشتے کا استغفار کرنا۔"

مذکورہ بالا حدیث سے حالت طہارت میں سونے والے شخص کے بارے میں دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:

(الف) ایک فرشتہ اس کے ساتھ رات بسر کرتا ہے۔ فرشتے کی صحبت کا میسر آنا کتنی عظیم الشان اور جلیل القدر نعمت ہے۔ حالتِ طہارت میں سونے کی، اس کے علاوہ اور کچھ فضیلت نہ ہو تو بھی اس عمل کی عظمت پر دلالت کرنے کے لئے یہی ایک بات کافی ہے۔

(ب) رات کو کروٹ بدلتے وقت اور بیدار ہونے پر، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ فرشتہ ایسے شخص کے لئے دعائے مغفرت کرتا ہے۔

حالتِ طہارت میں سونے کی صرف یہی فضیلت نہیں، ایک حدیث شریف

[1] الترغيب والترهيب، كتاب النوافل، الترغيب في ان ينام الانسان طاهراً: ۲۳۰/۱

[2] الإحسان بترتيب صحيح ابن حبان، كتاب الطهارة، باب في فضل الوضوء: ۱۵۰/۲

میں اس عمل کی ایک اور فضیلت، دعاؤں کی قبولیت بھی بیان کی گئی ہے۔

امام احمد اور امام ابوداود رحمہما اللہ تعالیٰ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَبِيتُ عَلَى ذِكْرٍ طَاهِرًا فَيَتَعَارُّ مِنَ اللَّيْلِ، فَيَسْأَلُ اللّٰهَ خَيْرًا مِنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ إِلَّا أَعْطَاهُ إِيَّاهُ"[1]

ترجمہ: "ذکر کرتے ہوئے حالت طہارت میں سونے والا، مسلمان رات کو بیدار ہونے پر دنیا وآخرت کی جو بھلائی اللہ تعالیٰ سے طلب کرتا ہے وہ اس کو عطا فرماتا ہے۔"

اس حدیث شریف سے ایک بات یہ بھی معلوم ہوتی ہے، کہ دعاؤں کی قبولیت کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ بندہ ذکر کرتے ہوئے حالت طہارت میں سوئے اور رات کو بیدار ہونے پر دعا کرے۔[2]

⑤ نمازِ فجر کے بعد یہ دعا سو مرتبہ پڑھیں "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔"

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں اسی کی سلطنت ہے اور اسی کی تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔"

اس دعا کے بارے میں حدیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جو شخص بھی یہ دعا سو مرتبہ صبح کے وقت پڑھ لیتا ہے ① اسے دس غلام آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے ② اس کے لئے سو نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں ③ اس سے سو برائیاں مٹا دی جاتی ہیں ④ اور شام ہونے تک وہ شیطان سے محفوظ رہتا ہے۔"[3]

[1] أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في النوم على طهارة: ٣٣١/٢

[2] بحوالہ "فرشتوں کا درود پانے والے": صفحہ ٢٧

[3] بخاري، كتاب الدعوات، باب فضل التهليل: ٩٤٧/٢

ہر طالب علم کو نصیحت کی جائے کہ فجر کی نماز کے بعد یہ دعا سو مرتبہ پڑھ لو، شام تک تمہاری شیطان سے حفاظت کردی جائے گی۔

لہٰذا نالائق بچوں کو لائق بنانے کے لئے اساتذہ و معلمات ان پانچ نصیحتوں پر عمل کریں ان شاء اللہ تعالیٰ چند دنوں میں واضح فرق محسوس کریں گے۔

اچھی کارکردگی پر انعام دینا بھی سنت ہے

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دیہاتی کے پاس سے گزرے وہ اپنی نماز میں دعا مانگ رہا تھا اور کہہ رہا تھا:

"يَا مَنْ لَا تَرَاهُ الْعُيُونُ وَلَا تُخَالِطُهُ الظُّنُونُ وَلَا يَصِفُهُ الْوَاصِفُونَ وَلَا تُغَيِّرُهُ الْحَوَادِثُ وَلَا يَخْشَى الدَّوَائِرَ يَعْلَمُ مَثَاقِيلَ الْجِبَالِ وَمَكَايِيلَ الْبِحَارِ وَعَدَدَ قَطْرِ الْأَمْطَارِ وَعَدَدَ وَرَقِ الْأَشْجَارِ وَعَدَدَ مَا أَظْلَمَ عَلَيْهِ اللَّيْلُ وَأَشْرَقَ عَلَيْهِ النَّهَارُ وَلَا تُوَارِي مِنْهُ سَمَاءٌ سَمَاءً وَلَا أَرْضٌ أَرْضًا وَلَا بَحْرٌ مَا فِي قَعْرِهِ وَلَا جَبَلٌ مَا فِي وَعْرِهِ اجْعَلْ خَيْرَ عُمُرِي آخِرَهُ وَخَيْرَ عَمَلِي خَوَاتِيمَهُ وَخَيْرَ أَيَّامِي يَوْمَ أَلْقَاكَ فِيهِ"

ترجمہ: "اے وہ ذات! جس کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور کسی کا خیال وگمان اس تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ اوصاف بیان کرنے والے اس کے اوصاف بیان کر سکتے ہیں، اور نہ حوادث زمانہ اس پر اثر انداز ہو سکتے ہیں اور نہ اسے گردش زمانہ سے کوئی اندیشہ ہے، جو پہاڑوں کے وزن اور سمندروں کے پیمانے اور بارش کے قطروں کی تعداد اور درختوں کے پتوں کی تعداد کو جانتا ہے، اور ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جن پر رات کی تاریکی چھاتی ہے اور جن پر دن روشنی ڈالتا ہے، اور نہ اس سے ایک

آسمان دوسرے آسمان کو چھپا سکتا ہے اور نہ زمین دوسری زمین کو، اور نہ سمندر اس چیز کو چھپا سکتا ہے جو اس کی تہہ میں ہیں اور نہ کوئی پہاڑ ان چیزوں کو چھپا سکتا ہے جو اس کی سخت چٹانوں میں ہیں۔ تو میری عمر کے آخری حصے کو سب سے بہترین حصہ بنا دے، اور میرے آخری عمل کو سب سے بہترین عمل بنا دے، اور میرا بہترین دن وہ بنا جس دن میری تجھ سے ملاقات ہو۔"

آپ ﷺ نے ایک آدمی کے ذمہ لگایا کہ جب یہ دیہاتی نماز سے فار ہو جائے تو اسے میرے پاس لے آنا، چناں چہ وہ نماز کے بعد حضور ﷺ خدمت میں حاضر ہوا، حضور ﷺ کے پاس ایک جگہ سے کچھ سونا ہدیہ میں آیا تھا، حضور ﷺ نے اس کو وہ سونا ہدیہ میں دیا، پھر اس سے پوچھا کہ اے اعرا تم کون سے قبیلہ میں سے ہو؟

اس نے کہا: یا رسول اللہ! بنی عامر بن صعصعہ قبیلہ میں سے ہوں۔

حضور ﷺ نے فرمایا: "هَلْ تَدْرِي لِمَ وَهَبْتُ لَكَ الذَّهَبَ؟"

کیا تم جانتے ہو میں نے تم کو یہ سونا کیوں ہدیہ کیا ہے؟

اس نے کہا: یا رسول اللہ! "لِلرَّحِمِ" ہماری آپ کی رشتہ داری ہے اس و سے کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا رشتہ داری کا بھی حق ہوتا ہے۔

"وَلٰكِنْ وَهَبْتُ لَكَ الذَّهَبَ بِحُسْنِ ثَنَاءِكَ عَلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ"

لیکن میں نے تمہیں سونا اس وجہ سے ہدیہ کیا ہے کہ تم نے بہت عمدہ طریقہ سے ا کی ثنا بیان کی ہے۔[1]

لہٰذا ان نالائق بچوں کی پچانوے خرابیوں کو بھلا کر پانچ بھلائیوں پر انعام دی

[1] المعجم الاوسط للطبرانی، باب الیاء: ٦/٤٧٣، رقم: ٩٤٤٨ راوی یعقوب اسحاق

اور حوصلہ افزائی کرنے سے ایسے بچوں میں نمایاں تبدیلی آجاتی ہے۔ اسی سلسلہ کا ایک واقعہ جو ایک بہن اپنے نالائق بھائی کے بارے میں سنا رہی ہے آپ کی خدمت میں پیش ہے۔

صبح ہو جانے کے بعد امی جان کے ساتھ مل کر میں گھر کا سامان سمیٹنے میں مصروف تھی، جب کہ بھائی جان کی تمام تر توجہ اپنی کتابوں کی طرف تھی، وہ چھت پر رکھی ہوئی کتابیں ایک ترتیب سے لا کر اپنے کمرے میں بنی ہوئی خوبصورت الماریوں میں رکھ رہے تھے، بھائی جان کے کمرے کو لائبریری کہا جائے تو مناسب ہوگا، ان کے پاس ڈیڑھ ہزار کے قریب کتابیں تھیں۔ میں نے جب سے سمجھ بوجھ کی سیڑھی پر قدم رکھا تھا، بھائی جان کے اردگرد کتابوں کا انبار ہی دیکھا تھا، انہیں کتابوں سے جنون کی حد تک لگاؤ تھا، انہیں یوں تو اپنی سبھی کتابوں سے پیار تھا، مگر سبز رنگ کی جلد والی کتاب تو گویا ان کی جان تھی، وہ اس کتاب کو نمایاں جگہ دیتے، پہلے تو میں نے اس جانب توجہ نہ دی، مگر جب بھائی جان کو اس کتاب کی وجہ سے کئی مواقع پر جذباتی ہوتے ہوئے دیکھا، تو ایک دن ان سے پوچھ ہی لیا۔

"آپ کو اس کتاب سے اس قدر محبت کیوں ہے؟"

"اس کتاب نے میری زندگی بدل دی ہے" بھائی جان بولے۔

"وہ کس طرح؟" میں نے پوچھا۔

"یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں اسکول میں ساتویں جماعت میں پڑھتا تھا، میرا شمار جماعت کے نالائق ترین طلباء میں ہوتا تھا، ہمارے کلاس ٹیچر عبدالخالق صاحب تھے، انھوں نے ہمارے نالائق گروپ کے لئے ایک پلان بنایا۔"

"وہ پلان کیا تھا؟" میں درمیان میں بولی، وہ پلان یہ تھا "انہوں نے ہمارے گروپ کو ایک دن علیحدہ بلا کر کہا: تم میں سے جو پرسوں تک جماعت میں دیا گیا کام مکمل کر کے لائے گا، اسے میں ایک خوبصورت انعام دوں گا۔" کلاس ٹیچر کی اس

انعامی اسکیم سے فائدہ اُٹھانے کے لیئے میں نے تھوڑی سی توجہ اور محنت کے بعد، اپنے نالائق گروپ میں سب سے پہلے کام مکمل کرلیا۔ میں نے مقررہ دن جب اپنی کاپیاں عبدالخالق صاحب کے سامنے رکھیں تو انہوں نے پوچھا۔

''کیا سارا کام مکمل ہے؟'' جی اُستاذ صاحب! سارا کام مکمل ہے۔

''بہت خوب..... شاباش.....'' یہ کہہ کر انہوں نے کاپیاں اپنے پاس رکھ لیں۔ تیسرے پیریڈ میں وہ کلاس میں آئے تو ان کے ہاتھ میں ایک خوبصورت پیکٹ تھا۔ ریاضی پڑھانے کے بعد انہوں نے طلبہ کو مخاطب کیا۔

''عزیز طلبہ! ابھی تھوڑی دیر بعد میں یہ خوبصورت انعام ایک ایسے طالب علم کو دونگا، جس کے بارے میں تمام اساتذہ کا خیال ہے کہ وہ جماعت کے نالائق ترین طلبہ میں شمار ہوتا ہے، مگر میرا خیال یکسر مختلف ہے۔ اس نے تھوڑی سی توجہ سے یہ ثابت کردیا ہے کہ وہ لاپرواہ تو ہے نالائق نہیں..... میرا خیال ہے آپ جان چکے ہوں گے..... میں انعام دینے والا ہوں..... جاوید اختر کو......'' وہ میری زندگی کا یادگار لمحہ تھا، جب سب طلبہ نے مَاشَاءَ اللّٰہ اور اَلْحَمْدُلِلّٰہ کی آواز بلند کی اور ساری درس گاہ ان کی آواز سے گونج اٹھی اور مجھے انعام ملا تھا۔ اس دن خوبصورت پیکٹ میں لپٹا ہوا جو انعام ملا تھا وہ یہ کتاب ہی تھی، میں نے اس کتاب کے اقوال پوری توجہ سے پڑھے، اس کتاب نے میری کایا پلٹ دی۔ میرے نالائق گروپ کے لڑکے تو اپنی جگہ رہے، مگر میں اچھے طلبہ کے گروپ میں آگیا، میرے استاذ کا ایک انعام مجھے اندھیرے سے اُجالے میں لے آیا تھا، عبدالخالق صاحب میری آئیڈیل شخصیت بن گئے، میں نے تب ہی فیصلہ کرلیا تھا کہ تعلیم مکمل کر کے استاذ بنوں گا۔ میرا یہ خواب پورا ہوا۔

ساری بات جان کر میں نے دائیں طرف کی شیشوں والی الماری میں دیکھا تو سبز جلد والی کتاب سب سے نمایاں تھی، بھائی جان شہر سے باہر جاتے تو کتابوں کی

حفاظت کا ذمہ مجھ پر ہوتا، وہ جب بھی رخصت ہونے لگتے یہی کہتے کتابوں کی حفاظت کے ساتھ ساتھ انہیں پڑھنا بھی..... ہوسکے تو عمل بھی کرنا..... میں مسکرا کر کہتی بھائی جان کوشش کروں گی، میرے جواب پر وہ چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ سجا کر گھر سے رخصت ہوجاتے۔

اسی طرح وہ ایک مرتبہ برسات کے دنوں میں ایک تعلیمی ورکشاپ میں شرکت کرنے اسلام آباد گئے ہوئے تھے۔ برسات کا موسم تو تھا، مگر دریاؤں میں پانی خطرے کے نشان تک نہیں پہنچا تھا، لوگوں کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ اچانک سیلاب آجائے گا۔

ہوا یوں کہ شدید بارشوں کی وجہ سے بھارت نے بغیر اطلاع کے پانی کا شدید ریلا دریائے راوی میں چھوڑ دیا، اب لاہور شہر کو بچانے کے لئے شاہدرہ کی جانب کا حفاظتی بند توڑنے کے سوا کوئی راستہ نہ تھا، سب لوگ اچانک سیلاب آنے سے بوکھلا گئے، رات دو بجے کا وقت تھا، میں امی ابو کے ساتھ خوردونوش کی ضروری اشیاء کو چھت پر پہنچا رہی تھی۔ اب بھائی جان کی کتابوں کی ذمہ داری بھی میرے کندھوں پر تھی، سیلاب کا پانی تیزی سے گھر میں داخل ہو رہا تھا، میں سبز جلد والی کتاب کو حفاظت سے چھت تک لے گئی تھی، مواصلاتی نظام سیلاب کی وجہ سے درہم برہم ہوگیا۔ تین دن بعد جب پانی اُترا تو بھائی جان گھر لوٹے، انہوں نے گھر والوں کی خیریت دریافت کرنے کے بعد پہلا سوال سبز جلد والی کتاب کے بارے میں کیا۔

''بھائی جان! کتاب بالکل محفوظ ہے مگر افسوس! وقت کم ہونے کی وجہ سے میں آپ کی دیگر کتابوں کو نہ بچاسکی'' ''کوئی بات نہیں..... اور کتابیں تو بازار سے خرید لوں گا مگر اپنے استاذ کا دیا ہوا انعام میں کہاں سے لاتا... شاباش..... تم نے اپنی ذمہ داری خوب نباہ لی ہے'' بھائی جان نے مجھے تھپکی دی۔

سیلاب کے بعد عزیز واقارب ہماری خیریت معلوم کرنے آئے، ان میں بھائی

جان کے محبوب استاذ عبدالخالق صاحب بھی تھے، وہ بیماری کی وجہ سے لاٹھی کے سہارے چل کر آئے تھے، ان کا چہرہ پرنور تھا، انہوں نے صحن میں رکھے ہو الیکٹرانکس کے سامان، مسہری، بستر اور گیلی کتابوں کو دیکھتے ہوئے کہا:

''جاوید بیٹا! خاصا نقصان ہوا ہے'' ''اُستاد جی! کچھ بھی نقصان نہیں ہوا'' ''مطلب؟'' استاذ جی نے پوچھا۔

اس کے جواب میں جاوید نے سبز جلد والی کتاب عبدالخالق صاحب کو دکھا ہوئے کہا: ''یہ کتاب بچ گئی ہے تو سب کچھ بچ گیا'' یہ سن کر عبدالخالق صاحب اپنے کانپتے ہاتھوں سے بھائی جان کو گلے لگاتے ہوئے کہا:

''خوش رہو بیٹا...اور ترقی کرو..... تمہارے جیسے سعادت مند طالب علم ہی استا کا سرمایہ اور اُستاذ کی موت کے بعد ان کے لئے صدقہ جاریہ ہوا کرتے ہیں۔ اللہ تمہیں خوش رکھے اور تم سے راضی ہوجائے۔''

بھائی جان کی پریشانی اس وقت بھی دیدنی تھی جب خالہ جان کے بچوں ان کی عدم موجودگی میں کتابوں کی الماری کا شیشہ توڑ دیا تھا، میں باورچی خا میں مصروف تھی اس لئے بچے بلا خوف وخطر الماری سے کتابوں کو نکال نکال کر اِد اُدھر پھینکتے رہے، اس عمل سے کسی کتاب کی جلد خراب ہوگئی کسی کے اوراق بکھ گئے۔ مجھے جب اس کاروائی کی خبر ہوئی تو پانی سر سے گزر چکا تھا، کمرے میں طرف کتابیں ہی کتابیں تھیں، میں نے بچوں کو ڈانٹ ڈپٹ کر کے کمرے سے اور خود کتابوں کے اکھڑے ہوئے صفحات کو اکٹھا کرنے لگی۔

مجھے اس وقت حیرت کا شدید جھٹکا لگا جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ بھائی جان محبوب کتاب الماری سے غائب ہے، مجھے چاروں طرف خطرے کی گھنٹیاں ہوئی محسوس ہونے لگیں، کتاب کی تلاش شروع ہوئی، مگر بے فائدہ، اسی اثناء بھائی جان بھی آگئے۔ اپنی کتابوں کا حشر دیکھ کر وہ غصے میں آگئے، میں نے جب

کتاب کی گمشدگی کے بارے میں بتایا تو بے اختیار ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور مجھ سے کہا: جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا اس وقت تم کہاں تھیں؟

میں نے جواب دیا میں باورچی خانے میں کھانا پکارہی تھی، یہ سب میری وجہ سے ہوا ہے، تم ایسا مت سوچو.....آؤ کتاب تلاش کرتے ہیں۔ الماری کے پیچھے مسہری کے نیچے، پردوں کے پیچھے کتاب کو ڈھونڈا، مگر کتاب ملی تو ردی اخبارات کے ڈھیر میں سے..... کتاب کے ملتے ہی بھائی جان کا چہرہ کھل اُٹھا کتاب کو چوما اور سینے سے لگایا۔ ایک دن میں کالج جانے کی تیاری کر رہی تھی کہ فون کی گھنٹی بجی، میں نے ریسیور اٹھایا تو دوسری طرف سے کہا گیا: ''میں عبدالخالق صاحب کا بھانجا بول رہا ہوں، جاوید اختر صاحب کو ایک پیغام دیدیں۔''

''جی ....جی...فرمایئے! آج نماز فجر کے بعد عبدالخالق صاحب کا انتقال ہوگیا ہے۔'' ''اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، میں بھائی جان کو پیغام دیدوں گی'' یہ کہہ کر میں نے بجھے دل کے ساتھ ریسیور کو کریڈل پر رکھ دیا۔ تھوڑی دیر بعد میں نے بھائی جان کو ان کے محبوب استاذ کے انتقال کی اطلاع دی تو ان پر یک دم سکتہ طاری ہو گیا، ان کی آنکھیں پتھرا گئیں، میرے چیخنے چلانے پر امی ابو کے ساتھ ساتھ پڑوسی بھی آگئے۔ بھائی جان سب کو تکتے جارہے تھے۔ ''قمر صاحب کیا ہوا ہے؟''

حسن صاحب نے ابا جان سے پوچھا ''جاوید پر اپنے استاذ عبدالخالق کے انتقال کی اطلاع سن کر سکتہ طاری ہوگیا ہے۔''

''اچھا تو یہ بات ہے، جاوید کو رلاؤ...اس کو رونا چاہیئے ورنہ'' ''ورنہ کیا؟''... میں نے پوچھا۔

ورنہ کچھ بھی ہوسکتا ہے یہ سن کر میں رونے لگی۔

''ابا جان! بھائی جان کو ہسپتال لے چلیں....''

''اچھا بیٹا امی سے کہو صدقہ دیدیں، اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے:

صدقے سے اللہ تعالیٰ کا غضب دور ہوتا ہے[1] بلا دور ہوتی ہے اور حدیث میں حکم ہے کہ اپنے بیماروں کا علاج صدقہ سے کیا کرو.....''[2] ابا جان بولے۔

ہم روتے پیٹتے بھائی جان کو لے کر ہسپتال پہنچے۔ ڈاکٹر نے تسلی دی کہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ ڈاکٹر کے لگائے ہوئے انجکشن کا اثر تھا کہ بھائی جان دوپہر تک بے سدھ سوئے رہے۔ جب انجکشن کا اثر زائل ہوا تو بھائی جان پھر سب کو تکنے لگے۔ سب نے انہیں رلانے کی کوشش کی، مگر ان کی آنکھوں میں آنسو نہ آئے۔ شام کے وقت عبدالخالق صاحب کے بھانجے نے آکر بتایا کہ ماموں جان کو ظہر کے بعد سپردِ خاک کر دیا گیا تھا۔ اس نے بھی بھائی جان کو عبدالخالق صاحب کے واقعات سنا کر رلانے کی کوشش کی مگر بے فائدہ، رات تک ڈاکٹر صاحب کے لہجے میں بھی فکر کی جھلک دکھائی دینے لگی۔

انہوں نے مشورہ دیا کہ بھائی جان کے اسکول کے کسی دوست کو بلایا جائے، جو انہیں عبدالخالق صاحب کے ساتھ گزرے ہوئے وقت کی باتیں یاد دلائے، ہو سکتا ہے اس طرح وہ رو دیں۔ ابا جان کی کوششوں کے بعد بھائی جان کے اسکول کا ایک دوست رات کے گیارہ بجے ہسپتال آگیا۔ وہ بھی بھائی جان کو رلانے میں ناکام رہا۔ میں بار بار دو، دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا کر دعائیں مانگ رہی تھی۔

''اللہ میاں ہمیں اس مشکل سے نجات دے.....اللہ میاں ایسا کوئی راستہ دکھا دے جس سے بھائی جان کی زندگی بچ جائے.....اللہ میاں تو مشکلات آسان کرنے والا ہمارا واحد سہارا ہے۔''

اس لمحے میرے ذہن میں ایک خیال پیدا ہوا۔ وارڈ کی گھڑی رات کا ایک بجا

[1] ترمذی، أبواب الزکوٰة، باب ماجاء في فضل الصدقة: ۱/۱۴۴

[2] شعب الایمان للبیہقی: ۵/۱۸۴، رقم: ۳۲۷۸

رہی تھی۔

''ابا جان میرے ساتھ گھر چلیں ....''

''اس وقت.....مگر کیوں؟'' ابا جان نے پوچھا۔

''میں گھر سے کچھ لانا چاہتی ہوں.....'' ابا جان نے مزید سوال نہ کیا اور میرے ساتھ گھر چل پڑے۔ ایک گھنٹے بعد میں ابا جان کے ساتھ ہسپتال پہنچ چکی تھی۔ بھائی جان تکیے سے ٹیک لگائے وارڈ کی چھت کو گھور رہے تھے، جب کہ امی جان لکڑی کے چھوٹے سے بنچ پر بیٹھی مستقل گڑگڑا کر دعائیں کر رہی تھیں۔

''بھائی جان! آج میں آپ کی ایک محبوب چیز کو آپ کی آنکھوں کے سامنے ختم کروں گی۔'' میری اس بات کا بھائی جان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ میں نے ایک خاکی لفافے سے سبز جلد والی کتاب نکالی۔ بھائی جان کی آنکھوں کی پتلیوں نے کچھ حرکت کی۔ میں نے پہلا صفحہ پڑھا تو اس پر لکھا تھا۔

خصوصی انعام.........

جماعت ہفتم کے طالب علم جاوید اختر کے لئے.........

میں نے پہلا صفحہ کھول کر بھائی جان کے سامنے رکھ دیا۔ انہوں نے اس وقت تو کسی ردِ عمل کا اظہار نہ کیا، مگر جب میں نے پہلا صفحہ بیدردی سے پھاڑا، تو وہ چیخ اُٹھے۔

''اسے مت پھاڑو.....یہ میرے استاذ کا دیا ہوا انعام ہے ...اسے مت پھاڑو.....اب یہی میرے پاس استاذ کی آخری نشانی ہے.....اسے مت پھاڑو'' یہ کہتے کہتے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ان کی چیخ وپکار سے آس پاس کے مریض بھی بڑبڑا کر اٹھ بیٹھے۔ بھائی جان کی آنکھوں میں آئے آنسو دیکھ کر ہماری آنکھوں میں بھی خوشی کے آنسو آ گئے۔ میں بھائی جان کو رلانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ سبز جلد والی کتاب نے انہیں دوسری بار نئی زندگی دی تھی۔ ان کو نالائق طالب علموں کے

گروپ سے نکالنے والی بھی یہی کتاب تھی، اور اب زندگی اور موت کی کشمکش سے نجات دلا کر نئی زندگی کی نوید دینے والی بھی یہی کتاب تھی۔" نالائق بچوں کو لائق بنانے کے لئے صرف "نا" ہٹانا پڑیگا۔

ہمارے دوست مفتی عاصم ذکی صاحب جو آج کل ماشاء اللہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی شوریٰ کے ممبر، اور مکتبہ غفوریہ عاصمیہ کے ذمہ دار ہیں۔فرماتے ہیں:

ایک بچہ کسی سے پڑھ کر نہیں دے رہا تھا، ایک اُستاد نے کہا: اسے میرے پاس بھیج دو، بچہ جب آیا تو ایک دو دن اس کا اکرام کیا۔ معلوم ہوا کبوتر کا بہت شوقین ہے، اس استاذ نے ایک دڑبا بنوایا اور اس میں 30 کبوتر رکھے اور بچے سے کہا: آؤ ہم کھیلتے ہیں پھر کہا: کیا خیال ہے ان کے نام رکھ لیتے ہیں، پہلے خانے کے کبوتر کا نام نمبر ایک، دوسرے کا نام نمبر دو، اس طرح 30 تک گنتی سکھادی۔

پھر کہا: اب نام بدلتے ہیں پہلے کا نام A دوسرے کا نام B تیسرے کا نام C اس طرح اے بی سی سکھا دی، اس طرح نہ پڑھنے والے کو بھی کوشش کر کے اَلْحَمْدُلِلّٰہ پڑھنے والا بنا دیا۔

ایک ہی بات ہے، ایک ہی خبر ہے، ایک ہی حکم ہے، ایک طریقے سے کہی جائے تو لائق طالب علم بھی نالائق بن جاتا ہے، ضد پر اتر جاتا ہے اور اسی خبر اور حکم کو دوسرے احسن طریقے سے کہا جائے تو نالائق طالب علم بھی لائق بن جاتا ہے، جان کی بازی لگا کر ذوق وشوق کے ساتھ استاذ کی کہی ہوئی بات پر عمل کرتا ہے۔

کہتے ہیں: ایک بادشاہ نے خواب دیکھا کہ اس کے سارے دانت گر گئے ہیں، تعبیر پوچھی تو ایک معبر نے بتایا کہ آپ کے سارے عزیز واقارب آپ کے سامنے مر جائیں گے اور آپ سب سے اخیر میں بے سہارا اکیلے مریں گے، بادشاہ کو غصہ آیا اور اس نے اس تعبیر بتانے والے کو شاہی ملازمت سے معزول کر دیا کہ یہ بے ادب

ہے۔

پھر دوسرے کسی شخص سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ یہ بہت ہی مبارک خواب ہے اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائیں گے، آپ کا سایہ آپ کے بچوں پر تادیر رہے گا اور وہ اس سایہ سے خوب فائدہ اُٹھائیں گے، یہاں تک کہ ان کی موت کے بعد بھی آپ کا سایہ وشفقتیں پوتے، پوتیوں، نواسے، نواسیوں تک جاری رہیں گی پھر آپ اللہ تعالیٰ سے ملیں گے۔ یہ تعبیر سن کر بادشاہ بہت ہی زیادہ خوش ہوا اور اس کو انعام سے نوازا۔

غور فرمائیے! دونوں تعبیروں کا خلاصہ ومقصود ایک ہی ہے، لیکن اظہارِ تعبیر میں مشرق ومغرب کا فرق ہے، اساتذہ کی جماعت کو بھی نالائق طلبہ کو لائق بنانے کے لئے ایسے ہی صبر آزما اور کٹھن مراحل سے گزر کر، ایسے میٹھے بول بولنے ہوں گے جوان کو نالائق سے لائق بنادیں۔

ہمارے استاذِ محترم حضرت مولانا بدیع الزمان صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے تھے: کسی کو کہہ دو باہر نکل جاؤ اور کسی کو کہہ دو اب آپ تشریف لے جاسکتے ہیں دونوں میں کتنا فرق ہے، کسی کو اطلاع دینی ہو کہ ڈاکٹر آگیا ہے یا ڈاکٹر صاحب تشریف لے آئے ہیں، بجلی والا آگیا ہے یا بجلی والے صاحب تشریف لا چکے ہیں، ان دونوں میں فرق کا آپ احسن طریقے سے اندازہ لگا سکتے ہیں۔

انعام دینے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ کوئی بڑی چیز دی جائے، بل کہ آپ ایک سرٹیفکیٹ دے دیں...... اچھے طالب علم ہونے کی...... شریف طالب علم ہونے کی...... اس مہینہ کا سب سے اچھا طالب علم...... اس مہینہ اس طالب علم نے کوئی غیر حاضری نہیں کی...... اس ماہ/ یا اس ہفتہ کا سب سے اچھا مضمون لکھنے والا طالب علم...... اس ماہ سب سے بہترین خوشخط لکھنے والا طالب علم......

یہ طالب علم ہمیشہ ایک مضمون میں فیل ہوجاتا تھا، اس امتحان میں کسی مضمون

میں بھی فیل نہیں ہوا...... اس مہینہ حفظ کے سبق میں اس کی کوئی غلطی نہیں آئی...... روزانہ سبق پکا تھا۔

"Most keen boy" کا سرٹیفکیٹ بنا کر انعام میں دیں۔

ان شاء اللہ کثرت سے انعامات دینے سے ادارہ کا تربیتی وتعلیمی معیار کافی ترقی کرے گا۔

کمزور بچوں کو کس طرح تعلیم دی جائے

جن بچوں کو مختلف عوارض کی وجہ سے مختلف کمزوریاں لاحق ہوجاتی ہیں، وہ بچے سمجھنے میں، یاد کرنے میں، سمجھانے میں، اظہارِ مافی الضمیر میں، سبق سنانے میں اپنے ہم عمروں سے تعلیم وتفہیم میں کمزور واقع ہوتے ہیں۔ یہ الگ بحث ہے کہ وہ قدرتی طور سے کمزور ہیں، یا ابتدائی اساتذہ کی غلط ڈانٹ ڈپٹ اور طریقۂ تدریس کے اندر غفلت اور کوتاہی نے ان کو کمزور بنا دیا۔

مثلاً: کسی موقع پر بچہ استاذ کے کسی سوال کا جواب نہ دے سکا یا ہوم ورک مکمل نہ کرسکا، تو استاذ نے کہہ دیا کہ تم تو ہو ہی نالائق تمہیں کوئی کام آتا ہی نہیں ہے، بے وقوف کہیں کے۔ اب یہ بات بچے کے دماغ میں بیٹھ گئی اور اس نے اپنے آپ کو ناکارہ اور کند ذہن سمجھ لیا اور خود اعتمادی سے محروم ہوگیا۔ یا والدین کی عدمِ توجہ، والدین کے گھریلو اختلافات نے ان کو نفسیاتی الجھن کا شکار بنا دیا، والدین کی بے جا ڈانٹ ڈپٹ نے انہیں ان نعمتوں کے استعمال سے روک دیا جو قدرت نے انہیں عطا کی تھیں۔

یا بعض ابتدائی اساتذہ کی غفلت نے ان کو باور کرا دیا ان کے دل ودماغ میں بٹھا دیا کہ تم نالائق ہو......، تم نکھٹو ہو......، کمزور ہو،......تم پڑھنے کے قابل نہیں ہو......، تم کسی جگہ مزدوری کرو......، تم مدرسہ کی روٹیاں توڑنے آئے ہو......، تم والدین

کا مفت کا خرچہ کروا رہے ہو......، تم والدین کے حلال کے پیسے کو ضائع کر رہے ہو......، تم لاتوں کے بھوت ہو باتوں سے ماننے والے نہیں ہو......، تم محنت سے جی چراتے ہو۔

یہ وہ جملے ہیں، جنہیں والدین کہیں یا اساتذہ، تیروں سے زیادہ یہ نوکیلے جملے ننھے منے بچوں کے دلوں میں تیر کی طرح پیوست ہوجاتے ہیں، اور ان کا لگایا ہوا زخم تا عمر نہیں بھر سکتا، یہ زخم شادی کے بعد بھی رہتا ہے، یہ زخم نئی نسل کے اندر اترتا رہتا ہے، یہ زخم بسا اوقات انسان کی ترقی کے راستے میں آہنی دیوار بن کر کھڑا ہوجاتا ہے، کہ مجھے استانی نے، فلاں پرنسپل نے، فلاں استاذ نے فلاں، قاری صاحب نے یہ کہہ دیا تھا کہ تم ایسے............ ایسے ہو............۔

وہ بچہ اس درجہ سے اگلے درجہ تک پہنچ جاتا ہے، اور اگلے درجہ میں بھی وہ اپنی صلاحیتوں کا اظہار نہیں کرپاتا تو وہاں کا بھی ناتجربہ کار استاذ اس کو اسی انداز میں خطاب کرتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ طالب علم ایک دو مرتبہ فیل ہوجاتا ہے اور اس کے ہم عمر اگلے درجہ میں چلے جاتے ہیں اور وہ اپنے سے چھوٹے درجہ کے طلبہ کے ساتھ بیٹھتا ہے تو اس کو اسکول کے پرنسپل، ناظم تعلیمات اور مدرسہ کے نگرانِ اعلیٰ گذرتے ہوئے خطاب کرتے ہیں کہ اونٹ جیسا لمبا ہوگیا ہے، لیکن ابھی تک چھوٹے بچوں کے ساتھ پڑھتا ہے۔

ان کو اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں آتا، اور یہ نہیں سوچتے کہ "کَمَا تُدِیْنُ تُدَانُ" آج میں اس بچہ کو اس طرح کہہ رہا ہوں تو کل مکافاتِ عمل کے طور پر میرا بچہ بھی ایسا بنے گا اور قدرت کی طرف سے مجھے سزا ملے گی میرا نواسہ یا پوتا اسی طرح ہوگا تاکہ میں دنیا ہی میں اپنے کیے کا مزہ چکھ لوں۔

میں نے اگر آج چند کمزور بچوں کو مدرسہ یا اسکول سے نکال دیا اور ان بچوں کے دل کی آہ مجھے لگ گئی، اور کچھ عرصہ بعد مدرسہ کی انتظامیہ نے مجھے مدرسہ سے

نکالنے کا فیصلہ کیا۔ مجھے بڑا غصہ آیا کہ مدرسہ کی انتظامیہ نے ایسا فیصلہ کیوں کیا، ایسا ظلم کیوں کیا، مگر مجھے معلوم نہیں کہ یہ ان معصوم اور مظلوم بچوں کی آہ مجھے لگی ہے یہ فیصلہ اوپر سے ہوا ہے اور میرے اپنے اعمال کی وجہ سے ہے۔ دوسرا بھاری نقصان ان بچوں کی آہ لگنے کی وجہ سے آخری عمر میں طرح طرح کی بیماریوں اور پریشانیوں میں مبتلا ہونا پڑا اور در در کی ٹھوکریں کھانی پڑیں، آخرت میں تو اللہ تعالیٰ ہی رحم فرمائے۔

بہر حال ایسے بچے جن کو عربی میں ’’بطئ التعلیم‘‘ اور انگریزی میں ’’Slow learner‘‘ کہا جاتا ہے ان کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے، ان کی کمزوری کے اسباب کیا کیا ہیں، ان کمزوریوں کو دور کرنے کے طریقے کیا کیا ہیں، نہایت ہی ادب سے اس سب کی تفصیل جاننے کے لئے ہم اساتذہ کرام کی خدمت میں عاجزانہ طور پر گزارش کرتے ہیں کہ وہ ان ہدایات پر عمل کریں:

(۱) کبھی بھی بچوں کو طعنہ نہ دیں طنزیہ لہجے میں انہیں مخاطب نہ کریں، ان کی غلطیوں پر انہیں شرمندہ نہ کریں۔ ایک مدرسے میں تمام بچے نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں جارہے ہیں، اسی اثنا میں ایک بچہ اپنے جوتے درست کررہا ہے تو استاذ صاحب بچے سے کہتے ہیں کہ ’’تم تو جوتے پہن کر نماز پڑھو گے ناں!‘‘ ان الفاظ سے بچے کو اس کی غلطی کا احساس دلانا کتنی معیوب بات ہے۔

(۲) تحمل پیدا کیجیے! پرانے مردوں کو نہ اکھیڑیے، کہ تم نے پچھلے سال بھی اسی طرح کیا تھا...........تم نکھٹو ہو، تم پہلے بھی فیل ہوئے تھے۔

(۳) مستقبل میں کیا کرنا ہے، آئندہ یہ طالب علم کس طرح اچھے بچوں کی صف میں شامل ہوسکتا ہے اس کی تدابیر بیان کریں، طالب علم کی حوصلہ افزائی کریں۔

(۴) اس سال جتنی بھی اس کی ترقی ہوئی ہے اس کو ذکر کریں، اور اس کے علاوہ

مندرجہ ذیل کتب کا ضرور مطالعہ کریں۔ مہتمم مدرسہ، اسکول کے پرنسپل صاحبان، اور لائبریریوں کے انچارج صاحبان سے گزارش ہے، کہ وہ اپنے کتب خانوں میں ان کتابوں کو ضرور رکھیں اور ہر استاذ کو ان کتابوں کا ایک ایک نسخہ پڑھنے کے لئے ضرور دیں، تاکہ وہ اس کا مطالعہ فرما کر قیمتی نونہالوں کے مستقبل کو محفوظ کرسکیں، اور یہ قیمتی نونہال زندگی بھر احساسِ کمتری کا شکار ہوکر نفسیات کے ڈاکٹروں کے پاس چکر لگانے اور بجلی کے جھٹکوں کے ذریعہ علاج کروانے پر مجبور نہ ہوں، یا غلط قسم کے عاملین، پروفیسروں، جوتشیوں اور سائیں باباؤں کے پاس نہ جائیں۔

اس کے علاوہ ان اسباب پر بھی غور کریں، جن کی وجہ سے فطرۃً صحیح بچہ بھی تعلیم میں کمزور ہوجاتا ہے۔ اساتذہ اور والدین کو ان غلطیوں سے بچنے کے لئے ڈاکٹر نبیل عبد الہادی، کی کتاب ’’بَطْئُ التَّعَلُّمِ وَصُعُوْبَاتُهٗ‘‘ کا مطالعہ کرنا چاہیے، اور کسی عربی دان کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں تو وہ اس کا ترجمہ کرلیں۔ یہ کتاب اردن کے مشہور شہر عمان، کے دار وائل سے چھپی ہے، عمرہ و حج پر جانے والوں کے ذریعہ سعودی عرب سے بھی منگوائی جاسکتی ہے۔

انگریزی کی اس کتاب کا مطالعہ مفید رہے گا۔

(1) PROPHET MUHAMMAD ﷺ The Teacher and his methodologies. ZAM ZAM PUBLISHERS. KHi

اسی طرح اردو میں یہ کتب بھی اساتذہ کو اپنے مطالعہ میں رکھنی چاہیے۔

(۱) جدید تعلیمی نفسیات ڈاکٹر عبد الرؤف (فیروز سنز لاہور)

(۲) تعلیم الصبیان قاری محمد شریف رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ مکتبہ القراءۃ لاہور

(۳) معلم التجوید قاری محمد شریف رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ مکتبہ قراءۃ لاہور

(۴) رحمۃ للمتعلمین مولانا عبد الرحمٰن اعظم گڑھی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ

اساتذہ طلبہ کو باتیں سنانے میں احتیاط سے کام لیں

بعض اوقات اساتذہ کرام غصہ میں طلباء کو سخت سے سخت بددعائیں دے دیتے ہیں، تم محروم ہو جاؤ گے........ تمہاری پڑھائی کا کوئی فائدہ نہیں تم اپنا وقت ضائع کر رہے ہو تمہاری نیت بھی پڑھنے کی نہیں ہے.........

غور فرمایئے! کہ دلوں کا حال ہم نہیں جانتے اس لئے ہمیں دلوں میں پوشیدہ نیت پر حملہ نہیں کرنا چاہیئے، اسی طرح مستقبل کا حال بھی ہم نہیں جانتے ہمیں کوئی اختیار نہیں کہ ہم کسی طالب علم کے مستقبل کے بارے میں اپنی پیشن گوئی یا اپنا فتویٰ صادر کریں۔ کہیں اس غلط جملے کی وجہ سے کوئی طالب علم محروم ہی ہوگیا تو اس کا کتنا بڑا گناہ ہمارے سر پر ہوگا، بجائے اس کے کہ ہم بے طلب طلباء میں طلب پیدا کر کے ان کو علم سکھائیں روزانہ آنے والے طالب علم کو کڑوے کسیلے جملے سنا کر اس کو بھی علم سے محروم کردیں گے۔

اس طرح مستقبل کے بارے میں کہنے کا دوسرا بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بچہ نفسیاتی مریض بن جاتا ہے، قدرتی صلاحیت، جو انسان کی سوچ کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے، وہ بچہ استعمال نہیں کرتا۔ اس لئے کہ استاذ صاحب یا ناظم صاحب یا استانی صاحبہ کا فیصلہ/فتویٰ اس کے ننھے ذہن میں بیٹھ جاتا ہے کہ تم نکمے، ہو تم ہرگز ترقی نہیں کرسکتے، تمہاری یہ عادت بچپن تک رہے گی۔ العیاذ باللہ وغیرہ وغیرہ۔

ایک صاحب کو بچپن میں چوٹ لگ گئی، ڈاکٹر نے کہا: ”جیسے جیسے تم بڑے ہوتے جاؤ گے چوٹ اور درد میں اضافہ ہوتا رہے گا اور اب موت تک اس بیماری سے جان نہیں چھوٹ سکتی۔“

وہ صاحب کہنے لگے: جیسے جیسے عمر بڑھتی گئی، اس درد میں اضافہ ہوتا رہا۔ پھر کسی اور ماہر ڈاکٹر کے پاس گیا، انہوں نے کہا: نہیں بالکل علاج ہوسکتا ہے۔ آپ

فکر نہ کریں اور پھر انہوں نے اس کا ذہنی علاج کیا اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہ درد میں کمی واقع ہوئی۔

لہٰذا اساتذہ کرام کو یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ مستقبل کے بارے میں ہرگز ہرگز کوئی رائے قائم نہ کریں۔ مستقبل اور غیب کا علم اللہ کی قبضہ قدرت میں ہے۔ کب اللہ تعالیٰ کسی کو ہدایت دے دے ہمیں معلوم نہیں۔

لہٰذا حال کے بارے میں رائے قائم کیجئے۔ مستقبل کے لئے اچھی تدبیر اصلاحی تجویز بتادیں اور دعا کریں۔

ایک بچے سے کسی نے کہا:

”لِمَ لَا تَتَعَلَّمُ الْأَدَبَ؟“

ترجمہ: ”تم ادب کیوں نہیں سیکھتے؟“

تو اس نے عجیب جواب دیا۔ کہا:

فَقَالَ: أَخَافُ أَنْ أُكَذِّبَ وَالِدِي. لِأَنَّهُ قَالَ لِيْ: إِنَّكَ لَا تُفْلِحُ أَبَدًا.“

ترجمہ: ”تاکہ میں اپنے والد کو جھوٹا ثابت نہ کرسکوں، کیوں کہ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ تم کبھی کامیاب نہیں ہوگے۔“[1]

اگر اکابر علماء، ماہرینِ فنون، سائنسدانوں کی تاریخ دیکھی جائے، تو ان میں بعض وہ بھی تھے جو شروع میں بالکل نکمے اور نکھٹو طالب علم تھے، پھر کوئی وقت ایسا ہدایت کا آیا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت دی اور ان سے دنیا میں بہت سا کام لیا گیا۔

اس دور میں بعض لوگ علم دین کو ذریعۂ عز و شرف سمجھ کر، یا ادب و تفریح کے طور پر حاصل کرتے تھے، ان میں کسی قسم کا انحراف اور زیغ نہیں تھا، بل کہ حسنِ نیت میں فتور تھا، بعض لوگ ان پر نکیر کرتے تھے، مگر اساتذہ و شیوخ ان کو بڑی محبت و

[1] مختصر برالوالدین: ص ۱۲۳

شفقت سے تعلیم دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ نیت کچھ بھی ہو علم دین میں آخر... للّٰہیت پیدا ہوجاتی ہے۔ اور اس کی مثال میں اپنے کو پیش کرتے تھے۔

ایک مرتبہ سفیان ثوری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے کہا: میرے نزدیک رضائے ا... سب سے بہتر ذریعہ علم دین کا حصول ہے۔ اس پر ایک شخص نے کہا: یہ لوگ... حدیث لکھ رہے ہیں، ان کی نیت رضائے الٰہی نہیں ہے، سفیان ثوری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَا... نے کہا: "طَلَبُهُمْ لَهُ نِيَّةٌ"، یعنی ان کا علم طلب کرنا ہی نیت ہے۔

سماک بن حرب کی مجلس جاری تھی، درمیان میں کچھ طلبہ آئے تو اہل مجلس... کہا: آپ ان لوگوں کو حدیث نہ پڑھائیں، دین میں ان کو رغبت نہیں ہے، یہ ک... سماک بن حرب نے ان سے کہا: اچھی بات کہو، میں نے زمانہ طالب علمی م... رضائے خداوندی کی نیت نہیں کی تھی، مگر جب علم حاصل کرلیا تو اس نے مجھے م... باتوں کی ہدایت کی اور مضر باتوں سے روکا۔

مجاہد بن جبر کہتے ہیں: ہم نے علم حاصل کیا تو اس میں کچھ زیادہ حسن نیت نہ... تھا، بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس میں حسنِ نیت پیدا کردیا۔

سفیان بن عیینہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کی مجلس میں ایک شخص نے اٹھ کر کہا: میں ا... کا واسطہ دے کر آپ سے پوچھتا ہوں کہ جس زمانہ میں آپ نے علم حاصل کیا، ا... کے لئے حاصل کیا تھا؟ اس نے تین مرتبہ یہی سوال کیا، آخر میں سفیان بن عی... رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے کہا: اللہ جانتا ہے کہ ہم نے ادب وظرافت کے طور پر علم حا... کیا تھا، مگر اللہ نے اس کو اپنے لئے بنادیا۔[1]

بسا اوقات اساتذہ اپنا ایک سخت فیصلہ سنادیتے ہیں کہ تمہارے اندر پڑھائی... شوق نہیں ہے، تم آخیر تک نکمے ہی رہوگے، تم نے اصلاح کی نیت ہی نہیں کی۔

ایسا نہیں کہنا چاہئے۔ شرعاً ہمیں یہ حکم ہے کہ ہم کسی کی تعریف کریں تو شر...

[1] مأخذہ خیر القرون کی درس گاہیں: صفحہ ۲۲۳

ہیں أَحْسِبُهُ (میرا گمان ہے) کہ فلاں شخص ایسا ہے۔ اور آخر میں "واللہ اعلم بالصواب" کہے کہ:

مجھے معلوم نہیں اللہ کے ہاں اس کا کیا حال ہوگا۔ یعنی میں ناقص، میرا علم ناقص، میرا فیصلہ ناقص، میرا گمان ناقص اسی طرح ہمیں کسی کے بارے میں فیصلہ سناتے ہوئے اس کے مستقبل پر برا داغ لگاتے ہوئے، اس کی نیت پر حکم لگاتے ہوئے بہت سوچ سمجھ کر اپنی زبان سے الفاظ نکالنے چاہئیں۔

اگر طبیعت پر بہت زیادہ بوجھ ہو دعا اور افہام وتفہیم کے ذریعے اصلاح کی محنت کرچکے ہوں پھر بھی بات نہ بن رہی ہو، تو غائب کا صیغہ استعمال کرنا چاہئے کہ جو بچہ بھی علم کی نعمت کی ناقدری کرتا ہے تو اس کو اللہ کی طرف سے محروم کردیا جاتا ہے۔

تم محروم ہوجاؤ گے، تم .... وغیرہ کہنے کا ہمیں کوئی حق نہیں۔ اَلْهَادِيْ، اللہ جل جلالہ ہے وہ پتہ نہیں کب ہدایت دے دے۔

عبد اللہ بن مسلمہ قعنبی کا صحاح ستہ کے مؤلفین کے اساتذہ میں شمار ہوتا ہے، امام ابوداؤد اور امام ترمذی رَحِمَهُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی کے استاذ ہیں شروع میں اوباش قسم کے لوگوں میں سے تھے، اللہ معاف کرے پینا پلانا بھی آخری حد تک تھا۔

امام شعبہ بن حجاج رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی امیر المؤمنین فی الحدیث مشہور ہیں ان کو راستے میں جاتے ہوئے روک لیا، اور ان کے گھوڑے کی لگام پکڑ لی اور کہا: مجھے آپ کوئی حدیث سنائیں۔

انہوں نے معذرت کی اور فرمایا: حدیث یہاں نہیں سنائی جاتی تم وہاں آؤ وہاں ادب سے سنو تو سنا دی جائے گی، لیکن جب عبد اللہ نے بہت اصرار کیا تو امام شعبہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے حدیث سنائی۔

"إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِيْ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ."[1]

[1] بخاري، كتاب الأدب، باب إذا لم تستحي: ٢/٩٠٤

ترجمہ: "جب تم میں شرم وحیا باقی نہ رہے تو جو چاہے کرو۔"

یہ حدیث سننا تھا کہ قلب کی حالت بدل گئی، صبح حاضرِ خدمت ہوئے گستاخی پر معافی مانگی اور ان کے مشہور تلامذہ میں شمار ہوئے اور آج بھی صحاح ستہ میں ان کا نام گرامی مذکور ہے۔

مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی اور مالک بن دینار رحمہما اللہ تعالیٰ کی ماضی دین سے بہت ہی دور تھی، لیکن جب اَلْھَادِیُ اللہ جل جلالہ نے ہدایت کا فیصلہ فرمایا تو کوئی بڑی سے بڑی برائی بھی مانع نہ بنی۔

لہٰذا ہمیں طلبہ کو وعیدیں سنانے اور مستقبل کے بارے میں فتویٰ یا فیصلہ دینے سے بہت احتراز کرنا چاہیے کہ خدا نہ کرے اس کا وبال ہم پر ہی نہ پڑ جائے۔

اَلْھَادِیُ جل جلالہ کی قدرت اور کیسے کیسے لوگوں کو جب وہ ہدایت دینے کا ارادہ فرما لیتا ہے تو ہدایت دے دیتا ہے اس کو سمجھنے کے لئے بندہ کی کتاب اسمائے حسنیٰ کا مطالعہ بہت مفید رہے گا جس میں اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ کی تشریح قرآن کریم، احادیث نبویہ اور علمائے کرام کے اقوال سے کی گئی ہے۔

طلبہ کو اطاعت سکھائی جائے

اساتذہ کرام کو چاہیے کہ اپنے شاگردوں کی دل وجان سے عزت واحترام کریں اور ان کی قدر کریں، کبھی ان کی بے عزتی اور توہین نہ کریں۔ کیوں کہ انہوں نے اپنے ماں باپ، گھر بار چھوڑ کر آپ کے پاس زانوئے تلمذ علم دین سیکھنے کے لئے طے کئے ہیں۔ لہٰذا ان کو زر خرید غلام نہیں سمجھنا چاہیے۔

(۱) حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا:

"اَلَا تَرْکَبُ یَا عُقْبَۃُ؟" "کیا تم سوار نہیں ہوگے؟"

تو میں اس بات کو بے ادبی سمجھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر سوار ہو جاؤں۔

پھر دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عقبہ! کیا تم سوار نہیں ہوگے؟ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بار بار دریافت فرمانے سے اور میرے سوار نہ ہونے کی وجہ سے مجھے اپنے بارے میں گناہ گار ہونے کا ڈر ہوا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری سے اترے، "رَکِبْتُ ھُنَیْھَۃً" تو میں تھوڑی دیر کے لئے سوار ہوا پھر اتر گیا۔[1]

فائدہ: اس حدیث میں اطاعت سکھلائی گئی ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے گھوڑے پر سوار ہو کر اطاعت کی۔ مزید یہ بات بتلائی کہ بڑوں کی بات جائز کاموں میں ماننی چاہیے۔

(۲) مغل بادشاہ عالمگیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے والد کے انتقال کے بعد باپ کی جانشینی کا مسئلہ کھڑا ہوگیا اور یہ دو بھائی تھے۔ ایک عالمگیر اور دوسرا دارا شکوہ۔

عالمگیر اپنے باپ کے جانشین اور بادشاہ بننا چاہتے تھے، اور ان کے بھائی دارا شکوہ بھی تخت کے طالب تھے، ان کے زمانے میں ایک بزرگ تھے، دونوں نے ارادہ کیا کہ ان بزرگ سے جا کر اپنے حق میں دعا کرائی جائے۔ پہلے دارا شکوہ ان بزرگ کے پاس زیارت اور دعا کے لئے پہنچے، اس وقت وہ بزرگ تخت پر بیٹھے ہوئے تھے، ان بزرگ نے دارا شکوہ سے کہا:

یہاں میرے پاس آجاؤ۔ اور تخت پر بیٹھ جاؤ۔

دارا شکوہ نے کہا: نہیں حضرت، میری مجال نہیں ہے کہ میں آپ کے پاس تخت پر بیٹھ جاؤں۔ میں تو یہاں نیچے ہی ٹھیک ہوں، ان بزرگ نے پھر کہا: میں تمہیں بلا رہا ہوں، یہاں آجاؤ۔ لیکن وہ ان کے پاس نہ گئے اور وہیں بیٹھے رہے۔ ان بزرگ نے فرمایا: اچھا تمہاری مرضی، پھر ان بزرگ نے ان کو جو نصیحت فرمانی تھی وہ فرمادی اور واپس چلے گئے۔

[1] نسائي، كتاب الاستعاذة: ٣١٢/٢

ان کے جانے کے تھوڑی دیر بعد "عالمگیر" آ گئے۔ اور سامنے بیٹھنے لگے تو ان بزرگ نے فرمایا: تم یہاں میرے پاس آجاؤ وہ فوراً جلدی سے اٹھے، ان بزرگ کے پاس جا کر تخت پر بیٹھ گئے، پھر انہوں نے ان کو جو نصیحت فرمانی تھی وہ فرمادی۔ جب عالمگیر واپس چلے گئے تو ان بزرگ نے اپنی مجلس کے لوگوں سے فرمایا: ان دونوں بھائیوں نے خود ہی اپنا فیصلہ کرلیا۔

دارا شکوہ کو ہم نے تخت پیش کیا، اس نے انکار کر دیا اور عالمگیر کو پیش کیا تو انہوں نے لے لیا، اس واسطے دونوں کا فیصلہ ہوگیا۔ اب تخت شاہی عالمگیر کو ملے گا چناں چہ ان کو ہی مل گیا۔[1]

ویسے تو مسلمان کی ایک خاص تعریف ہی یہ کی گئی ہے کہ جس کے ہاتھ اور زبان کے شر سے لوگ محفوظ ہوں، اساتذہ ومعلمات کو خصوصاً اس کا اہتمام کرنا چاہیئے کہ طلبہ کے عیوب پر پردہ ڈالیں، کسی طالب علم کو اس طرح خطاب نہ کریں جس سے اس کے اپنے ساتھیوں کے درمیان ذلت ہو اور پھر ساتھی اس کا مذاق اڑائیں۔

آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: آدمی کی بُرائی کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ مسلمان بھائی کی تحقیر کرے۔[2]

طالب علم کسی بات کا سوال کرتے ہوئے ...... یا جواب دیتے ہوئے ...... یا عبارت پڑھتے ہوئے سبقت لسانی ...... یا مافی الضمیر کی ادائیگی نہ کرنے کی بنا پر...... کوئی غلطی کر جاتا ہے، جس کو بعض اساتذہ حفظ کر کے ہر وقت یاد رکھتے ہیں اور اسی کو محفل کی جان بنا لیتے ہیں، جس سے اس طالب علم کی عزت نفس مجروح ہوتی ہے اور اس بچے میں ہمیشہ کے لئے ایک مرض، کم ہمتی کا پیدا ہو جاتا ہے وہ آئندہ ہر بات ڈرتے ڈرتے بولتا ہے، اور بہت سی باتیں جو اس کو کہنے کا حق ہے اس سے

[1] اصلاحی خطبات: ۳/۳۶۹

[2] مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم ظلم المسلم: ۲/۳۱۷

محروم ہو جاتا ہے اور اس کی افہام وتفہیم کی صلاحیتیں ختم ہو جاتی ہیں۔

استاذ سے نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اس مضمون میں دل چسپی لینا ختم کر دیتا ہے اور رفتہ رفتہ وہ اس مضمون سے محروم ہوتا جاتا ہے۔

مثلاً جیتی جاگتی مثال لے لیجیے، ڈاکٹر عبدالعلیم اپنی کتاب "اَلْمُعَلِّمُ وَالْمَنَاهِجُ فِي طُرُقِ التَّدْرِيسِ" میں لکھتے ہیں: میں جب مرحلہ ثانویہ میں طالب علم تھا تو میرے ایک ساتھی نے ایک دن درس گاہ میں کھڑے ہو کر استاذ سے پوچھا کہ میں نے ڈکشنری دیکھی تھی کل جو آپ نے اس لفظ کا مطلب بتلایا تھا تو ڈکشنری میں اس لفظ کا کچھ اور مطلب لکھا ہوا تھا؟

استاذ محترم سے اپنی غلطی ہونے کی شاگرد کی زبان سے اطلاع برداشت نہ ہو سکی، تو انہوں نے اس کو مذاق میں ٹال دیا، اور بات اسی حد تک ختم نہ ہوئی، بل کہ روزانہ استاذ درس گاہ میں داخل ہوتے تو کہتے:

"أَيْنَ صَاحِبُنَا الْبَاحِثُ فِي الْقَامُوْسِ! أَيْنَ قَامُوْسُنَا الْيَوْمَ؟"

ترجمہ: "ہمارا ساتھی کہاں ہے جو ڈکشنری دیکھ کر آیا، یا ہماری آج کی ڈکشنری کہاں ہے؟"

تو دوسرے طلبہ استاذ کے اس سوال سے اس طالب علم پر ہنستے تھے، استاذ کی موافقت میں یا بے سمجھے دوسرے طلبہ کی تائید میں۔ الغرض روزانہ ایسے طعنے سننے سے اس طالب علم نے ڈکشنری دیکھنا چھوڑ دی اور وہ مضمون اس کے ذہن میں ایک مشکل وَلَا يَنْحَلُّ مضمون بن گیا۔"[1]

لہٰذا اساتذہ کو چاہیئے کہ کسی حال میں بھی کسی طالب علم کی تحقیر نہ کریں۔ طلبہ اور اہل تعلق ہمارے متعلق اندازہ ہمارے طرز عمل سے لگاتے ہیں، خوش اخلاق ہونے میں کوئی خرچہ نہیں آتا، مگر اس سے بہت کچھ خریدا جا سکتا ہے، اس سے ہم وہ کچھ خرید

[1] المدرس ومهارات التوجيه: ص ٦٨

سکتے ہیں جو سونے چاندی سے بھی نہیں خریدا جاسکتا۔

استاذ چاہے تو خوش اخلاقی کے دائرے میں رہتے ہوئے تنبیہ کرسکتا ہے، آپ کو معاشرے میں ایسے اشخاص (اساتذہ ومعلمات) بھی ملیں گے، جو نہایت ذہین اور صاف دل اور نیک ہیں، طلبہ پر کام کرنے کا جذبہ اور علم کی نشرواشاعت کا شوق بھی لئے ہوئے ہیں، لیکن اپنی کج روی اور اکھڑپن کی وجہ سے کئی مدارس اور اسکول تبدیل کرچکے ہیں، معاملات کو حل کرنے میں تحمل، احتیاط، استخارہ اور استشارہ کی ضرورت ہے۔

حضرت اَعمش رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کہتے ہیں: میں نے حضرت ابراہیم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے یہ بات سنی ہے وہ فرماتے تھے:

"إِنِّي لَأَرَى الشَّيْءَ أَكْرَهُهُ فِي نَفْسِي، فَمَا يَمْنَعُنِي أَنْ أَعِيبَهُ إِلَّا كَرَاهِيَةَ أَنْ أُبْتَلَى بِمِثْلِهِ."[1]

تَرجَمۃ: "میں کسی ناپسندیدہ چیز کو دیکھ کر خاموشی اختیار کرلیتا ہوں، اس ڈر سے کہ اس کے بارے میں بولنے سے یا اس کو عار دلانے سے کہیں میں خود اس مصیبت یا اس گناہ میں مبتلا نہ کردیا جاؤں۔"

حضرت ابن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ارشاد ہے:

"لَوْ سَخِرْتُ مِنْ كَلْبٍ، لَخَشِيْتُ أَنْ أُحَوَّلَ كَلْباً."[2]

تَرجَمۃ: "اگر میں کسی کتے کا بھی مذاق اڑاؤں تو مجھے ڈر ہے کہ میں خود کتا نہ بن جاؤں۔"

حضرت ابن سیرین رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا ارشاد ہے:

"عَيَّرْتُ رَجُلاً بِشَيْئٍ مِّنْ ثَلَاثِيْنَ سَنَةً أَحْسَبَنِي عُوْقِبْتُ بِهِ

---

[1] حلية الاولياء، ذكر طبقة تابعى المدينة: ٢٥٧/٤، رقم: ٥٤٨١

[2] صفة الصفوة، عبدالله بن مسعود، ذكر جملة من مناقبه وكلامه، الاول: ٢١٩/١

وَكَانُوا يَرَوْنَ أَنَّهُ عَيَّرَ رَجُلاً بِالْفَقْرِ فَابْتُلِيَ بِهِ."[1]

تَرجَمۃ: "میں نے تیس سال پہلے ایک شخص کو کسی بات پر عار دلائی تھی، اب میں سمجھتا ہوں کہ اس کے نتیجہ میں مجھے اس حال (فقر) میں مبتلا کیا گیا ہے ان کے ساتھیوں کا خیال ہے کہ انہوں نے کسی شخص کو فقر پر عار دلائی تھی سو اس میں یہ مبتلا کئے گئے۔"

حضرت فضیل بن عیاض رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا ارشاد ہے:

"وَاللّٰهِ مَا يَحِلُّ لَكَ أَنْ تُؤْذِيَ كَلْباً أَوْ خِنْزِيْرًا بِغَيْرِ حَقٍّ فَكَيْفَ تُؤْذِي مُسْلِماً."[2]

تَرجَمۃ: "اللہ کی قسم! تمہارے لئے ناحق کسی کتے یا خنزیر کو بھی کسی قسم کی تکلیف پہنچانا جائز نہیں ہے، تو کسی مسلمان بھائی/ بہن کو تکلیف پہنچانا کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ (خصوصاً معصوم بے گناہ شاگردوں کو ستانا، ان کا مذاق اڑانا، ان کی قوم کا مذاق اڑانا، ان کے والد کے جائز پیشوں کا مذاق اڑانا کیسے جائز ہوسکتا ہے)۔"

حضرت یحیٰی بن سعید رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے روایت ہے کہ حضرت عیسیٰ بن مریم عَلَیْہِمَا السَّلَامُ راستہ سے گزر رہے تھے تو ایک خنزیر سامنے سے گزرا تو انہوں نے کہا:

"اِنْفُذْ بِسَلَامٍ"

تَرجَمۃ: "تم سلامتی کے ساتھ گزر جاؤ۔"

کسی نے کہا: آپ خنزیر سے اتنی اچھی طرح مخاطب ہوتے ہیں، فرمایا:

"إِنِّي أَخَافُ أَنْ أُعَوِّدَ لِسَانِي الْمَنْطِقَ بِالسُّوْءِ."[3]

---

[1] تاريخ دمشق، حرف السين المهملة: ٢٢٧/٥٣، رقم: ٦٤٤٤

[2] سير اعلام النبلاء: ٤٢٧/٨

[3] موطا مالك، كتاب الجامع، باب ما يكره من الكلام: ص٧٣١

ترجمہ: ”میں اپنی زبان پر کسی کے لئے بھی برا لفظ لانے سے ڈرتا ہوں کہ یہ زبان برے لفظ کی عادی نہ بن جائے۔“

اس لئے ہمیشہ اپنی زبان کو بھلی باتوں کا عادی بنایئے، بازاری زبان، جاہلوں کی چٹ پٹی گفتگو، غیر مہذب لوگوں کی بیہودہ گفتگو سے ہمیشہ اپنی زبان کی حفاظت رکھیئے۔ آپ استاذ ہیں اس مقدس مصروفیت کا احترام کیجیے۔

حضرت عبیداللہ بن عدی بن الخیار رَحِمَهُ اللهُ تَعَالیٰ اپنی مجلس شروع ہونے سے پہلے یہ دعا مانگ لیا کرتے تھے۔

”اَللّٰهُمَّ سَلِّمْنَا وَسَلِّمِ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنَّا“[1]

ترجمہ: ”اے اللہ! ہمیں دوسروں کے شر سے سلامتی عطا فرما، اور ہمارے شر سے مسلمانوں کو سلامتی عطا فرما، یعنی ہماری زبان اور ہمارے جسم سے کسی مسلمان کو تکلیف نہ پہنچے۔“

بسا اوقات بعض طلبہ صحیح حروف ادا نہیں کر سکتے، استاذ ہرگز اس کو مذاق کا نشانہ نہ بنائے۔

مثلاً زکریا کو بعض جکریا کہتے ہیں، اب استاذ نے سن لیا تو ایک ہے جکریا کہہ کر مذاق اڑانا تنگ کرنا۔

اور ایک ہے ہاں اصلاح کے لئے اسے کہنا، تاکہ حروف کی ادائیگی کی صحت کا خیال رکھے اس میں کوئی حرج نہیں۔

بعض خاندان مچھلی زیادہ پسند کرتے ہیں، بعض خاندان پاپڑ آلو، زیادہ پسند کرتے ہیں۔

ان کو مچھلی خور...... پاپڑ خور...... کہہ کر پکارنا ایک مسلمان کی شان نہیں چہ جائیکہ ایک مقدس پیشے کے حامل استاذ کا یہ کہنا، بہت ہی نقصان دہ ہے۔ اور یہ ایک گناہ کئی

[1] تذکرۃ الحفاظ، الطبقۃ الرابعۃ: ۱۳۹/۱

گناہوں کا مجموعہ ہے، کہ بچے کے ساتھ اس کے والدین کی بھی تحقیر، خاندان کی بھی تحقیر، اور اس کی قوم کی بھی تحقیر۔

اور یہ گناہ ایسا گناہ ہے جس کی سزا اکثر اساتذہ کو اس کی سزا دنیا ہی میں مل جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے۔

جس طرح استاذ نے اس معصوم بچے کو دوسرے بچوں کے سامنے تمسخر و استہزاء کا نشانہ بنایا، ایسے ہی مکافاتِ عمل کے طور پر یہ استاذ بھی مجمع میں مذاق کا نشانہ بنتا ہے اور اس کو بھی اجتماعی ذلت اٹھانی پڑتی ہے۔

انسان اذیت کو بھول جائے تو بھول جائے۔ لیکن جنگ آمیز الفاظ ہمیشہ اس کے دل میں کھٹکتے ہیں۔[1]

چھوٹے بچوں کے اساتذہ اور معلّمات کی توجہ کے لئے

محترم اساتذہ کرام! آپ کے پاس بہت چھوٹے بچے آتے ہیں ان پر اگر آپ کی محنت و کامل توجہ ہوگی تو ان کی علمی و عملی استعداد پختہ ہوگی، اور بچپن کی یہ مضبوط بنیاد بچپن تک باقی رہے گی۔ آپ نے غور فرمایا ہوگا کہ بعض اساتذہ میں کوئی ایک خاص خوبی، کوئی خاص صلاحیت ہوتی ہے، جب ان سے پوچھا جائے کہ یہ خیر کی بات یا عمدہ خوبی آپ کو کیسے حاصل ہوئی تو اکثر کا جواب یہ ہوتا ہے، کہ بچپن میں ہمارے فلاں استاذ نے ہم پر خوب محنت کی تھی، اس کی وجہ سے فلاں خوبی اعلیٰ درجے پر ہمیں نصیب ہوئی۔ مثلاً ہمارا خط عمدہ ہے یا مشکل بات صحیح طرح سمجھانے کا ملکہ عطا ہوا ہے وغیرہ، اسی طرح بچپن میں قاری صاحب نے ہمارے تلفظ صحیح کرانے پر محنت کی تھی، اس وجہ سے ہماری قرأت بھی اچھی ہے، یا بچپن میں انگلش کی پروناؤن سی ایشن (Pronounciation) پر محنت کی تھی، الفاظ کے ذخیرہ

[1] مخزن اخلاق: ص ۴۶۲

(Vocabulary) پر محنت کی تھی، جس کی وجہ سے آج انگلش بولنے، لکھنے، سمجھنے، سمجھانے کی مہارت حاصل ہے۔

اس سلسلے میں ایک اہم گزارش یہ ہے کہ ہر بچہ کو پڑھاتے، سمجھاتے ہوئے استاذ یا استانی صاحبہ دل میں یہ ٹھان لیں کہ اس کو ایسا پڑھانا ہے کہ یہ آگے اوروں کو بھی پڑھا اور سمجھا سکے۔ یعنی بنیاد اتنی مستحکم ہونی چاہیئے۔ ورنہ اگر اس میں غفلت برتی گئی اور ابتدائی درجات ہی میں ایک ایک بچے پر انفرادی توجہ نہ دی گئی، تو اس کا ایک عظیم نقصان یہ ہے کہ بچہ پڑھائے جانے کے بعد یہ پوچھے جانے پر کہ "سمجھ گئے" شرما کر یا ڈر میں "ہاں" تو کہہ دیگا، لیکن دل میں کسی ایک حرف یا ہندسہ کے سمجھ میں نہ آنے پر ہمیشہ کے لئے ڈر بیٹھ جائے گا۔

اور آئندہ سالوں میں جب دو حرفی لفظ اور مزید آگے جا کر جملے بنانے اور پڑھنے سے جو واسطہ پڑے گا تو نہ وہ لکھ سکے گا نہ پڑھ سکے گا اور پہلی کلاس یا دوسری کلاس کی استانی اس کے نہ لکھنے، پڑھنے پر جو ڈانٹ ڈپٹ کریں گی وہ تو الگ رہی اور میڈم صاحبہ اُس کے والدین کو نتیجہ خراب آنے پر بلوا بھیجیں گی، یا بار بار شکایتی پرچہ اس کے گھر جائے گا کہ بچہ نہ گھر کا کام کر کے آتا ہے، نہ ہی کلاس میں صحیح پڑھتا ہے، بل کہ گم صم رہتا ہے۔ ماں باپ اصلی حقیقت سے ناواقفیت کی بناء پر اضافی تدبیریں کریں گے، مثلاً ماں باپ کو اپنے دوسرے ذاتی امور میں مشغولی کے ساتھ اس بچہ کی پڑھائی کے لئے بھی وقت نکالنا ہوگا یا ٹیوشن کا انتظام کرنا ہوگا۔

پھر اس کے لئے الگ فیس اور رقم کا بندوبست کرنا ہوگا، لیکن ان سب کے باوجود بچہ پڑھ کے نہیں دے رہا، نتیجہ خراب سے خراب تر ہوتا جا رہا ہے اور بچہ کو ہر طرف سے ڈانٹ بھی پڑ رہی ہے اور ذلت بھی اُٹھانی پڑ رہی ہے، اس لئے کہ صبح کلاس ٹیچر نے ڈانٹا.......... دوپہر امی نے ڈانٹا.......... شام کو ٹیوشن والی اُستانی نے ڈانٹا.......... رات کو ابو نے ڈانٹا.......... کیوں......؟ اس لئے کہ بنیاد کمزور رہ

گئی، ان سب پر ستم یہ کہ اپنے ہم پیالہ ہم نوالہ بچے، جن کے ساتھ کھیل کود میں بھی وقت گزرتا ہے، اس معصوم کو ان ہم عمروں میں بھی سبکی محسوس ہونے لگتی ہے۔

بالخصوص جب کہ کوئی بچہ طعنہ کے طور پر اس معصوم کو جتلائے کہ سنا ہے تم کو خوب ڈانٹ پڑی اور اس کے بھائی بہن بھی اس سے اکھڑا ہوا رویہ رکھتے ہیں اور کبھی چڑ بھی دلاتے ہیں کہ ہم ابو کے دل پسند ہیں تم کو تو ڈانٹ پڑتی ہے۔ نیز کبھی ان بھائی بہنوں ہی کی لاپرواہی یا شرارت سے جھگڑا بھی ہو جائے تب بھی سب کی نظر میں یہی معصوم کھٹکتا ہے، یہ تو وہی بات ہوئی کہ "بد سے بدنام بُرا"۔ یعنی ڈانٹ ناحق اس کو پڑی خواہ قصور اس کا نہ بھی ہو، کیوں کہ یہ نظروں میں ایک دفعہ کھٹک چکا ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اس سارے مرض کی صحیح تشخیص ہی کب ہوئی جو صحیح دوا یا علاج تجویز ہوتا۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ ابتدائی درجات میں اُستانی صاحبہ کی غفلت.......... کہ کلاس کے صرف چند بچوں کے قابل یا مستعد ہونے پر مطمئن ہو جانا، بعض بچوں پر بالکل ہی محنت نہ کرنا۔

① بعض کے بارے میں ٹھان لینا کہ یہ کند ذہن ہیں آگے چل ہی نہیں سکتے۔
② کاپیاں اور ورک بک وقت پر چیک نہ کرنا۔
③ بلیک بورڈ پر لکھ کر ایک ایک بچہ سے نہ پڑھوانا۔
④ صرف ڈیوٹی نباہنے کی حد تک محنت کرنا۔
⑤ اور احسان کے طور پر اضافی وقت بچوں کو نہ دینا کہ جس سے بچہ دل کی وہ بات بھی استانی سے پوچھ لے جو بھری کلاس میں سارے بچوں کے سامنے پڑھائی سے متعلق نہیں پوچھ سکا تھا۔

ان ساری لاپرواہیوں کے دو خطرناک نتیجے جو ہمارے سامنے آئے ہیں، آپ کی خدمت میں ان کا تذکرہ بہ نیت اصلاح کیا جا رہا ہے، تاکہ ان اسباب و عوامل

سے آپ خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں۔

① بچہ اس مضمون سے اور اس مضمون کو پڑھانے والے استاذ ہی سے، یہاں تک کہ بعض اوقات خود اسکول ہی سے ایسا بدظن اور متنفر ہو جاتا ہے کہ اکثر صبح اسکول کی چھٹی کرانے پر بے جا اصرار کرتا ہے اور روتا چیختا ہے، اور بڑا ہو کر اسکول کے لئے چلا بھی گیا یا گھیر گھار کر اس کو بھیج بھی دیا گیا، تو ہوتا یوں ہے کہ گھر سے اسکول کا کہہ کر گیا اور باہر گھومتا رہا اور علم و تعلیم سے محرومی کے راستے پر آگیا۔

② نیز اکثر چھوٹی عمر کے بچے تو حقیقتاً سر کے درد یا پیٹ کے درد یا ٹانگوں کے درد کے امراض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

ماہر اطباء کی رائے اس بارے میں عموماً یہ ہوتی ہے کہ یہ سب خرابی اصلاً جسمانی نشوونما کی کسی خرابی یا کمزوری کی بناء پر نہیں ہے، بل کہ یہ دل کا سہم یا ہول دلی کا طاری ہونا .... اسکول میں کسی خاص مضمون کے لکھنے یا پڑھنے پر یا سمجھنے پر عدم قدرت کی وجہ سے بچے کے اعصابی تناؤ کا شکار ہونے کی وجہ سے ہوا ہے اور یہ سب درد وغیرہ بھی اسی وجہ سے ہے۔

لہٰذا اسکولوں اور مدارس کے ابتدائی درجات کے اساتذہ کرام کی خدمت میں نہایت ہی ادب اور دلسوزی سے عاجزانہ گزارش ہے کہ معصوم نونہالوں پر رحم فرماتے ہوئے ان کی بنیادی تعلیم پر پوری توجہ دیں۔ کہیں آپ کی اور ہماری تھوڑی سی غفلت کسی بچے کو امراض جسمانی اور امراض روحانی میں مبتلا کرنے کا سبب نہ بن جائے۔

مقدار خواندگی حتی الامکان پوری کریں

اکثر اساتذہ کو یہ دھوکہ ہو جاتا ہے کہ بچہ سمجھ کر پڑھے چاہے کم اسباق ہوں.....

حالاں کہ جن مصنفین کی کتب شامل نصاب ہوتی ہیں انہوں نے کتاب مرتب کرتے وقت خود صحیح تجزیہ کر کے سال بھر کے ایام کار (ایام درس یا ورکنگ ڈیز) پر اسباق کو مع تمارین کے تقسیم کیا ہوتا ہے اور پھر کتاب ترتیب دی ہوتی ہے۔ پھر سال کے آخر میں ایک تہائی کتاب کا رہ جانا یہ دلیل ہے اس بات کی کہ یا تو اساتذہ کی جماعت سے غفلت ہوئی ہے یا انتظامیہ سے، ظاہر بات ہے کہ کتاب نمبر (۲) ختم نہیں ہوئی تو کتاب نمبر (۳) جو اگلے سال شروع ہوگی وہ کیسے سمجھ میں آئے گی؟

جب کہ اگلی پڑھائی جانے والی کتاب کے کئی مضامین سمجھنا یقیناً اسی پر موقوف ہوتے ہیں کہ پچھلی کتاب صحیح طور پر اور سمجھ کر مکمل کر لی گئی ہو۔

اسی طرح جو تمارین (ایکسرسائزز) صاحب کتاب نے دی ہیں، ان کو پورا کروانا۔ اکثر اس میں ہم (یعنی اساتذہ کی جماعت) سے یہ غفلت ہو جاتی ہے کہ ایک دو تمارین پر اکتفاء کر لیا جاتا ہے۔ مثلاً (Punctuation Marks) لگانے کو دیئے گئے، مگر وہ ایکسرسائز حل نہیں کروائی گئی یا تمرین یہ تھی کہ اپنے آسان الفاظ میں جواب دو

(Give Answer in your own words)

اب یہ سمجھ کر کہ بچے کمزور ہیں نہیں لکھ سکیں گے، ٹیچر خود ہی جوابات (Answers) بورڈ پر لکھوا دیتی/ دیتے ہیں، حالاں کہ یہ بچے کے ساتھ ظلم ہے اس لئے کہ اس طرح پھر بچہ کی استعداد نہیں پیدا ہو پائے گی، وہ اپنے پاؤں پر نہیں کھڑا ہوگا۔ بجائے اس کے کہ جواب کی تلاش میں کچھ ورق گردانی کرتا اب لکیر کا فقیر ہی رہے گا، یہ تو اس وقت ہے کہ بچہ سبق سمجھ گیا ہو استاذ/ معلمہ نے سمجھانے پر محنت بھی کی ہو لیکن صد افسوس! اس پر کہ بچہ سبق ہی نہ سمجھا ہو تو وہ صرف استانی صاحبہ کے لکھوائے گئے جواب پر ہی انحصار کرے گا اور طوطے کی طرح رٹا لگائے گا، نیز امتحان یا ماہانہ ٹیسٹ میں سب کے جواب یکساں آئیں گے تو استاذ یا استانی کو کسی کے ذی

استعداد ہونے کا یا کسی کی پوشیدہ علمی صلاحیت کا کیسے پتہ چلے گا۔

اسی طرح مثلاً سائنس کی کتابوں میں (Things to do) کے عنوان کے تحت ایک سوال موجود ہے:

Make a puzzle for your friends use some of these Headings

Light - Heavy - Big - Small etc.

اور اوپر متعلقہ نقشہ موجود ہے، جس میں کچھ اشیاء دکھائی گئی ہیں۔ پھل، میوہ، روئی، لوہا، کرسی وغیرہ، اب بچہ اس نقشہ سے چیزوں کے اور اشیاء کے بڑے چھوٹے ہونے یا ہلکے، بھاری ہونے پر غور کر کے ہر ایک کا نام علیحدہ کالم میں لکھتا ہے تو ذہن کے بند دریچے کھلتے ہیں۔

جب سرے سے اس قسم کی مشق کو چھوڑ ہی دیا گیا یا کام کروایا بھی گیا تو استاذ/ استانی نے اپنی طرف سے جوابات لکھوا دیئے تو بچوں کا ذہن جیسا استعمال ہونا چاہیئے تھا ویسا نہیں ہوا۔

اسی طرح مثلاً ایک عملی مشق یہ تھی کہ..........

Find a book about the Earth in your Library

اب استاذ کی ذمہ داری یہ ہے کہ لائبریری میں بچوں کو لیجا کر وہ متعلقہ کتاب دیکھنے کو کہا جائے اور اس میں سے زمین کے متعلق کچھ معلوماتی مواد (Matter) اکٹھا کرنے کو کہا جائے، اس سے بچوں میں خود تحقیق اور جستجو کا مادہ بڑھے گا، نیز یہ بھی دھیان رہے گا کہ ہمارے اسکول کی لائبریری میں کس کس عنوان پر کتب موجود ہیں۔

مزید ایک مثال: ایک مشق (ایکسرسائز) ہے۔

کہ دیئے گئے الفاظ کے معانی ڈھونڈیئے، پھر (معانی سمجھتے ہوئے) ان الفاظ کو مختلف جملوں میں استعمال کریں، وہ بعض الفاظ ایسے ہیں کہ بولنے میں بظاہر ایک جیسے ہی معلوم ہو سکتے ہیں لیکن سب کے ہجے الگ ہیں اور ظاہر ہے کہ معانی بھی

الگ ہیں۔

Clothes- Cloth - Piece - Peace - Blue - Blew -Said Sad - read - reed.

اب اس ایکسرسائز کو بالکل ہی چھوڑ دیا تو بچوں کا کتنا نقصان ہوا۔

1. بچوں کو الفاظ کے ذخیرے (Vocabulary) کی وسعت پر توجہ ہی نہ گئی کہ ذرا ذرا سے حروف کے فرق سے الفاظ کا کتنا خزانہ موجود ہے۔
2. ہر نئے لفظ کے الگ معنی ہیں ان کے معانی سیکھنے سے محرومی ہوئی۔
3. کیا خبر کبھی کوئی جملہ بولتے لکھتے سے اس لئے رہ گیا ہو کہ ایک ہی صحیح لفظ کی تلاش ہوا اور وہ مل نہ سکا۔ وہ مطلوبہ لفظ، الفاظ کے ان ذخیروں میں مل جاتا۔

لہٰذا استاذ صاحب/ استانی صاحبہ بچوں میں اضافی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے اپنی کسی واقعی (یا فرضی) مشغولیت کی وجہ سے وقت نہیں دے سکتیں، تو از راہِ عنایت اتنا کرم تو کر دیں کہ کتاب ہی میں درج شدہ کارآمد اور مفید تمرینات حل کرانے سے اعراض نہ فرمائیں کہ اس میں بچوں کا تو شدید نقصان ہے ہی اور آپ کا بھی اس درجہ میں نقصان ہے کہ آپ ان بچوں کو کبھی بھی گھر سے کوئی مضمون یا کہانی عربی یا انگریزی زبان میں لکھ کر لانے کا کام نہ دیں سکیں گی/ گے۔

(اس لئے کہ پوت کے پاؤں تو پالنے ہی میں نظر آجاتے ہیں، اور اس لئے کہ بچھڑا پالنے والا جانتا ہے کہ ابھی اس کے کتنے دانت نکلے ہیں) یعنی آپ خود جانتے یا جانتی ہیں کہ اس قابل بچوں کو بنایا ہی کب ہے کہ وہ ۸ یا ۱۰ جملوں پر مشتمل عربی، اردو یا انگریزی زبان میں صاف صاف مضمون لکھ کر لائیں۔

ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ آپ بچوں کو مکتبہ (لائبریری) بھیجئے کہ اس مضمون پر کتابوں میں دیکھ کر آؤ کیا لکھا ہے؟

اس کے مترادفات ڈھونڈ کر لاؤ، اس کے معانی تلاش کر کے لاؤ۔

جب بچہ محنت کر کے جیسا تیسا بھی لے آتا، پھر آپ صحیح بتلادیں تو بچہ کو خوشی

بھی بہت ہوگی، اور وہ چیز واقع فی الذہن بھی ہوگی۔ یعنی تا دیر ذہن میں محفوظ رہے گی۔

اور اس طرح گویا آپ نے طالب علم کو اس کی عمر کے حساب سے علم کے تالے کی چابی تھما دی، اس میں تحقیق وجستجو کا مزید جذبہ پیدا ہوگیا، ہر مشکل کام کو محنت سے حل کرنے کا طریقہ سکھلا دیا۔

لہٰذا اپنی ذمہ داری کا حصہ نبھانے کی نیت سے بھی اور بچوں کی خداداد صلاحیتوں میں اضافہ کرنے کی نیت سے بھی اس کا اہتمام کریں کہ خدارا! اہم تمرینات ہرگز ہرگز نہ چھوڑیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہو اور آپ کی کوشش قبول فرمائے۔ آمین

تدریس میں مستقل مزاجی کامیابی کی ضمانت ہے

کہتے ہیں کہ کسی بھی مقصد میں کامیابی کے لئے عزمِ مصمم، مضبوط قوتِ ارادی اور مستقل مزاجی بنیادی شرائط ہیں۔

تیمور لنگ تاریخ میں لرزندۂ جہاں کے نام سے جانا گیا، جب کہ اس نے مستقل مزاجی کا درس ایک معمولی کیڑے (چیونٹی) سے لیا، جس نے دیوار پر چڑھنے کے لئے بیسیوں بار کوشش کی تو کامیاب ہوئی۔ انسان یہ طے کرلے کہ جس ادارے میں کام شروع کروں اسی ادارے سے ریٹائرمنٹ لوں۔

بزرگوں سے جب کامیابی کا راز پوچھا جاتا ہے تو ہنس کر دو لفظوں میں جواب دیتے ہیں ''مستقل مزاجی'' انسان کی نوے فی صد کامیابیوں میں جو عنصر پنہاں ہے وہ ''مستقل مزاجی'' ہی ہے، گو کہ کچھ دیگر محرکات بھی کارفرما ہوسکتے ہیں، لیکن اصل چیز بہرحال ارادے کی پختگی ہی ہے، اور یہ بات بھی طے ہے کہ بغیر رکاوٹ، دشواری یا مشکلات کے منزل کا حصول ممکن نہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ بآسانی حاصل ہونے والی چیز میں وہ مزہ بھی نہیں، جو تگ ودو اور جدوجہد سے ملنے والی شے میں

ہے۔

تدریس اور اس میں ترقی کوئی گڈے گڑیا کا کھیل نہیں ہوتا، اس کے لئے بڑی ہمت وحوصلے اور استقلال کی ضرورت ہے، آپ نے سنا ہوگا کہ مستقل مزاجی اور مسلسل محنت کی بدولت فلاں شخص ترقی کرکے سولہ گریڈ تک پہنچ گیا، فلاں شخص فلاں اسکول میں آٹھویں گریڈ میں ملازم ہوا تھا، اب سولھویں گریڈ میں پہنچ گیا ہے، آگے بڑھنے کا جذبہ اور کام کی لگن اسے تحریک دیتے رہے۔ انسان استقلال اور محنتِ شاقہ کی وجہ سے ترقی کی منازل طے کرتا ہے۔

ایک شخص کسی مدرسے میں تعلیم الاسلام سے تدریس شروع کرتا ہے اور مستقل مزاجی کے ساتھ لگے رہنے سے وہ وہاں کے بڑے استاذوں کی صف میں شامل ہو جایا کرتا ہے، مسلمان جب بھی کوئی کام شروع کرتا ہے تو وہ اس یقین کے ساتھ کرتا ہے کہ میں اس میں ضرور کامیاب ہوں گا، وہ پیش آمدہ مشکلات اور عارضی رکاوٹوں کے ساتھ بہادرانہ جنگ کرتا ہے اور بالآخر ضرور کامیاب ہو جاتا ہے اور قانون قدرت ہمیشہ اس نتیجے کی تائید کرتا چلا آیا ہے۔

ایک روز حضرت جنید بغدادی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی اپنے مریدوں کے ساتھ بغداد کے ایک محلے سے گزر رہے تھے، اچانک دیکھا کہ چوراہے پر ایک لاش لٹکی ہوئی ہے جس کا ایک طرف کا ہاتھ اور دوسری طرف کا پاؤں کٹا ہوا تھا۔ معلوم کرنے پر لوگوں نے بتایا: یہ ایک چور اور ڈاکو تھا پہلے چوری کی سزا میں ہاتھ کٹا، لیکن اس نے چوری نہیں چھوڑی، پھر پکڑا گیا اور اس کا پاؤں کاٹ دیا گیا۔ پھر اس نے قتل کیا اور آخر موت کی سزا دی گئی۔

یہ سن کر حضرت جنید بغدادی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی آگے بڑھے اور اس لاش کے پاؤں کو چوم لیا، مریدوں کو بڑا تعجب ہوا کہ اس چور اور قاتل کے پاؤں کو حضرت جنید بغدادی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی جیسے شیخ کامل کیوں چوم رہے ہیں۔ مریدوں نے پوچھا کہ

حضرت یہ شخص تو عادی چور اور قاتل ہے آپ نے اس کا پاؤں کیوں چوما؟

فرمایا "میں نے اس شخص کے پاؤں کو نہیں، بل کہ اس کی استقامت اور مستقل مزاجی کو چوما ہے کہ یہ استقامت اگر دین کے کاموں میں صرف ہوتی تو پتا نہیں یہ شخص کس مقام پر ہوتا۔"[1]

جب بھی کسی مدرسہ، اسکول، جامعہ میں تدریس شروع کی جائے تو کمزور اور بودے خیالات کو دل سے نکال کر آہنی عزم، سنگین استقلال اور روشن اُمیدوں کے ساتھ یہ کام شروع کیا جائے، اس کا اثر یہ ہوگا کہ آپ پوری سرگرمی وانہماک اور دلی توجہ کے ساتھ اپنے کام کو انجام دیں گے اور بفضلہ تعالیٰ اس میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ کہتے ہیں: کامیابی کے لئے لیاقت وقابلیت کی اتنی ضرورت نہیں جتنی محنت واستقلال کی ہے۔ کوک کا مقولہ ہے کہ "بہت سے کام نہیں، بل کہ ایک ہی کام بہت سا کرنا چاہیے۔"

ایک محقق کہتا ہے: زندگی بھر میں عقل مندی کا کام یکجا نیت ہے اور ہزار خرابی ہرجائیت میں ہے۔ اس دنیا میں جس قدر بڑی شخصیات گزری ہیں انہوں نے اپنی طاقت کو یک جا کیا ہے انہوں نے ایک مرکز پر اس وقت تک اپنے ہتھوڑے سے متواتر چوٹیں لگائی ہیں جب تک کہ ان کا مقصد پورا نہیں ہوگیا۔

زمانے میں صرف وہی لوگ کامیاب ہوئے ہیں جنھوں نے صرف ایک خیال کو مدنظر رکھ کر اس کے لئے کوشش کی۔ اور تدریس کے ساتھ تو انتشار اور دوسرے کام کاج زندگی کے لئے بدترین مصیبت ہیں۔ تدریس کا مقدس پیشہ اپنے شریک کو گوارا نہیں کرتا۔

بزرگوں کا مقولہ ہے "قِيمَةُ كُلِّ امْرِءٍ مَّا يُحْسِنُهُ" ہر آدمی کی قیمت اسی سے ہے جس کو وہ بہتر طریقے سے کرسکتا ہے، ایک آدمی کسی فن میں کمال پیدا کرسکتا

[1] دین و دنیا، خطباتِ حکیم الامت: ۶۶/۳

ہے تو اسی سے اس کی پہچان بن جاتی ہے۔ اس فن کے "الف" سے "ی" تک وہ واقف ہوتا ہے، تو عام طلبہ کے علاوہ اس فن کے متخصص طلبہ کا بھی مرجع ہوا کرتا ہے، اس کی رائے کو حرفِ آخر سمجھا جاتا ہے اس فن کے متون...... اس کی شروحات...... اس کے مراجع...... اور اس کی مفتاح کے لئے یہ شخص قاموس اور معجم...... کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ مستقل مزاجی کے لئے ایک بہترین دعا حدیث میں وارد ہے ہر استاذ کو یہ دعا مانگتے رہنا چاہیے۔

"اَللّٰهُمَّ أَرْضِنِيْ بِقَضَائِكَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْ مَاقُدِّرَ لِيْ حَتّٰى لَآ أُحِبَّ تَعْجِيْلَ مَا أَخَّرْتَ وَلَا تَأْخِيْرَ مَا عَجَّلْتَ."[1]

تَرْجَمَہ: "اے اللہ! مجھے راضی کر دے تو اپنے فیصلوں پر اور برکت دے مجھے اُس میں جو تو نے مقدر کر دیا میرے لئے، تاکہ میں جلدی نہ چاہوں اس چیز کے واقع ہونے میں جس میں تیری طرف سے تاخیر ہو رہی ہے اور تاخیر نہ چاہوں اُس چیز کے واقع ہونے میں جس میں تیری طرف سے جلدی ہو رہی ہے۔"

مقصد سے لگن اور محسن کی احسان شناسی

مسئلہ خلق قرآن میں حضرت امام احمد ابن حنبل رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰى کو کوڑے مارنے کا واقعہ تاریخ اسلام کے مشہور واقعات میں سے ہے، امام اس آزمائش میں کامیاب ہوئے تو بعد میں کبھی کبھی فرماتے "رَحِمَ اللّٰهُ أَبَا الْهَيْثَمِ" "اللہ ابوالہیثم پر رحم فرمائیں" ان کے بیٹے نے ان سے ایک دن پوچھا کہ "یہ ابوالہیثم کون ہیں جن کے لئے آپ دعا کرتے رہتے ہیں؟

فرمایا: "آپ اسے نہیں جانتے ہیں؟" کہا: "نہیں"

[1] عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی، باب ما یقول اذا عسرت علیہ: ص۱۲۵، رقم: ۳۵۲

فرمایا: ”جس دن مجھے کوڑے مارنے کے لئے نکالا گیا تھا تو میں نے دیکھا کہ پیچھے سے ایک آدمی میرے کپڑے کھینچ رہا ہے، میں نے مڑ کر دیکھا تو اس نے پوچھا: ”آپ مجھے جانتے ہیں؟“

میں نے کہا: ”نہیں“

کہنے لگا: ”میں مشہور جیب تراش اور ڈاکو ابوالہیثم ہوں، سرکاری ریکارڈ میں یہ بات محفوظ ہے کہ مجھے مختلف اوقات میں اٹھارہ ہزار کوڑے مارے گئے ہیں، لیکن میں نے حقیر دنیا کی خاطر شیطان کی اطاعت پر پوری استقامت کا مظاہرہ کیا، آپ تو دین کے ایک بلند ترین مقصد کے لئے قید ہوئے ہیں، اس لئے کوڑے کھاتے ہوئے دین کی خاطر رحمان کی اطاعت پر صبر و استقامت سے کام لیجئے گا یعنی میں نے کوڑوں کی وجہ سے باطل کو نہیں چھوڑا تو آپ حق کو نہ چھوڑیئے گا۔“

اس کی اس بات سے حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کا حوصلہ مزید مضبوط ہوا، معلوم نہیں ابوالہیثم کو اپنا یہ جملہ بعد میں یاد بھی رہا تھا کہ نہیں، لیکن حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو یاد رہا کہ زندگی کی ایک کٹھن منزل میں کسی کے جملے سے حوصلہ بلند ہوا تھا، مردِ مؤمن کی شان یہی ہوتی ہے وہ نیکی فراموش نہیں ہوتا، وہ احسان اور نیکی کو ہمیشہ یاد رکھتا ہے، حضرت امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کو زندگی بھر جب کبھی ماضی کے وہ لمحات یاد آتے تو دعاؤں کے پھول لے کر یادوں کے مزار پر نچھاور کر لیتے۔

ع دل کی چوٹوں نے کبھی چین سے رہنے نہ دیا
جب سرد ہوا چلی، میں نے تجھے یاد کیا[1]

احسان دانش اردو کے ممتاز شاعر ہیں، مزدوروں اور غریبوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی جیسی سوز و گداز سے بھرپور تصویریں انہوں نے کھینچی ہیں، اس کی مثال

[1] مناقب الامام احمد بن حنبل لابن الجوزی: صفحہ ۳۱۶ بحوالہ کتابوں کی درس گاہ میں: صفحہ ۵۶

نام نہاد ترقی پسند حلقے کے بڑے سے بڑے شاعر کے ہاں بھی نہیں ملتی، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی شاعری ڈرائنگ روم کی شاعری نہیں، ان کی زندگی کا ایک طویل اور بہترین حصہ مزدوری میں گزرا، بہت سے لوگوں کو حیرت ہوگی کہ احسان دانش کی تعلیم پانچویں جماعت سے آگے نہ بڑھ سکی تھی، پنجاب یونیورسٹی کی تعمیر میں انہوں نے مزدوری کرتے ہوئے وہ کام کیا، جو اس زمانے میں بیل یا کسی جانور سے لیا جاتا، لیکن مسلسل مطالعہ اور اپنی علمی جدوجہد اور مستقل مزاجی سے بعد میں اسی یونیورسٹی کے امتحانات کے نگران مقرر ہوئے اور اب تک ان کی نظموں کا کئی زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے، ان کا یہ شعر تو بہت مشہور ہے اور آج بھی کسی جواں مرگ کی لوحِ تربت پر لکھا نظر آتا ہے:

یہ پھول اپنی لطافت کی داد پا نہ سکا
کھلا ضرور مگر کھل کے مسکرا نہ سکا

انہوں نے اپنی سوانح ”جہانِ دانش“ کے نام سے لکھی، جدوجہد اور عزم و ہمت سے زندگی کی کامیاب راہیں تلاش کرنے والوں کے لئے اس میں حوصلہ اور عبرت کا بڑا سامان ہے، یہاں ”جہانِ دانش“ سے ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔[1]

ہندوستان کے ایک تعلیمی نظام کے مشہور داعی نے جب اپنی کوششوں کا آغاز کیا، تو ایک بڑا طبقہ ان کا مخالف تھا، انہوں نے اپنے پروگرام کے لئے مالی تعاون کے سلسلے میں مختلف بااثر لوگوں سے ملاقاتوں کا سلسلہ شروع کیا، ایک بڑی ریاست کے نواب صاحب سے بھی انہوں نے ملاقات کی، اپنا پروگرام بتایا، نواب صاحب سے تعاون کی درخواست کی، نواب صاحب ان کے نظامِ تعلیم کے سخت مخالفین میں سے تھے، لیکن پھر بھی یہ وعدہ کر کے ان کو رخصت کیا کہ میں بذریعہ ڈاک جو کچھ ہو سکا ارسال کردوں گا، چند دنوں کے بعد ڈاک میں انہیں نواب صاحب کی طرف

[1] کتابوں کی درس گاہ میں: صفحہ ۹۷

سے ایک صندوقچی ملی، سمجھے کہ کوئی قیمتی ہدیہ ارسال کیا گیا ہے، لیکن جب کھولا تو اس میں پرانے جوتوں کا ایک جوڑا تھا، یہ نواب صاحب کی طرف سے ان پر طنز تھا، لیکن انہوں نے اپنی مستقل مزاجی، صبر و ہمت سے اس طنز کا کوئی اثر نہیں لیا، بل کہ جوتوں کا وہ جوڑا فروخت کیا اور اس رقم کی رسید کاٹ کر نواب صاحب کو بھیج دی، نواب صاحب ان کے مقصد کے ساتھ اس قدر لگن کو دیکھ کر بہت متاثر ہوئے اور اس وقت کے پچیس ہزار کی خطیر رقم ان کے پروگرام کے لئے دیئے۔[1]

استاذ کے آرام کے لئے سات چیزیں

تھکن انسان کو قبل از وقت بوڑھا کر دیتی ہے، ذہن سے پریشانی کے خیالات دور کرنے کیلئے ضروری ہے کہ آرام کریں، دنیا کے محققین و ماہر علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی کامیابیوں کے رازوں میں سے ایک راز آرام ہے۔

ذہنی تھکاؤ اور ذہنی دباؤ ایسی چیزیں ہیں جو خوبصورت سے خوبصورت چہرے کو بگاڑ دیتی ہیں، پھولوں کو آگ کے قریب رکھ دیا جائے تو وہ کچھ دیر بعد ہی مرجھا جاتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ تکالیف یا پریشانیاں کسی سے کہہ دینے سے آدھی رہ جاتی ہیں، اگر آپ ان سات باتوں کی عادت ڈال لیں تو ان شاء اللہ تعالیٰ آپ اعصابی تناؤ اور بہت سی پریشانیوں سے بچ سکتے ہیں۔

① عشاء کی نماز کے فوراً بعد تسبیحات فاطمہ، سورۂ ملک پڑھ کر سوجانا اور فجر کی نماز سے پہلے اُٹھ جانا۔ تمام یونانی حکماء و اطباء کا اس پر اتفاق ہے کہ جو شخص غروب آفتاب کے ڈھائی گھنٹے بعد سوجائے گا اور آفتاب کے طلوع ہونے سے ڈھائی گھنٹے پہلے اُٹھ جائے گا اس کی صحت بہت اچھی رہے گی، آنکھ، کان،

[1] کتابوں کی درس گاہ میں: صفحہ ۱۹۳

دماغ، اخیر عمر تک اچھی طرح کام کرتے رہیں گے اور یہ انسانی مشاہدہ و تجربہ ہے کہ رات کے ابتدائی حصے کے چند گھنٹوں کی نیند جو سکون پہنچاتی ہے، تہائی حصے کی نیند بمع دن کے کئی گھنٹوں کی نیند کے بھی وہ آرام نہیں پہنچاتی۔ اسی لئے بعض حکماء کا مقولہ ہے کہ نصف شب سے پہلے ایک گھنٹے کی نیند بعد کے دو گھنٹے کی نیند کے برابر ہوتی ہے۔

رات ہوتے ہی قدرتی طور سے فضا میں ایسے آثار نمودار ہوتے ہیں کہ ہر قسم کے چرند پرند حیوانات و جانوروں کو نیند آجاتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے موافق:

﴿هُوَالَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِتَسْکُنُوْا فِیْهِ﴾[1]

ترجَمہ: ”اللہ وہ ذات ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں آرام حاصل کرو۔“

رات دیر تک جاگتے رہنا خلاف فطرت ہے، جو شخص فطرت کی خلاف ورزی کرتا ہے وہ اس کے انجام کو ضرور پہنچ کر رہتا ہے چاہے دیر سے ہو، آنکھوں پر چشمے، کانوں کے سماعی اور اعصابی درد وغیرہ یہ بیماریاں وقت سے پہلے آلیتی ہیں۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کے بعد فضول باتیں کرنے سے ممانعت فرمائی ہے۔[2] ہاں عشاء کے فوراً بعد سو کر صبح سویرے اُٹھنے کی کوشش کرے کہ صبح کے وقت میں تھوڑا سا مطالعہ بھی رات کے کئی گھنٹوں کے مطالعے سے بہتر ہوتا ہے اور کیوں نہ ہو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے:

"اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لِأُمَّتِيْ فِيْ بُكُوْرِهَا"[3]

ترجَمہ: ”اے اللہ! میری امت کے لئے اس کی صبح کے وقت میں

[1] سورۃ یونس: آیت ۶۷
[2] ترمذي، كتاب الصلوٰة، باب ماجاء في كراهية النوم قبل العشاء والسمر بعدها: ۱/۴۲۱
[3] ابوداؤد، كتاب الجهاد باب في الإبتكار: ۱/۳۵۷

برکت نصیب فرما۔"

اس لئے کوشش کر کے نماز فجر کی ادائیگی کے فوراً بعد ناشتے وغیرہ سے فارغ ہوجائے۔

② مختصر قیلولہ کرنا (دوپہر کے وقت کھانے کے بعد تھوڑا سا آرام) بہت ہی مفید اور بہت ہی ضروری ہے۔ اور رات سونے سے قبل اگلے روز کا پروگرام طے کرنا۔

عجلت کے احساس اور کام کی بے ترتیبی کو ختم کرنے کے لئے رات کو سونے سے قبل اگلے روز کا پروگرام ترتیب دے لیں، اس طرح کام زیادہ اور تھکن کم ہوگی۔ جب استاذ کو یہ احساس ہوجائے کہ میرا مطالعہ صحیح وکافی ہورہا ہے، تو اعصابی تھکن کم رہ جاتی ہے، لیکن اگر اس کو احساس ہو کہ میں کاموں کی کثرت کی وجہ سے مطالعہ صحیح نہیں کر پاتا، طلبہ کے سوالات کے تسلی اور تشفی بخش جوابات نہیں دے پاتا تو اعصابی ودماغی تھکن زیادہ ہوتی ہے۔

③ تیسرا کام یہ کہ گھر سے نکلنے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھ لیا کریں اور گھر میں آنے کے بعد دو رکعت پڑھ لیا کریں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"إِذَا خَرَجْتَ مِنْ مَنْزِلِكَ إِلَى الصَّلٰوةِ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ يَمْنَعَانِكَ مَخْرَجَ السُّوْءِ وَإِذَا دَخَلْتَ مَنْزِلَكَ فَصَلِّ رَكْعَتَيْنِ يَمْنَعَانِكَ مَدْخَلَ السُّوْءِ"

تَرْجَمَۃ: "جب تم گھر میں داخل ہو تو دو رکعت نماز پڑھ لیا کرو یہ دو رکعتیں تمہیں گھر میں داخل ہونے کے بعد کی برائی سے بچالیں گی۔ اسی طرح گھر سے نکلنے سے پہلے دو رکعت پڑھ لیا کرو یہ دو رکعتیں تمہیں گھر

سے باہر نکلنے کے بعد کی برائی سے بچالیں گی۔"[1]

④ جیب میں ڈائری رکھنا، دن بھر میں جو درس میں اشکالات پیش آئیں ان کو اپنی ڈائری میں لکھ لیں پھر شام کو یارات کو مطالعے کے دوران دیکھ لیں کہ ان کا کیا حل ہے اور اپنے بڑوں سے پوچھ لیں اسی طرح مطالعے کے دوران جو نظمیں اشعار...... اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کے اقوال...... اقتباسات...... لطائف...... نکتے...... مفید حکایات...... تمثیلات دل ودماغ کو بھائیں تو ان کو بھی لکھ لیں، اور کبھی طبیعت اداس ہو یا تھکن محسوس ہو تو فوراً ڈائری نکال کر پڑھ لیجئے اس طرح آپ کو آرام ملے گا، اسی طرح ڈائری کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ جب آپ سفر میں کہیں بھی گئے ہوئے ہیں اور اکیلے ہیں یا سواری کا انتظار ہے اب اس موقع پر ڈائری کھول کر ان اشعار ونظموں کو یاد کر لیجئے، احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کیجئے پھر طلبہ کو سنایئے، جو استاذ طلبہ کو عربی میں احادیث زبانی سناتا ہے یا عربی کے اشعار، نظمیں انہی کی زبان میں سناتا ہے اسی طرح انگریزی، فارسی وغیرہ میں ان کے اقتباسات اور لطائف سناتا ہے تو طلبہ میں بھی ذوق وشوق بڑھتا ہے جس سے وہ بھی اپنے حافظے کو استعمال کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ ڈائری کے ذریعہ بہت بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ بہت سی چیزیں جن کا ہم اپنے ذہن پر بوجھ ڈال کر رکھتے ہیں اب وہ بوجھ ڈائری پر منتقل ہوجاتا ہے۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہٗ ایک مرتبہ خانقاہ سے گھر جارہے تھے، مجھے بھی اس طرف جانا تھا، میں بھی ساتھ ہولیا، راستے میں چلتے چلتے حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ اچانک رکے اور جیب سے کاغذ اور پنسل نکالی پھر کچھ لکھ کر اسے جیب میں

[1] شعب الایمان للبیہقی: ۴/۴۶۱، رقم: ۲۸۱۴

ڈال لیا، پھر خود ہی مجھ سے پوچھا ''سمجھے مولوی شفیع! کیا بات ہوئی؟''
میں نے انکار کیا تو فرمایا: ''دل کا بوجھ کاغذ پر ڈال دیا، ایک کام یاد آیا تھا جو خانقاہ میں واپس آکر کرنا ہے، نہ لکھتا تو دل کھٹکتا رہتا اب دل فارغ ہے'' پھر فرمایا: ''دل کو اللہ نے اپنے لئے ہی بنایا ہے۔''[1]

۵ طلبہ کی خوبیوں پر نظر رکھنا، طلبہ کی خامیوں پر غور وفکر سے استاذ مضمحل نظر آنے لگتا ہے اور اس سے ان کا علاج بھی نہیں ہوتا مزید مایوسی پیدا ہوجاتی ہے اُداس پن غالب ہوجاتا ہے، لہٰذا طلبہ کی خوبیوں کی تلاش میں مصروف رہئے، طلبہ کی اصلاح کے لئے نکتہ چینی کی بجائے تعریف کرنا زیادہ فائدہ مند ہوتا ہے، جو خوبیاں نظر آئیں ان کا تو تذکرہ کریں اور جو عیوب نظر آئیں اُن کو چھپالیں۔

اُن کی اصلاح کے لئے دعائیں مانگیں، آدھی رات کے بعد اُٹھ کر سنت کے موافق وضو کر کے دو رکعت نفل نماز پڑھ کر دعا مانگیں کہ اے اللہ! فلاں طالب علم پڑھائی میں جی نہیں لگاتا اس کو آپ ہدایت عطا فرمائیے، اے اللہ! فلاں کا دل مدرسہ/ اسکول سے اچاٹ ہوگیا ہے، اس کے دل میں علم کی اور اساتذہ کی محبت عطا فرمائیے، اے اللہ! فلاں طالب علم میں بے ادبی کا مرض ہے ساتھیوں سے جھگڑنے کی عادت ہے اے اللہ! آپ اس طالب علم کو اس مرض سے شفا عطا فرمائیے، آمین۔

اس طرح دعائیں کرتے رہنے کی برکت سے آپ دیکھیں گے کہ چند دنوں میں ان شاء اللہ الرحمٰن اس بچے کی کایا پلٹ جائے گی اور اس کے آئندہ کے اعمال کے اجر وثواب میں آپ کا بھی حصہ ہوگا۔ اور بار بار خامیوں، کوتاہیوں کے ذکر سے خود استاذ کو اور طلبہ دونوں کو نقصان ہوتا ہے۔

[1] ماخوذ از دل کی دنیا: ص ۴۱

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا قول ہے:

"اِنَّ لِلّٰهِ عِبَادًا يُمِيْتُوْنَ الْبَاطِلَ بِهَجْرِهٖ وَيُحْيُوْنَ الْحَقَّ بِذِكْرِهٖ"[1]

تَرجَمَہ: ''بے شک اللہ کے (بعض) بندے ایسے بھی ہیں جو برائی کو مٹا دیتے ہیں اس کا تذکرہ چھوڑنے سے اور حق کو وجود دیتے ہیں اس کا تذکرہ کرنے سے۔''

جس چیز کو ہم زندہ کرنا چاہتے ہیں اس کا تو ذکر کریں اور جس چیز کو ختم کرنا چاہتے ہیں اس کا ذکر ہی نہ کریں وہ خود بخود ختم ہوجائے گی، کیوں کہ اس کے ذکر سے وہ دوبارہ ذہنوں میں تازہ ہوجایا کرتی ہے۔

۶ ہم سب جانتے ہیں کہ شہد اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں میں سے ایک ایسی نعمت ہے جس کا بدل شاید ہی ملے، اور بے شمار امراض سے شفا اللہ تعالیٰ نے اس میں رکھی ہے، لہٰذا اساتذہ کو چاہیے کہ دماغی تھکن دور کرنے کے لئے اور اپنی صحت برقرار رکھنے کے لئے ''شہد'' ضرور استعمال کریں، سردی اور گرمی کے موسم کے ساتھ ساتھ اپنے مزاج کے بھی گرم اور سرد ہونے کا لحاظ رکھیں اور اپنی طبیعت کے مطابق شہد کی چائے اور شہد کا شربت استعمال کریں۔

سردی میں شہد کی چائے بنانے کے لئے ایک پیالی گرم پانی میں ایک چمچ شہد کا ڈالیں اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر پی لیں۔

کمزوری اور ناتوانی، سینے میں جلن، ہاضمے کی کمزوری، پسینہ کم آتا ہو یا بدبودار پسینہ آتا ہو، خون گاڑھا ہو، گیس کا مرض ہو یا بادی بواسیر ہو، چہرے پر داغ دھبے ہوں یا کیل مہاسے ہوں، سستی کاہلی محسوس ہوتی ہو، فساد خون ہو تو شہد کی چائے سے فائدہ اُٹھائیے۔

[1] حلیۃ الاولیاء، ذکر الصحابۃ من المہاجرین: ۹۲/۱، رقم: ۱۵۴

علاوہ ازیں سر درد میں، زکام میں شہد کی چائے سے فائدہ ہوتا ہے، زکام کے ساتھ کھانسی بھی ہو تو شہد کی چائے میں ذرا سا نمک ملا کر پی لیجیے۔

گرمی میں شہد کا شربت بنانے کے لئے ایک پیالی ہلکے ٹھنڈے پانی میں شہد کا ایک چمچہ ملالیں شربت تیار ہے، منہ کی کڑواہٹ دور کرنی ہو تو لیموں کے رس کے ساتھ شہد کا شربت پیجیے۔

تھوڑا سا ذہنی کام کرنے سے دماغ تھک جاتا ہو تو ایک بڑا چمچہ شہد سورۂ فاتحہ پڑھ کر یوں ہی پی لیجیے۔ حافظہ کمزور ہو جب بھی شہد اور بادام کا استعمال کیجیے، بھوک نہ لگنے کی شکایت میں شہد کی چائے یا شربت میں لیموں کا رس ملا کر پیجیے ان شاء اللہ تعالیٰ خوب بھوک لگے گی۔

۷ ساتویں چیز جو بہت اہم ہے وہ یہ کہ جس طرح اساتذہ کرام دن کو درس وتدریس مطالعہ ومراجعہ میں مشغول رہتے ہیں اسی طرح رات کو اساتذہ کرام کو چاہیئے کہ چار کام کریں، یہ چاروں کام مصلحین اور داعیانِ قوم کے لئے اسی طرح ضروری ہیں جس طرح جسمانی غذا، ان چار کاموں کے بغیر دن کی محنت اس طرح ہے جس طرح سائیکل کا ایک پہیہ ہو۔ مولانا احسان الحق صاحب دامت برکاتہم العالیہ ان چار باتوں کی ہر داعی (مصلحِ قوم) کو وصیت فرماتے ہیں کہ ان کا اہتمام کرے۔

① دن کے بارہ پندرہ گھنٹے انسانوں سے باتیں کیں، اب رات کو اللہ تعالیٰ سے ایک دو گھنٹے مناجات میں گزارے، وہ اس طرح کہ اخیر رات کو تلاوت قرآن کریم کا اہتمام کرے، تہجد کے نوافل میں قرآن کریم سنائے۔

② نماز میں لمبی لمبی رکعتیں پڑھے، رکوع سجدہ میں زیادہ تعداد میں تسبیح پڑھے، لمبا رکوع لمبا سجدہ کرے، رکوع وسجدہ کی دعائیں یاد کر کے اس میں مانگے۔

③ اپنے لئے، طلبہ اور ساری اُمت کے لئے دعائیں مانگے، اللہ کی رحمت کو اُن طلبہ کی طرف متوجہ کرے کہ اے اللہ! آپ اپنی رحمت کاملہ سے ہماری رہبری فرمائیے، طلبہ کی تربیت فرما دیجیے اور پورے عالم میں اُمتِ مسلمہ پر رحم فرمائیے۔

④ استغفار کرے، اللہ تعالیٰ نیک بندوں کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۝﴾[1]

تَرجَمہ: ”کہ وہ سحر کے وقت استغفار کرتے ہیں۔“

استغفار سے پریشانیاں دور ہوں گی، استغفار سے رزق میں برکت ہوگی، استغفار سے اولاد سے بھی نوازے جائیں گے۔ لہٰذا رات کے ان چاروں کاموں کا اہتمام ہر استاذ ومعلمہ کو کرنا چاہیئے۔ اور جب تہجد کے وقت یاد آئے تو ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیئے گا۔

استاذ بیوی بچوں کو شاگرد نہ سمجھے

انسان چوں کہ متلون المزاج ہے قدرت نے اس کو یہ صلاحیت نصیب فرمائی ہے کہ ہر جگہ وہ اپنی الگ حیثیت میں رہ سکتا ہے، لہٰذا ایک مدرس کو بھی چاہیئے کہ وہ مدرسہ اور اسکول میں تو ایک استاذ ہونے کی حیثیت قائم رکھے، لیکن گھر میں آکر وہ ایک شوہر یا والد یا بڑے بھائی/ والدہ/ بہن/ بیوی کی حیثیت سے ظاہر ہو، ہر جگہ ایک ہی حیثیت سے رہنا یہ ایک نقص ہے، کمی ہے، ضعف ہے، لہٰذا ہمت کر کے اس کمی کو دور کرنے کی کوشش کرے۔

مثلاً اسکول میں ہر کام سیٹ پر بیٹھے بیٹھے طلبہ یا خادم سے کروالئے جاتے ہیں اب گھر آکر ایسا نہ ہو کہ بیوی بچوں کو بھی خادم سمجھ بیٹھے، حتی الامکان اپنے کام خود کر

[1] سورة الذّٰريٰت: آیت ۱۸

لینے چاہئیں، اسی طرح کوئی طالب علم شور مچائے یا شرارت کرے تو فوراً استاذ اس پر ناراض ہوتا ہے، لیکن وہاں ۳۵ منٹ کے پیریڈ میں تو گزارہ چل جاتا ہے گھر میں آنے کے بعد وہی رعب بچوں پر قائم کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، ان کو اچھلنے کودنے دینا چاہیے اب آپ ایک والد کی حیثیت سے ہیں آپ خود بھی ان کے ساتھ ہنسی مذاق کیجیے، کھیلئے کودیے بچوں کے ساتھ بچے بن جائیے یہی آپ کا کمال ہوگا اور اسی سے بچوں کی صحیح تربیت ہوگی۔

بیوی بچوں کو گھر میں ہنستا ہوا رکھیے، پورا دن ان پر درس گاہ کا ماحول قائم نہ رکھیے ہاں درس گاہ کا ماحول بھی رہے، لیکن وہ اپنی حدود وضوابط کی رعایت رکھتے ہوئے ہو۔

والد یا والدہ کی ذمہ داری ہے کہ پورے گھر کو مسکراتا ہوا رکھیں، بقول کسی مرحوم ادیب کے جب ہنستے ہوئے بچوں کا تصور کرو تو.... یوں لگتا ہے کہ ساری دنیا روشن ہوگئی ہے، بڑی عمر کے لوگوں کی ہنسی یا خوشی میں یہ بات نہیں ہوتی، اس لئے کہ اول تو ان میں بچوں کا سا خلوص اور بے فکری نہیں ہوتی اور دوسرے بڑی عمر کے لوگ الگ الگ افراد ہوتے ہیں۔

لیکن بچے تو پھولوں یا پرندوں کی فطرت کا جزء ہوتے ہیں۔ چناں چہ ان کی خوشی یا ناخوشی یہی تاثر بیدار کرتی ہے کہ ساری دنیا ہنس رہی ہے یا ساری دنیا آنسو بہا رہی ہے۔

بس اتنا ہے کہ انہیں جس قدر خوشی بہم پہنچا سکتے ہیں پہنچائیں، اور اُمید رکھیں کہ جب یہ بڑے ہوں گے اور دین دار ہوں گے آپس میں محبت سے رہیں گے تو ان کی دنیا ہماری دنیا سے بہت بہتر ہوگی۔

اسی طرح اپنی بیوی کو بھی خوش رکھیں اس کو اپنی شاگردہ نہ سمجھیں، وہ کبھی آپ سے روٹھے گی، کبھی اپنا ناز منوائے گی، کبھی ناراض ہوگی آپ کو اُسے راضی بھی کرنا ہوگا

کچھ اساتذہ ومحققین کا خیال ہے ’’کہتے ہیں کہ بیوی کسی طرح بھی خوش نہیں رہ سکتی۔ چاہے شوہر اسے بارہ مصالحے کی چاٹ کھلائے یا اس کے لئے آسمان سے تارے توڑ کر لائے۔‘‘

اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر ہے کہ ہمارا خیال ہے بیوی کو خوش کیا جاسکتا ہے اور کیا گیا ہے۔ ضرورت صرف تھوڑی سی دانش مندی کی ہے۔ اگر شوہر یہ نکتہ سمجھ لے کہ اس کی بیوی بھی اس کی طرح گوشت پوست کی بنی ہوئی ہے۔ اس کے سینے میں بھی دل اور کھوپڑی میں دماغ ہے۔ وہ موم کی گڑیا نہیں اور نہ ہی موم کی ناک ہے کہ جیسے چاہے جدھر مرضی موڑ لو تو گویا اس نے بیوی کو خوش کرنے کی آدھی بازی جیت لی۔

اور اگر وہ یاد رکھے کہ ہماری بیوی بھی اللہ تعالیٰ کی وہ حساس اور جذباتی مخلوق ہے جس کے سکون کو شوہر کی ہلکی سی بے رخی بھی تباہ کرسکتی ہے، اور حضور اکرم ﷺ نے مرض الوفات میں آخری وصیت جو فرمائی وہ نماز اور ماتحتوں کے حقوق کی رعایت کے بارے میں فرمائی ہے۔

لہٰذا بیوی کو خوش کرنے کا پہلا گر یہ ہے کہ اس کی تعریف کے ساتھ ساتھ اس کی معمولی فرمائشوں کو بھی پورا کیا جائے۔ یا اچھے طریقے سے ٹال دیا جائے اگر وہ ایک خاص قسم کا بٹوہ خریدنے پر اصرار کرتی ہے تو اسے یہ کہہ کر منع نہ کیا جائے کہ تمہارے پاس پہلے ڈھیر سارے بٹوے اور جوتے ہیں، اب اور خرید کر کیا کروگی کیا تمہارا دکان کھولنے کا ارادہ ہے؟

اور تمہیں تو سمجھ نہیں ہے اس تنخواہ میں دال روٹی سے بمشکل گزارہ ہوتا ہے اور تمہیں بٹوؤں کی پڑی ہے کچھ تو عقل سے کام لو، اسی طرح اگر وہ کہے کہ گھر میں جو الارم والی گھڑی ہے وہ پرانی ہوگئی ہے اور وہ نئی گھڑی لینا چاہتی ہے تاکہ فجر کی نماز کے لئے اُٹھنے میں آسانی ہو، اس سے یہ مت کہیئے کہ اس تنخواہ میں گھر کا گزارہ تو ہوتا نہیں نئی گھڑی کے لئے پیسے کہاں سے آئیں گے۔ گھر کی گھڑی ابھی الحمد للہ

اچھی ہے۔ بے شک صحیح وقت نہیں بتاتی، لیکن جو کچھ بھی بتاتی ہے اس سے صحیح وقت کا اندازہ تو کیا جاسکتا ہے۔ ایسا کہنا بہت بڑا خطرہ مول لینے کے مترادف ہوگا۔ اس لئے چاہے آپ کو قرض لینا پڑے یا اپنی گھڑی فروخت کرنی پڑے، آپ اسے نئی گھڑی خرید دیجئے۔

چھوٹی چھوٹی جائز خواہشات جن کو آپ اپنی حیثیت کے موافق پورا کر سکتے ہیں تو ضرور پورا کیجیے اور جن کو آپ پورا نہیں کر سکتے تو خوبصورتی کے ساتھ ٹال دیجئے کہ گھڑی ضرور لیں گے اگر اللہ تعالیٰ کچھ کشادگی عطا فرمائیں، اور بیوی سے کہئے آپ خود بھی دو رکعت حاجت کی نماز پڑھیں اور بچوں سے بھی کہیں کہ دو دو رکعت صلوٰۃ الحاجت پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مانگو کہ اے اللہ! ہمیں گھڑی کی یا فلاں چیز کی ضرورت ہے آپ عطا فرمائیے۔

اس طرح بیوی بچوں کا یقین بھی اللہ تعالیٰ کی ذات پر پختہ ہوگا اور وہ ہر حاجت کے وقت سبب کے پاس جانے سے پہلے مسبب الاسباب کی طرف رجوع کریں گے اور یہ بھی یاد رکھیئے کہ.....

ہر بیوی کو اپنے میکے سے بے پناہ عقیدت اور محبت ہوتی ہے۔ اصل میں میکہ اسے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہوتا ہے۔ چاہے وہ میکے میں سوکھے ٹکڑے چبایا کرتی تھی اور سسرال میں پکوان کھا رہی ہے۔ وہ ہمیشہ یہی کہے گی کہ میکے میں اسے جو نعمتیں میسر ہیں وہ سسرال میں نہیں ہیں، حالاں کہ یہ ایک قسم کی خود فریبی یا غلط فہمی ہے، لیکن خیریت اسی میں ہے کہ بیوی کو اسی میں مبتلا رہنے دیا جائے۔ اس لئے اگر وہ آپ پر محض رعب جمانے کیلئے اپنے میکے کی تعریف میں مبالغہ بھی کرے تو کہیے۔

آپ ماشاء اللہ کہیئے، اور کہیئے کہ دعا کرو جیسے اللہ تعالیٰ نے آپ کے والدین کو مہمانوں کے اکرام کی توفیق دی تھی ہمیں بھی دے۔ جب کبھی بیوی کو ضرورت سے زیادہ خوش کرنا مقصود ہو تو حدود میں رہتے ہوئے اس کے میکے کی اتنی تعریف کرنی

چاہیئے جتنی وہ خود بھی نہ کر سکتی ہو۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ عورت سب سے زیادہ کیا پسند کرتی ہے تو مختلف شوہر مختلف جواب دیں گے۔ جوڑے میں لگانے کے لئے پھول، آئے دن ایک نیا سوٹ، سال بعد سونے کا زیور، میک اپ کا سامان جو درآمد کیا گیا ہو۔ یہ سب جوابات اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں، لیکن صحیح ترین جواب یہ ہے کہ "یہ درست ہے کہ میرے پاس دولت نہیں، شہرت نہیں، کوٹھی نہیں، کار نہیں، پھر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر بجا لاتا ہوں کہ میرے پاس ایک خوب صورت، ذہین اور فرمانبردار نیک بیوی تو ہے۔ یہ ایک ایسی نعمت ہے جس پر ہزاروں نعمتیں قربان کی جاسکتی ہیں۔"

ستائش کے ان چند جملوں کو سن کر بیوی کا دل باغ باغ ہو جائے گا، اور وہ پہلے سے کہیں زیادہ شوہر کی خدمت کرے گی۔ ستائش سے ملتا جلتا ایک اور حربہ یہ بھی ہے کہ بیوی کی دل جوئی کے لئے کوئی بات بنانا، مثال کے طور پر اگر بیوی کالا سوٹ پہن کر سوال کرے کیوں جی! کیا رائے ہے جناب کی؟

تو آپ جان بوجھ کر بات بناتے ہوئے جواب دیں ماشاء اللہ آپ ایسے لگتی ہیں جیسے یک لخت قندیل میں شمع روشن ہوگئی ہے۔ یا بادلوں میں مہتاب چمک رہا ہے، یا جیسے کوئلے کی کان سے ہیرا نکل رہا ہو وغیرہ، اگر آپ نے صداقت سے کام لیتے ہوئے کہہ دیا کہ آپ تو سانولی رنگت کی ہیں کالا سوٹ پہن کر اماوس کی رات لگ رہی ہیں یا واقعی گہرے رنگت کی بیوی آپ کے سامنے پان چباتی ہوئی آگئی اور ہونٹ اور منہ سرخ ہو رہے تھے آپ نے کہا: خیریت تو ہے کوئلے کی کان میں آگ کیوں لگ گئی، تو یہ سن کر واقعی اُس کے تن بدن میں آگ لگ جائے گی وہ آپ کو ساری رات معاف نہیں کرے گی۔

اسی طرح جب وہ آپ سے پوچھے "یہ نیا سوٹ پہن کر میں کیسی لگتی ہوں تو اس سوال کا جواب یہ نہیں "جیسی آپ پرانا سوٹ پہن کر لگتی ہیں۔" بل کہ یوں کہیئے کہ

ماشاء اللہ بہت ہی اچھی لگتی ہو اللہ نظر بد سے بچائے ویسے تو ہر سوٹ آپ پر اچھا لگتا ہے، لیکن کریم رنگ کا جوڑا تو ماشاء اللہ بہت ہی اچھا لگتا ہے۔

ایک شخص کا واقعہ یاد آیا کہ اُس نے اپنی ایسی بیوی کو جو قبول صورت تھی، لیکن کسی تقریب وغیرہ میں شمولیت کے لئے جاتے وقت اچھے لباس اور بہترین زیور سے اُس نے اپنے آپ کو اس طرح سجایا اور بنایا اور ایسا میک اپ چڑھایا کہ روپ ہی بدل گیا، اب جانے سے پہلے وہ شوہر کے سامنے آئی کہ میں کیسی لگ رہی ہوں؟ شوہر بڑے حرفوں کے بنے ہوئے تھے (ویسے بعض عورتیں بھی کم حرافہ نہیں ہوتیں) خیر! شوہر صاحب نے ایسا جملہ کہا کہ ظاہری بناوٹ کی تو تعریف ہوجائے، لیکن وہ عورت اپنی اصلیت بھی یاد رکھے تو جناب فرماتے ہیں "واہ واہ! کیا چراغاں کیا ہے اصلی عمارت تو نظر ہی نہیں آرہی۔" بہرحال یہ تو ایک لطیفہ تھا، لیکن یہ یاد رکھیئے! دنیا میں اب تک کوئی آئینہ ایسا وجود میں نہیں آیا جو کسی عورت کو بدصورت بتلا سکے۔

پھر ایک بات اور ہے کہ بیوی کے گھر سے مرد رشتہ دار اگر کوئی آجائے تو اس کا خوب اپنی وسعت کے موافق اکرام کریں، اس کے آرام کا خیال رکھیں، اس کے سامنے اپنی بیوی کی عبادت، پاک دامنی، گھر کے سلیقے وغیرہ اوصاف کی معتدل طریقے پر تعریف کریں اور بیوی کے سامنے اس کے گھر سے آنے والے کے سنجیدہ مزاج اور نمازوں کے اہتمام اور بلند اخلاق ہونے کی تعریف کریں۔ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کے اہتمام سے اور دعائیں کرتے رہنے سے انسان اپنی ازدواجی زندگی کو جنت بنا سکتا ہے، بیوی کو خوش رکھنے اور اس کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو معاف کرنے اور بیوی بچوں کو دین پر لانے کے لئے ہر شوہر کو چاہیئے کہ بیت العلم ٹرسٹ کی طرف سے شائع شدہ کتاب "تحفۂ دولھا" اور "مثالی باپ" کا مطالعہ ضرور کرے۔ اسی طرح بیوی کو چاہیئے کہ "تحفۂ دلہن" اور "مثالی ماں" نامی کتابوں کا مطالعہ ہدایت اور عمل کی نیت سے ضرور کرے۔ ان میں سے دو کتابوں کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہوچکا ہے،

خود بھی پڑھیں اور دوستوں کو بھی پڑھنے کی ترغیب دیں۔

جذبۂ عفو (معاف کرو اور فراموش کرو)

انسان میں ایک مادہ حیوانیت کا ہے جس میں یہ سانپ، شیر اور چیر پھاڑ دینے والے جانوروں کے ساتھ مشابہت رکھتا ہے اور ایک مادہ نورانیت کا ہے جس کی وجہ سے یہ فرشتوں سے بھی بلند درجہ اختیار کرلیتا ہے۔

جب یہ انسان کسی سے انتقام لینے پر آتا ہے تو بُرائی کا بدلہ دس گنا زیادہ دیتا ہے، بارگاہ ایزدی کا آئین ہے کہ بدی کی سزا بدی کے بقدر اور نیکی کی جزا دس گنا زیادہ دی جاتی ہے، لیکن وہ انسان جس نے اپنے قلب ودماغ پر محنت نہیں کی، اپنی روحانیت کو سنوارا نہیں، اہل اللہ کی صحبت میں نہیں بیٹھا اس کے ہاں قانون اس کے برعکس ہے، پس اگر ایسے نادان انسان کو کوئی "تم" کہتا ہے تو وہ اُسے "تو" کہتا ہے اور جو اُسے تو کہتا ہے تو اس کا جواب گالی سے دیتا ہے، پھر اس کا جواب زبان کی بجائے ہاتھ سے دینا چاہتا ہے۔

موقع ہو یا نہ ہو، لیکن اس کا عمل "کلوخ انداز را پاداش سنگ است" پر ہوتا ہے ایسے کم قسمت انسان جن کی تربیت نہیں ہو پائی کسی روحانی مصلح کی صحبت میں نہیں بیٹھے، اللہ اللہ کرنے والے کسی صاحبِ دل کی خانقاہ میں وقت نہیں گزارا، اللہ کے خاص بندوں کے ساتھ ایمانی دعوت کے ماحول میں اُٹھے بیٹھے اور پھرے نہیں ہیں یا یہ سب کام کرنے کے باوجود اگر اپنی اصلاح کی نیت ہی نہیں کی، یا رو رو کر دعائیں نہیں مانگیں تو ان کی فطرت بھی عجیب ہوتی ہے۔

اگر کوئی اس کے ساتھ احسان کرے تو اس کے اچھے بدلے کے لئے سالہا سال بھی تیاری نہیں ہوتی، لیکن اگر اس کے ساتھ برائی کی جائے تو جلد از جلد انتقام لینا چاہتا ہے، بدی کی مکافات کا جذبہ اس کے دل میں بہت جلد پیدا ہوتا ہے اور

بُری طرح پیدا ہوتا ہے۔

ایک بوڑھے کے تین بیٹے تھے، ایک دن اس نے اپنے تینوں بیٹوں کو روبرو بلا کر اپنی تمام نقدی جائیداد کو مساوی طور پر تقسیم کردیا اور ایک بیش قیمت جواہر دکھلا کر کہا: اس کا مستحق وہ بیٹا ہوگا، جو میری زندگی کے بقیہ چند ایام میں سب سے اچھا کوئی نیکی کا کام کرے گا۔

کچھ عرصہ کے بعد ایک لڑکے نے آکر کہا: اب وہ جواہر مجھے دیجئے۔ بوڑھے نے پوچھا: کس نیکی کے عوض تم یہ جواہر طلب کرتے ہو؟

لڑکے نے کہا: ایک شخص نے پانچ ہزار روپے میرے پاس بطور امانت رکھے، جس کے متعلق نہ کوئی نوشت تھی اور نہ ہی گواہ تھا۔ اس شخص کے واپس آنے اور امانت طلب کرنے پر میں نے اس کی پانچ ہزار روپے کی امانت اس کو واپس کردی۔ حالاں کہ اگر میں انکار کردیتا تو وہ میرا کچھ نہ بگاڑ سکتا تھا۔ اس سے بڑھ کر نیکی کا کام اور کیا ہوسکتا ہے؟

بوڑھے نے ہنس کر کہا: نیکی کا یہ ایک معمولی کام ہے۔ جس کو کچھ اہمیت نہیں دی جاسکتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ تم ایک گناہ سے بچ گئے۔ اگر دوسرے دونوں لڑکوں نے میری زندگی میں اس سے زیادہ اچھا کام نہ کیا، تو مرتے وقت یہ جواہر تم کو دے دیا جائے گا۔

چند روز کے بعد دوسرا بیٹا بوڑھے باپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور وہ جواہر طلب کیا۔ بوڑھے نے پوچھا: کس نیکی کے عوض؟

"لڑکے نے جواب دیا: دریا نہایت طغیانی پر تھا۔ اتفاقاً ایک لڑکا پل پر سے دریا میں گر گیا۔ اس کے ماں باپ اور دیگر سینکڑوں اشخاص میں سے کسی کو اس کے نکالنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ میں نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر بڑی مشکل کے ساتھ اس لڑکے کو زندہ نکالا۔ اس سے بڑھ کر نیکی اور قربانی کی اور کیا مثال ہوسکتی ہے؟

بوڑھے نے ہنس کر کہا: ہمدردی اور انسانیت کا یہ ایک معمولی فعل ہے اور اگر تیسرے بیٹے نے اس سے بہتر کوئی کارنامہ نیکی نہ دکھلایا، تو یہ جواہر تم کو دے دیا جائے گا۔

چند روز کے بعد تیسرا لڑکا باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے بخلاف دونوں بھائیوں کے جواہر تو طلب نہ کیا۔ البتہ اپنی کارگزاری یوں بیان کی کہ میرا ایک جانی دشمن، نشہ شراب سے مخمور پہاڑ کے ایک غار کے منہ پر اس طریقے سے بے ہوش پڑا تھا کہ ادھر ادھر ذرا سی حرکت کرنے پر وہ اس قدر بلندی سے گر کر ضرور مرجاتا۔ باوجود اپنا جانی دشمن جاننے کے میں نے اس کو اٹھایا اور اپنے منہ کو میں نے کسی کپڑے سے ڈھانپ لیا۔ تاکہ اگر وہ جاگ جائے تو میری صورت پہچان کر شرمندہ نہ ہو۔ اور رات کی تاریکی میں اپنی پشت پر اٹھا کر اس کے گھر چھوڑ آیا۔ بوڑھے نے بلا تامل وہ جواہر اس کے حوالے کیا اور کہا: درحقیقت تیری نیکی قابل صد ہزار ستائش اور حقیقی نیکی ہے، اور اس جواہر کا تیرے سے زیادہ کوئی مستحق نہیں ہوسکتا۔ نتیجہ یہ کہ نیکی وہی ہے جو دشمنوں اور برے لوگوں کے ساتھ کی جاتی ہے۔ ورنہ[1]

بدی را بدی سہل باشد جزا
اگر تو مردی اَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ

اس لئے ادارہ میں جس استاذ جس شاگرد سے آپ کو تکلیف پہنچی ہو اس کو بھی معاف کردیجئے اور اس کے ساتھ بھی حسن سلوک والا معاملہ کیجیے۔

شاگردوں سے خطا ہوجائے تو ان کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سورۂ یوسف کی تفسیر میں ایک

[1] مخزن اخلاق: ص ۳۱۳

جگہ فرماتے ہیں: اولاد سے گناہ وخطا ہوجائے تو قطع تعلق کی بجائے ان کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے، یہ مبارک مضمون بعینہ اساتذہ کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے تاکہ ہم بھی اپنے شاگردوں اور اولاد کے ساتھ نرمی و مہربانی والا سلوک کریں۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ سے جو ہمیں راہنمائی ملی اور جو ہدایات حاصل ہوئیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

پہلی ہدایت: برادرانِ یوسف علیہ السلام سے جو خطاء اس سے پہلے سرزد ہوئی وہ بہت سے کبیرہ اور شدید گناہوں پر مشتمل تھی مثلاً:

۱ جھوٹ بول کر والد کو اس پر آمادہ کرنا کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ تفریح کے لئے بھیج دیں۔

۲ والد سے عہد کرکے اس کی خلاف ورزی

۳ چھوٹے معصوم بھائی سے بے رحمی اور شدت کا برتاؤ

۴ ضعیف والد کی انتہائی دل آزاری کی پرواہ نہ کرنا

۵ ایک بے گناہ انسان کو قتل کرنے کا منصوبہ بنانا

۶ ایک آزاد انسان کو جبراً اور ظلماً فروخت کر دینا۔

یہ ایسے انتہائی اور شدید جرائم تھے کہ جب حضرت یعقوب علیہ السلام پر یہ واضح ہوگیا کہ انہوں نے جھوٹ بولا ہے، اور دیدہ و دانستہ حضرت یوسف علیہ السلام کو ضائع کیا ہے تو اس کا مقتضیٰ بظاہر یہ تھا کہ وہ ان صاحبزادوں سے قطع تعلق کر لیتے، یا ان کو نکال دیتے، مگر حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایسا نہیں کیا، بل کہ وہ بدستور والد کی خدمت میں رہے، یہاں تک کہ انہیں مصر سے غلہ لانے کے لئے بھیجا، اور اس پر مزید یہ کہ دوبارہ پھر ان کو چھوٹے بھائی کے متعلق والد سے عرض معروض کرنے کا موقع ملا اور بالآخر ان کی بات مان کر چھوٹے صاحبزادہ کو بھی ان کے حوالہ کر دیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اولاد سے کوئی گناہ وخطا سرزد ہوجائے تو باپ کو چاہیے کہ تربیت کرکے ان کی اصلاح کی فکر کرے، اور جب تک اصلاح کی امید ہو قطع تعلق نہ کرے، چناں چہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایسا ہی کیا، اور بالآخر وہ سب اپنی خطاؤں پر نادم اور گناہوں سے تائب ہوئے، ہاں اگر اصلاح سے مایوسی ہوجائے اور ان کے ساتھ تعلق قائم رکھنے میں دوسروں کے دین کا ضرر محسوس ہو تو پھر قطع تعلق کرلینا انسب ہے۔

دوسری ہدایت: حسنِ معاملہ اور حسنِ خلق کی ہے، جو یہاں حضرت یعقوب علیہ السلام سے ظاہر ہوا، کہ صاحب زادوں کے اتنے شدید جرائم کے باوجود ان کا معاملہ ایسا رہا کہ دوبارہ چھوٹے بھائی کو ساتھ لے جانے کی درخواست کرنے کی جرأت کرسکے۔

تیسری ہدایت: یہ بھی ہے کہ ایسی صورت میں بغرضِ اصلاح خطا کار کو جتلا دینا بھی مناسب ہے کہ تمہارے معاملہ کا تقاضا تو یہ تھا کہ تمہاری بات نہ مانی جاتی، مگر ہم اس سے درگزر کرتے ہیں، تاکہ وہ آئندہ شرمندہ ہوکر اس سے کلی طور پر تائب ہو جائے۔ جیسا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اول جتلایا کہ کیا بنیامین کے معاملہ میں بھی تم پر ایسا ہی اطمینان کرلوں، جیسا یوسف (علیہ السلام) کے معاملہ میں کیا تھا؟ مگر جتلانے کے بعد غالب احوال سے ان کا تائب ہونا معلوم کرکے اللہ پر توکل کیا، اور چھوٹے صاحبزادے کو ان کے حوالہ کردیا۔

چوتھی ہدایت: یہ ہے کہ کسی انسان کے وعدہ اور حفاظت پر حقیقی طور سے بھروسہ کرنا غلطی ہے، اصل بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہونا چاہیے، وہی حقیقی کارساز اور مسبب الاسباب ہیں۔ اسباب کو مہیا کرنا پھر ان میں تاثیر دینا سب انہی کی قدرت میں ہے۔ اسی لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا ﴿فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا﴾ [1]

حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ اس مرتبہ چوں کہ حضرت

[1] سورۃ یوسف: آیت ٦٤

یعقوب علیہ السلام نے صرف اولاد کے کہنے پر بھروسہ نہیں کیا، بل کہ معاملہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: قسم ہے میری عزت وجلال کی! کہ اب میں آپ کے دونوں بیٹوں کو آپ کے پاس واپس بھیجوں گا۔

اسی طرح سورۂ آل عمران کی آیت ﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝﴾[1] کی تفسیر میں حضرت مفتی اعظم پاکستان رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

امام بیہقی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت سیدنا علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے، کہ آپ کی ایک کنیز آپ کو وضو کرا رہی تھی کہ اچانک پانی کا برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے اوپر گرا، تمام کپڑے بھیگ گئے، غصہ آنا طبعی امر تھا، کنیز کو خطرہ ہوا تو اس نے فوراً یہ آیت پڑھی ﴿وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ﴾ یہ سنتے ہی خاندانِ نبوت کے اس بزرگ کا سارا غصہ ٹھنڈا ہوگیا، بالکل خاموش ہوگئے۔ اس کے بعد کنیز نے آیت کا دوسرا جملہ ﴿وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ پڑھ دیا، تو فرمایا: میں نے تجھے دل سے بھی معاف کر دیا، کنیز بھی ہوشیار تھی، اس کے بعد اس نے تیسرا جملہ بھی سنا دیا، ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ جس میں احسان اور حسن سلوک کی ہدایت ہے۔ حضرت علی بن حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یہ سن کر فرمایا: جا میں نے تجھے آزاد کر دیا۔[2]

لوگوں کی خطاؤں اور غلطیوں کو معاف کر دینا انسانی اخلاق میں ایک بڑا درجہ رکھتا ہے، اور اس کا ثواب آخرت میں نہایت اعلیٰ ہے، حدیث میں رسول کریم

[1] آل عمران: آیت ۱۳٤
[2] الجامع لشعب الایمان، فصل فی ترک الغضب ..... وفی کظم الغیظ: ۱۰/۵٤۵، رقم: ۷۹٦٤

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"مَنْ سَرَّهٗ أَنْ يُشْرَفَ لَهُ الْبُنْيَانُ وَأَنْ تُرْتَفَعَ لَهُ الدَّرَجَاتُ فَلْيَعْفُ عَنْ مَّنْ ظَلَمَهٗ وَيُعْطِيْ مَنْ حَرَمَهٗ وَيَصِلُ مَنْ قَطَعَهٗ."[1]

ترجمہ: "جو شخص یہ چاہے کہ اس کے محلات جنت میں اونچے ہوں اور اس کے درجات بلند ہوں، اس کو چاہیئے کہ جس نے اس پر ظلم کیا ہو اس کو معاف کر دے اور جس نے اس کو کبھی کچھ نہ دیا ہو، اس کو بخشش و ہدیہ دیا کرے، اور جس نے اس سے ترک تعلقات کیا ہو یہ اس سے ملنے میں پرہیز نہ کرے۔"

قرآن کریم نے دوسری جگہ اس سے زیادہ وضاحت سے برائی کرنے والوں کے ساتھ احسان کرنے کا خلق عظیم سکھلایا، اور یہ بتلایا کہ اس کے ذریعہ دشمن بھی دوست ہو جاتے ہیں، ارشاد فرمایا:

﴿اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِيْ بَيْنَكَ وَبَيْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهٗ وَلِيٌّ حَمِيْمٌ ۝﴾[2]

ترجمہ: "یعنی برائی کی مدافعت بھلائی اور احسان کے ساتھ کرو، تو جس کے ساتھ دشمنی ہے وہ تمہارا گہرا دوست بن جائے گا۔"

فائدہ: یہ ایک بہت ہی اہم اخلاقی ہدایت ہے کہ برائی کو اچھائی کے ساتھ ٹالو۔ یعنی برائی کا بدلہ احسان کے ساتھ، زیادتی کا بدلہ عفو کے ساتھ، غضب کا صبر کے ساتھ، بے ہودگیوں کا جواب چشم پوشی کے ساتھ اور مکروہات (ناپسند باتوں) کا جواب برداشت اور حلم کے ساتھ دیا جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا دشمن، دوست

[1] مجمع الزوائد، کتاب البر والصلۃ، باب مکارم الاخلاق: ۸/۲٤٦، رقم: ۱۳٦۹٦
[2] سورۃ حم السجدۃ: آیت ۳٤

بن جائے گا دور دور رہنے والا قریب ہو جائے گا، اور خون کا پیاسا تمہارا گرویدہ اور جانثار ہو جائے گا۔

حق تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کی اخلاقی تربیت بھی اسی اعلیٰ پیمانہ پر فرمائی ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی امت کو بھی یہ ہدایت دی ہے:

"صِلْ مَنْ قَطَعَكَ وَاعْفُ عَمَّنْ ظَلَمَكَ"[1]

"وَأَحْسِنْ إِلَى مَنْ أَسَاءَ إِلَيْكَ"[2]

تَرْجَمَۂ: "یعنی جو شخص آپ سے قطع تعلق کرے آپ ان سے ملیں، اور جو آپ پر ظلم کرے آپ اس کو معاف کریں، اور جو آپ کے ساتھ برائی کرے آپ اس پر احسان کریں۔"[3]

مدرّس اور پرنسپل کس طرح انتقام لینے سے بچ سکتا ہے

انتقام لینے کی طرف انسان کو بالطبع میلان ہوتا ہے اور میلان بھی ایسا ہے کہ کوئی دوسرا میلان اس کی برابری نہیں کر سکتا، اس لئے اس کی روک تھام میں سب سے زیادہ اہتمام کرنا چاہیے، خصوصاً اساتذہ و معمارانِ قوم اور قائدین کی جماعت کو انتقام سے کوسوں دور اور عفو و درگزر کے جذبے سے لبریز ہونا چاہیے۔

کسی سے انتقام لینے سے آدمی اس کے برابر نہیں، بل کہ اس سے بدتر ہو جاتا ہے، مگر معاف کرنے سے اس سے برتر ہو جاتا ہے، کیوں کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، بزرگوں اور بادشاہوں کا کام انتقام لینا نہیں، بل کہ ان کا کام معاف کرنا ہے۔ بزرگوں کا قول ہے، دانشمند حال اور استقبال کی طرف توجہ کرتے ہیں اور ماضی کی باتوں کو یوں سمجھتے ہیں کہ وہ ہو چکیں۔ "معاف کرو اور فراموش کرو" کے زرّیں مقولے

[1] مسند احمد: ۱۵۸/٤، رقم: ١٦٩٩٩ بروایت عقبہ بن عامر

[2] کنز العمال، کتاب الاخلاق، المجلد الثانی: ۱٤٥/۳ رقم ٦٩٢٦

[3] بحوالہ معارف القرآن: ۱۸۹/۲، ۱۹۰، آل عمران: آیت ۱۳٤

کو ہمیشہ یاد رکھتے ہیں۔[1] یہ امر تحقیق شدہ ہے کہ جو شخص انتقام کے درپے رہتا ہے وہ اپنے زخموں کو ہرا رکھتا ہے۔ اگر وہ درپے انتقام نہ رہتا تو یہ زخم بھر کر خود بخود اچھے ہو جاتے، بہترین اور سخت ترین انتقام یہ ہے کہ تم اپنے دشمنوں کے ساتھ نرمی اور شیریں کلامی کے ساتھ ان کی ہڈیاں توڑ دو اور ان کے سر پر معافی کے کوئلے جلا کر اُن کو مجروح کرو اور ان کی خطائیں معاف کر کے اپنی روحانی خوشیوں کی پرورش کرو۔[2]

بزرگوں کا ارشاد ہے:

اگر کوئی آپ کے راستہ میں کانٹے بچھائے تو آپ اس کے راستہ میں کانٹے نہ بچھائیں، ورنہ ساری دنیا میں کانٹے ہی کانٹے ہو جائیں گے۔

یاد رکھیں کہ استاذ کی حیثیت صندل کے درخت جیسی ہوتی ہے کہ صندل کا درخت اس کلہاڑے کا منہ بھی خوشبودار بنا دیتا ہے جو اسے کاٹتا ہے۔[3]

کسی شخص سے آپ کو کسی طرح بھی کوئی تکلیف پہنچی ہو اس کا بہترین حل یہ ہے کہ اس کے لئے دعائیں کریں کہ اے اللہ! فلاں بھائی.... فلاں بہن کو ہدایت دے دے کہ وہ اس طرح کی تکلیف اوروں کو نہ پہنچائیں یا مجھے نہ پہنچائیں۔

اے اللہ! مجھے اس شخص کی شرارتوں سے بچا، اپنی امان اور عافیت میں مجھ کو رکھ! آمین

یہ بھی مسنون دعاؤں میں ایک دعا ہے۔

"كُنْ لِي جَارًا مِنْ شَرِّ خَلْقِكَ أَجْمَعِينَ أَنْ يَفْرُطَ عَلَيَّ أَحَدٌ مِنْهُمْ أَوْ يَطْغَى عَزَّ جَارُكَ، وَتَبَارَكَ اسْمُكَ."[4]

تَرْجَمَۂ: "تو اپنی ساری مخلوق کے شر سے میرے لئے محافظ ہو جا، کہیں

[1] مخزن اخلاق: ص ۳٤ [2] مخزن اخلاق: ص ٤۳۱

[3] مکتوبات فقیر: ۲۲ مکتوب نمبر: ۹

[4] مجمع الزوائد، کتاب الاذکار، باب ما یقول اذا ارق او فزع: ۱۲۹/۱۰، رقم: ۱۷۰٦۳

ان میں سے کوئی مجھ پر ظلم یا سرکشی کرنے لگے، تیری حفاظت بڑی مضبوط اور تیرا نام بڑا بابرکت والا ہے۔"

جو شخص کسی کو نقصان پہنچاتا ہے وہ اپنے تئیں اس کو عزیز سمجھتا ہے اس لئے کہ کوئی شخص برائی کو برائی کی خاطر نہیں کرتا، بل کہ اس میں اپنی منفعت یا کوئی خوشی یا عزت یا ادارے کی بھلائی یا خود سامنے والے کی اصلاح کی خاطر کرتا ہے۔ اس لئے ہمیں غصہ نہ ہونا چاہیئے وہ اپنے نفع کے واسطے یا ادارے کے نفع کے واسطے ہمیں ضرر پہنچاتا ہے۔

مثلاً: پرنسپل صاحب ہماری تنخواہ نہیں بڑھاتے، یا کام زیادہ لیتے ہیں یا معلمہ ہوتے ہوئے صدرِ مدرسہ آپ کے کام کی قدر نہیں کرتیں، یا صدرِ مدرس یا ناظم تک آپ کی اچھائیاں نہیں پہنچتیں۔ الغرض ان سب امور میں جو آپ کے خلاف مزاج باتیں صادر ہوں اس میں جو آپ کی اپنی غلطیاں نظر آئیں انہیں انتقام کے پردے میں چھپا کر ان کو چھوڑ نہ دیں، بل کہ ان غلطیوں اور کوتاہیوں کی اصلاح کریں۔ یاد رکھیں پرنسپل کے سامنے استاذ کی خوبیاں اکثر چھپ جاتی ہیں یا بھلادی جاتی ہیں اور استاذ کی برائیاں، عیوب، کمیاں اور کوتاہیاں سامنے رہتی ہیں۔

لہٰذا جب وہ اس پر کوئی ردِ عمل کرتا ہے تو اُستاذ اپنی بھلائیاں اور قربانیاں جو ادارے کے لئے دی ہیں، وہ یاد کرتا ہے اور اس پر افسوس کرتا ہے کہ میری قدر نہیں کی گئی، اس وقت استاذ کو اپنی بھلائیاں یاد کرنے کی بجائے کمیوں کوتاہیوں کو یاد کرنا چاہیئے کہ میں نے کتنے دن ناغے کیے، کتنے دن درس گاہ میں تاخیر سے پہنچا ہوں، کئی مرتبہ ادارے کے سربراہ کی طرف سے یا انتظامیہ کی طرف سے مجھے کسی کام کی پیشکش کی گئی تو میں نے معذرت کردی کہ میرے پاس وقت نہیں ہے اور وہ انتظامیہ کو یاد ہیں۔ اسی طرح انتظامیہ کو میرے بہت سے نقائص یاد ہیں، اور مجھے اپنی بہت ساری خوبیاں یاد ہیں تو میں کس بناء پر انتظامیہ کی کسی سرزنش پر اپنے آپ کو مظلوم اور

پرنسپل یا مہتمم اور ناظم کو ظالم سمجھتا ہوں؟

لہٰذا ہر اُستاذ اور معلمہ سے ہماری عاجزانہ گزارش ہے کہ حقیقتاً وہ مہتمم یا ناظم یا ناظمہ ظالم نہیں ہے، اگر حقیقتاً وہ ظالم ہے تو آپ اس کو معاف کر دیجیے۔

اگر معاف نہیں کر سکتے تو ادارہ بدل لیجیے، کسی اور ادارے میں چلے جایئے، اور اگر ناجائز طریقے سے نکال دیا گیا ہے تو کسی کو حَکَم/قاضی بنالیجیے کہ وہ آپ دونوں کے درمیان فیصلہ کرلے، پھر اس کے فیصلہ پر راضی ہو جایئے۔ مگر ہرگز ہرگز کوئی ایسی صورت انتقام کی نہ اپنایئے، جس سے ادارے کو نقصان ہو اس لئے کہ یاد رکھیے اس طرح کے انتقام لینے سے خود انتقام لینے والے کا ہی نقصان ہے۔

انتقام غصہ کی قسموں میں سے زیادہ سخت قسم ہے۔ جو شخص کسی کو ضرر پہنچاتا ہے وہ بُرائی کو شروع کرتا ہے، مگر جو اس بُرائی کا انتقام لیتا ہے وہ اس کو بے انتہا بڑھاتا ہے اور ایک ایسی مستقل بے عزتی اور بے آرامی خریدتا ہے، جس کو نیک دلی اور خوش چلنی بھی الگ نہیں کرسکتی۔ لہٰذا اپنے ہی فائدے کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں چاہیئے کہ جو شخص ہمیں ضرر پہنچائے ہم اس کی مثل بل کہ اس سے بدتر نہ بنیں۔

صرف ذاتی مفاد یا مخالفت کی خاطر یہ جذبہ اُبھرتا ہے۔ جب انتقام کی آگ بھڑکتی ہے اور کوئی شخص بدلہ لینے کے لئے آمادہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے وہ اپنی قوتوں کا جائزہ لیتا ہے اور دیکھتا ہے کہ اس کے اندر کون سی ایسی طاقت موجود ہے جسے وہ اپنے حریف کے خلاف کامیابی سے استعمال کرسکتا ہے، پس اللہ نے اُسے جو بھی طاقت دی ہوئی ہے، وہ اسے استعمال کر کے اپنے حریف کو نقصان پہنچاتا ہے اور انتقام کے جذبے کو تسکین دینے کی مصنوعی کوشش کرتا ہے۔

ایک شاعر کسی سے انتقام لینا چاہتا ہے تو اس کی دماغی قوتیں فوراً بیدار ہو جاتی ہیں اور وہ ایک ہجو پر مشتمل غزل تیار کر کے اور اپنے حریف کو منظوم گالیاں دے کر اپنے گمان کے موافق اپنا دل ٹھنڈا کرتا ہے۔

مارے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دونوں جوتے خون کے جاری ہونے سے رنگین ہوگئے۔

جب راستہ میں ان شریروں سے اطمینان ہوا تو حضور ﷺ نے جو دعا مانگی اس کا آخری ٹکڑا یہ ہے، ہر استاذ اور معلمہ کو یہ دعا یاد کرنی چاہیے۔ اور جب بھی انتقام کا جذبہ ستائے تو اپنے گناہوں کا محاسبہ کرکے یہ دعا مانگنی چاہیے:

"إِنْ لَمْ تَكُنْ سَاخِطًا عَلَيَّ فَلَا أُبَالِي غَيْرَ أَنَّ عَافِيَتَكَ هِيَ أَوْسَعُ لِيْ، أَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الْكَرِيْمِ الَّذِيْ أَضَاءَتْ لَهُ السَّمٰوَاتُ وَأَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمَاتُ وَصَلَحَ عَلَيْهِ أَمْرُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، أَنْ تُحِلَّ عَلَيَّ غَضَبَكَ أَوْ تُنْزِلَ عَلَيَّ سَخَطَكَ وَلَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِكَ"[1]

ترجمہ: "اے اللہ! اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہے تو اس کے بعد مجھ کو کسی کی بھی کوئی پروا نہیں، تیری حفاظت مجھے کافی ہے۔ میں تیری اس کریم ذات کے نور کے وسیلہ سے تیری پناہ لیتا ہوں، جس سے سب آسمان جگمگا رہے ہیں اور تمام اندھیریاں روشن ہوگئیں اور جس کی وجہ سے دنیا اور آخرت کے کام درست ہو جاتے ہیں، اس بات سے کہ تو مجھ پر غصہ ہو یا مجھ سے ناراض ہو اور تجھے راضی کرنا ضروری ہے، یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے، تیری مدد کے بغیر ہم میں نہ کچھ قوت ہے نہ طاقت۔"

مَالِكُ الْمُلْكِ کی شانِ قہاری کو اس پر جوش آنا ہی تھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر سلام کیا اور عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی وہ گفتگو جو آپ سے ہوئی سنی اور ان کے جوابات سنے، اور ایک فرشتہ کو جس کے متعلق پہاڑوں کی خدمت ہے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ جو چاہیں اس کو حکم

[1] کنز العمال، کتاب الاذکار، المجلد الاول: ۷۷/۲، رقم: ۳۶۱۰

دیں، اس کے بعد اس فرشتہ نے سلام کیا اور عرض کیا کہ جو ارشاد ہو میں اس کی تعمیل کروں، اگر ارشاد ہو تو دونوں جانب کے پہاڑوں کو ملا دوں، جس سے یہ سب درمیان میں کچل جائیں یا اور جو سزا آپ تجویز فرمائیں۔

حضور ﷺ کی رحیم و کریم ذات نے جواب دیا: میں اللہ سے اس کی امید رکھتا ہوں کہ اگر یہ مسلمان نہیں ہوئے تو ان کی اولاد میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں جو اللہ کی پرستش کریں اور اس کی عبادت کریں۔[1]

فائدہ: یہ ہیں اخلاق اس کریم ذات کے جس کے ہم لوگ نام لیوا ہیں کہ ہم ذرا سی تکلیف سے کسی کی معمولی سی گالی دینے سے ایسے بھڑک جاتے ہیں کہ پھر عمر بھر اس کا بدلہ نہیں اترتا، ظلم پر ظلم کرتے رہتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں، اپنے محمدی ہونے کا، نبی کے پیرو بننے کا، نبی کریم ﷺ اتنی سخت تکلیف اور مشقت اٹھانے کے باوجود نہ بددعا فرماتے ہیں نہ کوئی بدلہ لیتے ہیں۔

❹ درود شریف کثرت سے پڑھیں اور عفو کے فضائل سوچیں کہ بہترین خوبی معاف کرنا اور فراموش کرنا ہے، اور معاف کرنے والوں کے واقعات سوچیں کہ جب وہ معاف کرنے پر آئے تو کیسے کیسے مجرمین کو معاف کر دیا، وہ بھی آخر ہماری طرح انسان تھے "درعفو لذتے است کہ درانتقام نیست" (یعنی معاف کرنے میں جو لذت ہے وہ بدلہ لینے میں نہیں ہے)۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے اُن بھائیوں کو جنھوں نے ان کو ہلاک و برباد کرنے کی تدابیر کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی تھی اور ان کے والد اللہ تعالیٰ کے معصوم نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کو اتنے سال بیٹے کی جدائی برداشت کروائی کہ روتے روتے ان کی آنکھیں بھی جاتی رہیں، ان سب زیادتیوں کے باوجود بھائیوں سے کہا:

[1] بخاري، کتاب بدء الخلق، باب ذکر الملائکة: ٤٥٦/١

﴿لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ؕ یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ ۫ وَ ہُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ﴾[1]

ترجمہ: ”یعنی آج تم پر گرفت ملامت نہیں، اللہ تم سب کو معاف کرے وہ سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔“

حضور اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے دن اپنے سخت ترین جانی دشمنوں کو معاف کرتے ہوئے فرمایا تھا:

”اِذْہَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ“[2]

ترجمہ: ”جاؤ تم سب آزاد ہو۔“

جن لوگوں نے آپ ﷺ کو اس قدر سخت اذیتیں پہنچائی تھیں، اُن سب کو معافی اور امن کا پیغام دیا۔ سراقہ بن مالک نے آپ ﷺ پر دو مرتبہ حملہ کرنے کا ارادہ کیا تھا، آپ ﷺ نے اس سے کچھ بھی باز پرس نہ فرمائی۔[3] جس شخص نے آپ ﷺ کی بیٹی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو نیزے سے زخمی کیا تھا اور وہ اسی زخم سے فوت ہوگئیں تھیں جب وہ سامنے آیا تو آپ ﷺ نے اسے معاف فرمادیا۔

حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تھا، وہ معافی کے لئے حاضر دربار ہوئے اور قبولِ اسلام کا ارادہ ظاہر کرکے امید بجواب میں خاموش کھڑے رہے تو حضور ﷺ نے اپنی آنکھیں مبارک نیچے فرمالیں۔[4] چچا کا قاتل اور چچا بھی وہ جنھوں نے بچپن میں آپ علیہ السلام کے ساتھ ایک ہی دایہ کا دودھ پیا، ایک ہی ساتھ رہے اور محبت کے ساتھ زندگی بسر کی۔

---

[1] سورۂ یوسف: آیت ۹۲

[2] سنن الکبری للبیہقی، کتاب السیر، باب فتح مکہ حرسہا اللہ تعالیٰ: ۱۱۸/۹

[3] طبقات ابن سعد، ذکر خروج رسول وابی بکر: ۱۵۸/۱

[4] اسد الغابۃ، باب الواو: ۴۱۰/۵

حضور ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حامی وناصر رہے اور قبولِ اسلام کے بعد اعلاءِ کلمۃ اللہ میں بھی پیش پیش رہے، ایسے پیارے چچا کو شہید کرکے اس گناہِ عظیم پر نادم وشرم سار آغوشِ اسلام کے طلب گار بن کر کھڑے ہیں، آپ ﷺ نے معاف فرمادیا۔ کیا دنیا ایسے عفو ودرگزر کی مثال پیش کرسکتی ہے؟

ایک نیک دل شخص نے اپنے اکلوتے فرزند کو ایک سو اشرفی دے کر بسلسلہ تجارت سفر پر روانہ کیا، اتفاقاً پہلی منزل میں ایک ڈاکو نے اس کو قتل کرکے اس کا تمام مال لوٹ لیا۔ چند راہ گیروں نے ہر چند کہ قاتل کا تعاقب کیا، لیکن وہ بھاگ کر جان بچانے میں کامیاب ہوگیا۔ اور رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر وہ مقتول کے گاؤں میں اس کے باپ ہی کے گھر پہنچ گیا، اور تمام وارداتِ قتل وغارت سنا کر اس سے چند روز کے لئے پناہ مانگی، تاکہ خطرے کا وقت گزر جائے اور اسے اس خدمت کے عوض میں مالِ غنیمت میں سے نصف حصے کا لالچ بھی دیا۔

نیک دل باپ نے تھیلی اور مقدارِ رقم سے صحیح اندازہ لگالیا کہ یہ میرا بیٹا ہی قتل ہوا ہے۔ مقتول کے باپ نے تین روز تک اس کی نہایت خاطر تواضع کی۔ چوتھے روز اس نے قاتل سے باچشم نم، دست بستہ عرض کیا: کہ جس نوجوان کو تم قتل کرکے اس کا مال لوٹ کر لائے ہو، وہ فی الحقیقت میرا ہی اکلوتا بیٹا تھا، بہتر ہے کہ آپ اب یہاں سے تشریف لے جائیں، کیوں کہ خطرے کا وقت گزر چکا ہے، لیکن اب مجھے یہ خطرہ ہے کہ مبادا شفقتِ پدری وفطرتِ انسانی سے مجبور ہوکر کسی وقت میرے جذباتِ انتقام جوش میں آجائیں، اور میں مغلوب الغضب ہوکر تمہیں قتل کرڈالوں اور ثوابِ صبر سے محروم رہ کر الٹا گرفتارِ عقوبت ہوجاؤں۔ چناں چہ قاتل فرزند کو مع مالِ غنیمت کے، بغیر کسی قسم کے اظہارِ رنج کے رخصت کردیا گیا۔[1]

---

[1] مخزن اخلاق: ص ۳۴۴

سنا میں نے مردانِ راہِ خدا
نہ قتلِ پسر کا بھی لیں انتقام
جو ادنیٰ خطا پر بھی ہو منتقم
تجھے کب میسر بھلا یہ مقام

شاہ ہناطلہ اور شاہ خراسان کے درمیان جنگ ہوئی۔ شاہ ہناطلہ کے ارکانِ دربار شاہ خراسان کو اس مضمون کے خطوط بھیجتے تھے کہ ہم تمہاری ہر طرح کی مدد کریں گے، تم بے خطر ہو کر شاہ ہناطلہ پر فوج کشی کردو۔ شاہ خراسان نے وہ تمام خطوط سربمہر کر کے خزانے میں رکھوا دیئے۔ اللہ کے حکم سے شاہ ہناطلہ غالب آیا جب خزانے پر قبضہ کرلیا تو وہ تھیلی بھی ملی۔

شاہ ان خطوط کو دیکھ کر حقیقتِ حال اور امرِ واقعہ سمجھ گیا اور انہی ارکانِ دربار کو بلا کر کہا: یہ خطوط مجھے ملے ہیں ممکن ہے کہ آپ لوگوں نے حفظِ ماتقدم کے طور پر ایسا کیا ہو، لہٰذا اب ان کو جلا دو۔ چناں چہ اپنے سامنے ان تمام خطوط کو جلوا دیا اور ان ارکانِ دربار سے کوئی بازپرس نہ کی اور ان کو اپنے عہدوں پر برقرار رکھ کر مطیع اور فرمانبردار بنالیا۔ کیا عفو و درگزر کی ایسی مثال کہیں ملے گی؟[1]

یاد رکھیے! اگر انتقام لینا ہی ہے تو نفس و شیطان کی مخالفت کر کے ان دونوں سے انتقام لیجیے، شاگردوں سے، اپنے ہم مشرب مدرسین سے، اپنے پرنسپل سے، اپنے سگے بھائی بہنوں سے کبھی نہ لیجیے، کبھی نہ لیجیے، کبھی نہ لیجیے۔

اگر آپ کو اپنے سگے بھائیوں سے کوئی تکلیف پہنچی ہے یا نادان بیوی نے کوئی پٹی پڑھائی ہے تو اس پر عمل کرتے ہوئے بھائی بہنوں کو ناراض نہ کیجیے، ہماری ایک نصیحت یاد رکھیے گا، اور ہمارے لئے دعا بھی کیجیے گا، ماں باپ کے توسط سے عطا ہونے والے رشتے، جواہر اور مال و دولت سے نہیں خریدے جاسکتے، جب آپ خود

[1] مخزن اخلاق: ص ۳۴۴

ان رشتوں کو بنا نہیں سکتے تو قدرت کے بنائے ہوئے ان رشتوں کو آپ توڑ بھی نہیں سکتے۔

اب وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا مانگئے اور عہد کیجیے کہ آئندہ کبھی بھی کسی سے انتقام نہیں لوں گا، یوں دعا کریں کہ اے اللہ! سب کو معاف کردے اور ظلم کرنے والوں کو ہدایت عطا فرما، اور اگر ان کے مقدر میں ہدایت نہیں ہے تو اے اللہ! اپنی زمین ایسے لوگوں سے پاک صاف فرمادے اور ان کے شر سے آدم عَلَیْہِ السَّلَام کے بیٹوں اور بیٹیوں کی حفاظت فرما۔ آمین یارب العالمین.

اسی طرح ہر استاذ کو چاہیے کہ دوسروں کے ظلم سے بچنے اور اپنی طرف سے بھی ظلم نہ ہو جائے، اس کے لئے یہ دعا گھر سے نکلتے ہوئے مانگ لیا کرے۔ حضور اکرم ﷺ جب گھر سے نکلتے اور خاص طور پر جب فجر کی نماز کے لئے جاتے تو یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ أَنْ أَضِلَّ أَوْ أُضَلَّ أَوْ أَزِلَّ أَوْ أُزَلَّ أَوْ أَظْلِمَ أَوْ أُظْلَمَ أَوْ أَجْهَلَ أَوْ يُجْهَلَ عَلَيَّ."[1]

تَرجَمَہ: "اے اللہ! میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں، اس بات سے کہ میں گمراہ ہو جاؤں یا گمراہ کیا جاؤں، یا پھسلوں یا پھسلایا جاؤں، یا ظلم کروں یا میرے اوپر ظلم کیا جائے، یا میں جاہل بنوں یا میرے اوپر جہالت کی جائے۔"

اسی طرح ہر نماز کے بعد اٰیۃ الکرسی، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ضرور پڑھ لیا کریں، خصوصاً فجر اور مغرب کے بعد تین تین مرتبہ یہ دونوں سورتیں پڑھنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ شریر کے شر سے، فتنہ بازوں کے فتن سے ہماری حفاظت کا سبب بنیں گی۔

[1] ابو داؤد، کتاب الأدب، باب ما یقول إذا خرج من بیته: ۳۴۷/۲

ہمارے استاذ حضرت مفتی ولی حسن صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی ایک عجیب بات فرماتے تھے: "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ" اور "قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ" قرآنِ کریم کی بالکل آخری دو سورتیں ہیں، اور ان کو آخر میں لانے میں ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ ان دو سورتوں کی مسلمانوں کو آخری زمانے (قربِ قیامت) میں چوں کہ زمانہ فتنوں سے بھرا ہوا ہوگا زیادہ ضرورت پڑے گی۔ لہٰذا اساتذہ کرام و معلّمات ہر نماز کے بعد یہ دونوں سورتیں پڑھنے کا اہتمام فرمائیں۔

حضرت مولانا عبدالماجد دریا آبادی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: دنیوی مخالفتوں اور عداوتوں کی تہہ میں عموماً اور اکثر حسد ہی کام کرتا ہے، حسد کی کارفرمائیوں سے پناہ چاہنا، دنیوی تکالیف کے اسباب میں سے ایک بہت بڑے سبب سے پناہ چاہ لینا ہے، یہی حقیقت معوذتین (یعنی سورۂ فلق اور سورۂ ناس) میں بیان کی گئی ہے۔[1]

فتح خیبر کے موقع پر ایک یہودیہ عورت کو جب معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کو دست کا گوشت مرغوب ہے تو ایک بکری کا گوشت بھونا اور اس میں بہت زیادہ زہر ملا دیا، اور دست میں خصوصیت سے بہت زیادہ زہر بھر کر حضور ﷺ کی ضیافت کی اور سامنے پیش کیا۔ آپ ﷺ نے لقمہ منہ میں رکھا، لیکن نگلنے کی نوبت نہیں آئی تھی یا کچھ نگل بھی لیا تھا کہ اس کو تھوک دیا اور ارشاد فرمایا: ''اس گوشت نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اس میں زہر ہے'' (لیکن کچھ نہ کچھ اثر پہنچ گیا تھا، چناں چہ اس کا زہریلا اثر کبھی کبھی ظاہر ہوتا تھا۔

آخر میں یہ زہریلا اثر حضور ﷺ کے وصال کے وقت عود کر کے آپ ﷺ کی وفات کا سبب بنا) اس کے بعد اس عورت کو بلایا گیا اور اس سے پوچھا گیا: اس میں زہر ملایا ہے؟

[1] تفسیر ماجدی: ۱۲۱۵/۲

اس نے اقرار کیا کہ واقعی میں نے زہر ملایا ہے، آپ ﷺ نے اپنے لئے انتقام نہیں لیا اور اس عورت کو اسی وقت معاف فرما دیا۔[1]

مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد شفیع رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی فرماتے تھے: یہ بات کتنی واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ جلّ جلالہ خود باقی رہنے والا ہے۔ اس لئے جو کچھ اس کے پاس ہے، وہ بھی باقی رہنے والا ہے۔ اور جو کچھ تمہارے بھیجے ہوئے عمل اس کے پاس پہنچ گئے وہ بھی باقی رہیں گے، یعنی دنیا کی لذت اور خوشی پا کر ہم نے اگر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر دیا تو لذت اور خوشی تو رہنے والی نہیں، مگر شکر کے وہ چند کلمات جو ہم نے اپنی زبان سے ادا کر لئے، وہ اللہ کے پاس باقی رہیں گے، اور اسی طرح مصیبت اور تکلیف کا صدمہ تو ہمیشہ باقی نہ رہے گا، ہاں اس پر صبر کے نکلے ہوئے الفاظ حیاتِ جاودانی اختیار کر لیں گے، اور قیامت کے دن اللہ سبحانہ وتعالیٰ شمار کرا کر ایک نیکی کا کئی بار بدلہ عطاء فرمائیں گے۔[2]

اب سوچیے اور ذہن بنا لیجیے کہ آج سے شاگرد/ عملہ کے ارکان/ بیوی وغیرہ کی غلطیوں پر صبر کروں گا، برداشت کروں گا۔ کیسی ہی غلطی ہوجائے برداشت کرلوں گا اس لئے کہ اس غلطی پر جو صدمہ اور تکلیف مجھے پہنچ رہی ہے، یقیناً وہ کبھی نہ کبھی ختم ہوجائے گی، لیکن اس فانی صدمہ کو صبر وحوصلے کے ساتھ برداشت کرنا اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے خالص جذبے سے معاف کر دینے کی باقی رہنے والی فضیلت، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے پاس ہمارے حساب میں جمع ہوجائے گی۔

مثلاً: ٹوتھ پیسٹ کی ٹیوب کا ڈھکنا درست طریقے سے بند نہ کرنے یا بجلی کا استعمال کم سے کم کرنے کی تاکید کے باوجود غفلت وکوتاہی پر، یا باورچی خانہ میں بلب خراب ہونے اور جلدی نہ بدلنے کی وجہ سے رات کو اندھیرے میں آپ کسی چیز سے

[1] خلاصہ از سیرۃ المصطفیٰ: ۴۲۵/۲

[2] مجالس مفتی اعظم: ص ۴۳۰

ٹکرا گئے، اب اس سے جو تکلیف ہوئی اس پر سخت لہجے میں آپ نے بیوی کو ڈانٹا، اس نے بھی پلٹ کر غصہ کا انداز اختیار کیا، اب اس کے معمولی غصہ پر آپ کو شدید غصہ آئے گا، مگر اس پر صبر کیجئے۔

اور یہ سوچئے اور بار بار محاسبہ کیجئے کہ بدزبانی نہ تو ہمیشہ رہے گی اور نہ اس کا نقصان ہمیشہ قائم رہے گا، بل کہ صرف بدزبانی جیسی بے بنیاد چیز پر ہم نے اس کے بدلے ایک اور گالی دیدی تو بیوی کی اور میری دونوں کی بدزبانی کا گناہ دونوں پر باقی رہ جائے گا اور یہ کہ وہ ہم کو دنیا وآخرت دونوں میں نقصان پہنچا سکتی ہے، لیکن اگر ہم اس وقتی بدزبانی کو برداشت کر گئے اور جواباً اس کو کہدیا کہ اللہ تم کو نیک ہدایت دے جب تمہارا غصہ ختم ہوجائے گا، پھر بات کریں گے، اور میں تمہیں سمجھادوں گا یا تم مجھے سمجھا دینا، جس کی غلطی ہو وہ مان جائے تو یہ دعائیہ جملے ہمارے واسطے سرمایہ آخرت اور اس کے واسطے ذریعہ ہدایت بن جائیں گے۔

یاد رکھیے! نقصان وصدمے کے تاثرات تھوڑی دیر میں یا تھوڑے دنوں میں ختم ہوجائیں گے، لیکن باقی رہنے والی وہ نیکیاں یا برائیاں ہوں گی، جو ہمارے اپنے دل اور زبان سے صادر ہوئی ہوں گی۔

دارالعلوم دیوبند کے سب سے پہلے مدرس حضرت مولانا محمود دیوبندی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ دیوبند ہی کے باشندے اور بڑے عالم تھے، اور ہزاروں علماء کے استاذ تھے حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ دارالعلوم کے پہلے شاگرد اور مولانا محمود رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ پہلے استاذ تھے، ان دونوں حضرات سے دارالعلوم کی بنیاد پڑی مولانا محمود رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کی وفات کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا ان سے پوچھا کیا گزری، کیا معاملہ ہوا؟

فرمایا: اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس نے بخش دیا۔

پوچھا: مغفرت کا سبب کیا ہوا؟

فرمایا: کسی چیز کے بارے میں نہیں پوچھا گیا اور پڑھنے لکھنے کے بارے میں تو کسی نے پوچھا ہی نہیں، درس وتدریس کے بارے میں بھی کسی نے نہیں پوچھا، البتہ کہا گیا: فلاں دن تم نے اپنے گھر میں کھچڑی پکانے کو کہا تھا اور بیوی نے غلطی سے نمک تیز کردیا۔ اور تم نے اس کھچڑی کو صبر کے ساتھ کھالیا اور اپنی بیوی کو کچھ کہا سنا نہیں اور تم نے اس تکلیف کو محض اللہ تبارک وتعالیٰ کو راضی کرنے کی خاطر صبر اور تحمل کے ساتھ برداشت کیا اور اس لئے اس کا اظہار نہیں کیا کہ اس سے اس کا دل دکھے گا اس صبر وتحمل کے نتیجے میں تمہیں بخشا جاتا ہے۔[1]

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: یہ انعامی وظائف ہوتے ہیں، جب کسی کو انعام دینا ہوتا ہے تو معمولی چیز پر بھی انعام دیا جاتا ہے۔

حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں: دیوبند ہی کے ایک مدرس اور بڑے عالم مولانا منفعت علی صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ بڑوں بڑوں کے استاذ تھے، خود میرے والد (مفتی شفیع) صاحب رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے استاذ تھے۔ کانپور میں اچانک ان کا انتقال ہوگیا، شاید کوئی قلبی مرض پیش آگیا وفات ہوگئی اور کوئی قریبی عزیز تو کیا ہوتا کوئی دوسرا شخص بھی پاس نہیں تھا، بے کسی کے عالم میں وفات ہوگئی، ان کے مرنے کے بعد ہمارے عزیزوں میں سے ایک صاحب نے خواب میں دیکھا اور پوچھا: کیا معاملہ ہوا؟

فرمایا اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور یہ فرمایا: تیری موت بے کسی میں آئی اور اس پر ہمیں رحم آیا اور تمہیں بخش دیا۔

تو ایسا ہوا کرتا ہے بعض اوقات اللہ جل شانہ چھوٹی چیزوں کو قبول کر لیتے ہیں عمل چھوٹا ہوتا ہے، لیکن وہ اخلاص کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے قبول کرلیا جاتا ہے اور سارے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔[2]

---

[1] ماخذہ مثالی ازدواجی زندگی کے اصول: ص ۱۳۶

[2] از مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی بڑے معاف کرنے والے لوگوں میں سے تھے، اتنی بڑی حکومت، سلطنت، فوج خدام سب کے ہوتے ہوئے بھی بڑے حلیم الطبع بزرگوں میں سے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کسی بات پر ناراض ہوگئے تو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا......

"أَمَّا بَعْدُ يَا مُعَاوِيَةُ! فَإِنَّ عَبِيْدَكَ قَدْ دَخَلُوْا أَرْضِيْ، فَانْهَهُمْ عَنْ ذٰلِكَ، وَإِلَّا كَانَ لِيْ وَلَكَ شَانٌ (وَفِيْ ذٰلِكَ تَهْدِيْدٌ خَفِيٌّ) وَالسَّلَامُ."

ترجمہ: "حمد وثناء کے بعد: اے معاویہ تمہارے غلام میری زمین میں داخل ہوگئے ہیں، ان کو اس سے روکو، ورنہ! میرے اور تمہارے درمیان کوئی سخت معاملہ ہوگا۔ (اس میں ایک پوشیدہ دھمکی تھی) اور میری طرف سے سلام۔"

جب خط حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملا تو ساتھیوں سے مشورہ کیا، کسی نے مشورہ دیا، وہاں فوج بھیج کر ان کی ایسی اصلاح کی جائے کہ آئندہ دوسرے بھی یاد رکھیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

"بَلِ الْأَفْضَلُ غَيْرُ ذٰلِكَ" نہیں بہتر اس کے علاوہ ہے (کہ نرمی سے معاملہ حل کیا جائے) اور جواب لکھا:

"أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ وَقَفْتُ عَلٰى كِتَابِ وَلَدِ حَوَارِيِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (يُشِيْدُ بِهٖ وَبِصِلَةِ وَالِدِهٖ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَسَاءَنِيْ مَا سَاءَهٗ، وَالدُّنْيَا بِأَسْرِهَا هَيِّنَةٌ عِنْدِيْ فِيْ جَنْبِ رِضَاهُ لَقَدْ نَزَلْتُ عَنْ أَرْضِيْ لَكَ فَأَضِفْهَا إِلٰى أَرْضِكَ بِمَا فِيْهَا مِنْ عَبِيْدٍ وَأَمْوَالٍ.

وَالسَّلَامُ."

ترجمہ: "حمد وثناء کے بعد: مجھے حواریٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے کا خط ملا (وہ ان کے والد کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کے ذریعے ان کی تعریف کررہے ہیں) جو ان کو برا لگا وہ مجھے بھی برا لگا، اور ان کی خوشی کے مقابلے میں دنیا اپنے سارے ساز وسامان کے ساتھ میرے نزدیک بے قیمت ہے، میں نے آپ کے لئے اپنی زمین کو چھوڑ دیا، آپ یہ زمین اور جو اموال اور غلام اس میں ہیں، سب اپنی زمین کے ساتھ ملا لیں اور میری طرف سے سلام۔"

جب حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یہ خط ملا تو سارا غصہ ناراضگی ختم ہوگئی اور جواب لکھا:

"وَقَفْتُ عَلٰى كِتَابِ أَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ. أَطَالَ اللّٰهُ بَقَاءَهٗ. وَلَا أَعْدَمَهُ الرَّأْيَ الَّذِيْ أَحَلَّهٗ مِنْ قُرَيْشٍ هٰذَا الْمَحَلَّ، وَالسَّلَامُ."

ترجمہ: "مجھے امیر المؤمنین کا خط ملا، اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے اور ان کو اس سمجھ سے محروم نہ کرے، جو انہوں نے اس موقع پر قریش سے لی۔ میری طرف سے سلام۔"

اور جب یہ خط حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملا تو اپنے وزراء اور مشیروں کو دکھایا اور فرمایا:

کیا زمین، غلام اور جائداد کی قیمت اس سے زیادہ تھی کہ کسی مسلمان کا خون بہایا جائے ہرگز نہیں...... اور فرمایا:

"مَنْ عَفَا سَادَ وَمَنْ حَلُمَ عَظُمَ وَمَنْ تَجَاوَزَ عَنِ الْخَطَايَا اِسْتَمَالَ إِلَيْهِ الْقُلُوْبُ فَإِذَا ابْتُلِيْتَ بِشَيْءٍ مِنْ هٰذِهِ الْأَدْوَاءِ

فَدَاوِهِ بِمِثْلِ هٰذَا الدَّوَاءِ.'' [1]

ترجمہ: ''جس نے معاف کیا، اس نے حکومت کی، جس نے بردباری سے کام لیا وہ بڑا بن گیا، جس نے غلطیوں سے درگزر کیا، دل اس کی طرف مائل ہوگئے، جب تم کسی ایسے مسئلے میں مبتلا ہو تو اسی طرح اس کا حل نکالو۔''

عامر بن حطان خارجی تھا اور حجاج بن یوسف کے مخالفین میں سے تھا، حجاج نے اسے گرفتار کیا، جلاد سے کہا: ''بدکار عورت کے اس بیٹے کی گردن اڑا دو۔''

عامر نے بڑے پروقار انداز میں سر اٹھا کر کہا:

حجاج! تمہارے بڑوں نے تمہاری بڑی غلط تربیت کی ہے، موت کے بعد رہ کیا جاتا ہے، میں جواباً اسی طرح کی گالی تمہیں دوں تو مجھے کیا خوف ہوسکتا ہے، لیکن گالی دینا بہادروں اور شرفاء کے شایانِ شان نہیں۔

حجاج نے اس کا یہ جملہ سن کر شرمندگی سے سر جھکا لیا، پھر اس سے کہا: ''تمہارے ساتھ احسان کیا جاسکتا ہے؟''

عامر نے کہا: ''کیوں نہیں'' چناں چہ حجاج نے گھوڑا اور زادِ راہ دے کر اسے اپنے علاقے کی طرف رخصت کیا، عامر وہاں پہنچا تو اس کے قبیلے کے لوگوں نے کہا: ''آپ کو اللہ نے آزادی دی ہے، حجاج نے نہیں، بھرپور تیاری کے ساتھ ہمیں دوبارہ حجاج پر حملہ کرنا چاہیئے'' لیکن عامر نے کہا: ''حجاج نے مجھ پر احسان کیا ہے اور اس احسان نے میرے ہاتھ باندھ لئے ہیں، اب میں اس کے خلاف لڑنے پر آمادہ نہیں ہوسکتا۔'' [2]

---

[1] اخلاق الطفل المسلم: ص ۳۹

[2] العفو والاعتذار لابی الحسن: ص ۵۵۹ بحوالہ کتابوں کی درس گاہ میں: ص ۵۰

اساتذہ کرام! انتظامیہ کی خوبیاں دیکھیں

ایک نوجوان مصور نے اپنا کمالِ فن ظاہر کرنے کی غرض سے ایک تصویر نہایت محنت اور کوشش کے ساتھ کافی عرصہ لگا کر تیار کی، اور ایک بارونق بازار کے چوک میں اس تصویر کو ایک تختہ پر آویزاں کر دیا، جس کے نیچے یہ عبارت لکھی:

''اس تصویر میں جہاں کہیں نقص ہو، وہاں پینسل سے نشان لگا دیا جائے۔''

نوجوان کو اپنے کمالِ فن پر بہت زیادہ ناز تھا اور خیال تھا کہ تصویر پر پینسل کا ایک بھی نشان نہ ہوگا، لیکن نوجوان کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس نے شام کو جا کر دیکھا کہ تمام تصویر پینسل کے نشانوں کے نیچے اپنی موجودگی کو بھی مشتبہ بنا رہی ہے، نوجوان نہایت افسردہ خاطر اور مایوس ہوا۔

اس کے باپ نے افسردگی کا سبب پوچھا: اس نے سب ماجرا اپنی شکستہ دلی کا کہہ سنایا، باپ نے کہا: ایک تصویر اسی طرح کی اور تیار کرو، نوجوان نے پھر اسی طرح کافی محنت اور وقت خرچ کر کے تصویر تیار کی اور باپ کے روبرو پیش کی باپ نے اس کے نیچے لکھ دیا:

''اس تصویر میں جہاں کہیں نقص ہو درست کر دیا جائے۔''

اور اسی سابقہ جگہ وہ تصویر لٹکا دی گئی، شام کو اس نوجوان نے تصویر پر پینسل کا ایک بھی نشان نہ دیکھا تو بہت خوش ہوا اور باپ کو بھی یہ واقعہ بتایا۔

باپ نے کہا: ''عیب نکالنا اور الزام دینا تو آسان ہے، مگر اسے بہتر کر کے دکھانا مشکل ہے۔''

؎ اوروں کی عیب جوئی ہم کو نہیں گوارا
اپنی ہی عیب جوئی یہ ہے ہنر ہمارا

اجتماعی کاموں میں یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ہر استاذ کی ہر ہر مرضی اور منشا پوری ہو اور کسی کی مرضی کے خلاف کام نہ ہو، اس لئے ہر استاذ کو یقیناً، برداشت کرنا، جھیلنا، سہنا، صبر کرنا، اپنی طبیعت بنا لینی چاہیے۔ انتظامیہ کے خلاف غیبتیں کر کے اپنے اعمال نامہ کو سیاہ نہیں کرنا چاہیے، ہاں جہاں آپ کے تعاون کی ضرورت ہو وہاں دوری نہیں اختیار کرنی چاہیے، دوسرے اساتذہ کو یہ کہہ کر اپنا ہم پلہ نہیں بنانا چاہیے کہ میں نے تو انتظامیہ کو یہ رائے دی تھی، میری بات تو مانی نہیں، اب ہم کیوں تعاون کریں۔

فاروق اعظم کی ایک عظیم ہدایت
مصلحین اُمت (اور اساتذہ) کے لئے

علامہ ابن کثیر رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے ابن ابی حاتم کی سند سے نقل کیا ہے کہ اہل شام میں ایک بڑا بارعب قوی آدمی تھا، جو فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پاس آیا کرتا تھا، کچھ عرصہ تک وہ نہ آیا تو فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے لوگوں سے اس کا حال پوچھا۔ لوگوں نے کہا: امیر المؤمنین! اس کا حال نہ پوچھیے، وہ تو شراب میں بدمست رہنے لگا ہے۔ حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے منشی کو بلایا اور کہا: یہ خط لکھو۔

منجانب عمر بن خطاب بنام فلاں بن فلاں۔

السلام علیکم! اس کے بعد میں تمہارے لئے اُس اللہ کی حمد پیش کرتا ہوں، جس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ گناہوں کو معاف کرنے والا، توبہ کو قبول کرنے والا، سخت عذاب دینے والا، بڑی قدرت والا ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

پھر حاضرین مجلس سے کہا: سب مل کر اس کے لئے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس

کے قلب کو پھیر دے اور اس کی توبہ قبول فرمائے، فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے جس قاصد کے ہاتھ یہ خط بھیجا تھا، اس کو ہدایت کر دی تھی کہ یہ خط اس کو اس وقت تک نہ دے، جب تک کہ وہ نشے سے ہوش میں نہ آئے، اور کسی دوسرے کے حوالے نہ کرے تو جب اس کے پاس حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا یہ خط پہنچا اور اس نے پڑھا، تو بار بار ان کلمات کو پڑھتا اور غور کرتا رہا کہ اس میں مجھے سزا سے ڈرایا بھی گیا اور اللہ کی ذات سے معافی کی اُمید بھی دلائی ہے۔

پھر رونے لگا اور شراب خوری سے باز آگیا۔ ایسی توبہ کی کہ پھر شراب کے پاس ہی نہ گیا۔ حضرت فاروق اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو جب اس اثر کی خبر ملی تو لوگوں سے فرمایا:

"هٰكَذَا فَاصْنَعُوْا إِذَا رَأَيْتُمْ أَخَاكُمْ زَلَّ زَلَّةً فَسَدِّدُوْهُ، وَوَثِّقُوْهُ وَادْعُوا اللّٰهَ لَهُ أَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِ وَلَا تَكُوْنُوْا أَعْوَانًا لِّلشَّيْطَانِ عَلَيْهِ"

یعنی ایسے معاملات میں تم سب کو ایسا ہی کرنا چاہیے کہ جب کوئی بھائی کسی لغزش میں مبتلا ہو جائے تو اس کو۔

❶ درستی پر لانے کی فکر کرو۔
❷ اس کو اللہ کی رحمت کا بھروسہ دلاؤ۔
❸ اللہ سے اس کے لئے دُعا کرو کہ وہ توبہ کر لے۔
❹ تم اس کے مقابلے پر شیطان کے مددگار نہ بنو۔ یعنی اس کو بُرا بھلا کہہ کر یا غصہ دلا کر اور دُور کر دو گے تو یہ شیطان کی مدد ہوگی۔[1]

تَنْبِیْہ: جو لوگ اصلاح خلق اور تبلیغ و دعوت کی خدمت انجام دینے والے (یا اساتذہ ہیں) ان کے لئے اس حکایت میں ایک عظیم الشان ہدایت ہے کہ جس شخص

[1] تفسیر ابن کثیر (كاملاً في مجلد واحد): ص ١١٦٤، المؤمن: ٣

کی اصلاح مقصود ہو اس کے لئے خود بھی دعا کرو، پھر احسن تدابیر سے اس کو درستگی کی طرف لاؤ، اشتعال انگیزی نہ کرو کہ اس سے اس کو نفع نہیں پہنچے گا، بل کہ شیطان کی امداد ہوگی اور وہ اس کو اور زیادہ گمراہی میں مبتلا کر دے گا۔[1]

اساتذہ امیر کی اطاعت کریں

یہ مضمون حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب "اہتمام اور شوریٰ" سے لیا گیا ہے، مولانا حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ مجاز ہیں۔ حضرت والا نے اس مضمون میں امیر اور مہتمم کے فرائض بیان فرمائے اور مہتمم اور امیر کے وجود کی ضرورت اور اہمیت بیان فرمائی، جو بہت ہی مفید ہے۔

چناں چہ فرمایا: "ایک ایسا امیر جو مشورے سے نہ تو مستغنی ہو اور نہ مشیروں کا تابع ہو، اس کا وجود ضروری ہے، کیوں کہ شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ میں افراط وتفریط نہیں، اعتدال اور توسط ہے۔"

﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾[2]

ترجمہ: "اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو اُمت معتدل۔"[3]

لیکن مروّجہ جمہوریت میں فیصلہ اکثریت پر ہوتا ہے اور امیر ان کے تابع ہوتا ہے جو بالکل خلافِ عقل وفطرت ہے اور خلافِ شرع ہے۔

آپ گھر کی حکومت کو لے لیجیے، کیا اولاد کثرتِ رائے سے اپنے باپ کی حکم عدولی کر سکتی ہے، اور یہ کہہ سکتی ہے کہ ہم کما رہے ہیں؟ لہٰذا آپ ہمارے نوکر ہیں سبزی، گوشت وغیرہ (سودا) لائیے اور جو ہماری شوریٰ پاس کرے وہ کیجیے؟

ہرگز نہیں! کوئی عاقل اس کو تسلیم نہیں کر سکتا، کیوں کہ باپ حاکم ہے، بیوی اور

۱ معارف القرآن: ۵۸۳/۷، المومن: ۳ — ۲ البقرہ: آیت ۱۴۳

۳ تفسیر عثمانی: ص ۲۷، البقرہ: ۱۴۳

اولاد اس کی رعیت ہے، سب کو اس حاکم کا احترام واطاعت واجب ہے، یہاں تک کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر والد ایک حکم کرے اور والدہ دوسرا، تو اطاعت والد کی کی جائے گی۔ (بشرطیکہ وہ حکم شرعاً جائز ہو) کیوں کہ وہ دونوں کا امیر وحاکم ہے، البتہ حسنِ سلوک میں والدہ مقدم ہے۔

اسی طرح اگر امام اور مقتدیوں کے درمیان رکعتوں کی تعداد میں اختلاف ہو جائے کہ کتنی رکعتیں پڑھی گئی ہیں، تو امام کی رائے مانی جائے گی، خواہ مقتدیوں کی کتنی ہی کثرت ہو۔ (یعنی بعض صورتوں میں یہی حکم ہے باقی تفصیل کتبِ فقہ سے معلوم ہو سکتی ہے)۔

اسی طرح ادارے میں احکام مہتمم ہی کے نافذ ہوں گے۔ مشیرانِ ادارہ اس مہتمم سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ تم تو ادارے کے نوکر ہو، حاکمیت شوریٰ کو حاصل ہے جو شوریٰ کہے وہ کرو، کیوں کہ ادارے کے اندر مہتمم حاکم ہے اور وہ اختیار کامل رکھتا ہے، اس میں اور سلطان میں اتنا فرق ہے کہ اس کے ہاتھ میں قوتِ قاہرہ فوج وخزانہ، پولیس وغیرہ نہیں ہے اس لئے وہ حدود جاری نہیں کر سکتا ورنہ اس کا مقام بھی مثلِ مقام امارت ہے، دیگر سارے افرادِ ادارہ اس کے مطیع وماتحت ہیں۔

البتہ مہتمم کو بحیثیت امیر مشیروں سے مشورہ لینا مستحسن ہے، لیکن بعد مشورہ ان میں سے کسی ایک مشورہ کو خواہ اکثریت کا ہو، خواہ اقلیت کا یا خود اپنا، اس کے نافذ کرنے کا اختیارِ کلی مہتمم ہی کو بحیثیتِ امیرِ ادارہ حاصل ہے۔ کیوں کہ امورِ انتظامیہ غیر منصوصہ میں اہلِ تجربہ کی رائے مقدم ہوتی ہے اور مہتمم کو امورِ انتظامیہ میں جتنا تجربہ ہوتا ہے، مشیروں اور اہل شوریٰ کو اتنا نہیں ہوتا۔ امورِ انتظامیہ متعلقہ مدرسین، طلبہ، ملازمین، رابطہ عوام نیز ادارے کے دیگر تمام شعبہ جات کے اندرونی وبیرونی حالات میں ہر وقت مہتمم ہی کو سابقہ پڑتا ہے۔ لہٰذا اس کو جو تجربہ ہوتا ہے، وہ اہل شوریٰ عوام الناس کو کہاں؟ سو مہتمم جب صاحبِ معاملہ اور اہلِ تجربہ ہے تو اسی کی

رائے کو ترجیح ہوگی۔

ایسے ہی دنیوی امور متعلقہ بالتجربہ میں نبی ﷺ نے اپنے اجتہاد کے مقابلے میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تجربہ کو ترجیح دی ہے، جس کی نظیر واقعہ "تابیر نخل" ہے جو کہ اہل علم پر مخفی نہیں۔ نیز سیر کا واقعہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر کو ایک مقام پر روانہ فرمایا، جس میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما جیسے جلیل القدر صحابہ تھے، مگر امیر لشکر ان دو بڑے حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مقابلے میں ایک کم درجے کے صحابی کو بنایا۔ جب ایک مقام پر رات کو پڑاؤ ڈالا گیا تو امیر لشکر نے حکم دیا کہ جگہ جگہ آگ روشن کی جائے، جلیل القدر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس پر نکیر فرمائی کہ آگ دوزخ کا محل ہے آپ اس کا حکم فرماتے ہیں؟ امیر لشکر نے فرمایا: میں امیر ہوں، آپ کو میرا حکم ماننا چاہیے، چناں چہ حکم کی تعمیل کی گئی۔ جب اس مہم سے فارغ ہو کر حضور ﷺ کی خدمت میں آئے تو اس واقعے کو ذکر کیا گیا۔

آپ ﷺ نے امیر لشکر سے معلوم فرمایا: تم نے آگ روشن کرنے کا حکم کیوں دیا؟

انہوں نے جواب دیا: جب لشکر میں جابجا آگ روشن کی جاتی ہے تو لشکر کی تعداد زیادہ معلوم ہوتی ہے، میں نے اپنی کثرتِ تعداد ظاہر کر کے دشمن کے دل میں اپنی دھاک بٹھانا چاہی، اس لئے ایسا کیا، آپ ﷺ نے یہ وجہ سن کر ان کی تصویب فرمائی۔ اس واقعے سے بھی معلوم ہوا کہ امورِ متعلقہ بالتجربہ میں امیر کی رائے مقدم ہوتی ہے۔

غرض ثابت ہوا کہ جو امور تجربہ اور معاملہ سے متعلق ہوں، ان میں صاحب تجربہ اور صاحب معاملہ کی رائے کو ترجیح ہوگی۔ یہی حال مہتمم وشوریٰ کا ہے کہ شوریٰ کو وہ تجربہ کہاں ہے، جو مہتمم کو ہے، غرض ایسے معاملات میں مہتمم کی رائے کو ترجیح

ہوگی۔

بات یہ چل رہی تھی کہ حدودِ شریعت میں رہتے ہوئے، امیر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، چاہے وہ حکم طبائع پر کتنا ہی ناگوار گزرے۔ چناں چہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مَنْ رَأى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ فَإِنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ يُفَارِقُ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا فَيَمُوتُ إِلَّا مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً."[1]

ترجمہ: "جو شخص اپنے امیر میں کوئی ناپسند بات دیکھے تو اس کو صبر کرنا چاہیے، اس لئے کہ کوئی ایسا نہیں جو جماعت سے بالشت بھر جدا ہو، پھر مرجائے، مگر جاہلیت کی موت مرے گا۔"

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"سَتَرَوْنَ بَعْدِي أَثَرَةً وَأُمُورًا تُنْكِرُونَهَا قَالُوا: فَمَا تَأْمُرُنَا يَا رَسُولَ اللهِ! قَالَ أَدُّوا إِلَيْهِمْ حَقَّهُمْ وَسَلُوا اللهَ حَقَّكُمْ."[2]

ترجمہ: "کہ تم میرے بعد خود پر ترجیح اور ایسے امور دیکھو گے، جو تم کو ناپسند ہوں گے، صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! (ایسے وقت کے لئے) آپ ہم کو کیا حکم فرماتے ہیں؟ فرمایا: تم ان کا حق ادا کرو اور اپنا حق اللہ تعالیٰ سے مانگو۔"

یہی سبب ہے کہ حجاج بن یوسف کے مظالم پر بھی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے

[1] بخاري، كتاب الأحكام، باب السمع والطاعة للإمام مالم تكن معصية: ٢/١٠٥٧
[2] بخاري، كتاب الفتن، باب قول النبي سترون بعد: ٢/١٠٤٥

ری کا حکم دیا۔ چناں چہ حدیث شریف میں ہے:

"عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ عَدِيٍّ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ) (قَالَ) أَتَانَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ (رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالَى عَنْهُ) فَشَكَوْنَا إِلَيْهِ مَا نُلْقِيْ مِنَ الْحَجَّاجِ فَقَالَ: اصْبِرُوْا." [1]

ترجمہ: "حضرت زبیر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ ہمارے پاس حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لائے اور ہم ان کو حجاج بن یوسف سے جو اذیتیں پہنچ رہی تھیں، ان کی شکایت کرنے لگے، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: صبر کرو۔"

مُلا جیون رحمہ اللہ تعالیٰ تفسیرِ احمدیہ میں یہ فرماتے ہیں:

"وَالتَّابِعُوْنَ كَانُوْا يُقَلِّدُوْنَ مِنَ الْحَجَّاجِ مَعَ أَنَّهُ كَانَ سُلْطَانًا جَابِرًا كَمَا نُطِقَ بِهِ فِي الْهِدَايَةِ." [2]

ترجمہ: "کہ تابعین رحمہم اللہ تعالیٰ حجاج بن یوسف سے عہدہ قبول کرتے تھے باوجود یہ کہ وہ سلطانِ ظالم تھا، جیسا کہ ہدایہ میں بیان کیا گیا ہے۔"

حاصل یہ کہ باوجود امیر کی کوتاہیوں کے صبر وسکوت کے ساتھ حضرات تابعین ماتحت رکھتے تھے، لہٰذا! ہمیں بھی حضراتِ سلفِ صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کی اتباع کرنی چاہیے، ان کے طرزِ عمل کو اپنانا چاہیے، وہ علم وعمل، تفقہ فی الدین میں ہم سے کہیں زیادہ فائق وبرتر تھے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَيَّ.﴾ [3]

[1] بخاري، كتاب الفتن، باب لاياتي زمان الا الذي بعده شر منه: ۲/۱۰۴۷

[2] تفسیر احمدیہ: ص ۱۶۸ [3] سورة لقمان: آیت ۱۵

ترجمہ: "ان لوگوں کے طریق کا اتباع کیجیے، جو میری طرف رجوع ہوں۔"

لہٰذا اساتذہ کرام کو چاہیے کہ اپنے امیر/صدر مدرس کی اطاعت کریں اور انہوں نے اسباق اور ادارے کے متعلق جو ترتیب/باتیں بتائی ہیں ان پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے اس پر اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائیں گے اور اس سے ادارے کا نظم وضبط برقرار رہے گا، طلبہ کے اندر یکسوئی بھی آئے گی۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہر مناذر فتح کرنے کے لئے امیر بنا کر ایک جماعت کی ترتیب کا حکم دیا تو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی جماعت میں حضرت ربیع بن زیاد اور ان کے بھائی مہاجر بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بھی شامل کرلیا۔

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جماعت لے کر روانہ ہوئے اور آگے بڑھ کر انہوں نے مناذر شہر کا محاصرہ کرلیا۔ اس محاصرے کے دوران اس کے باشندوں کے ساتھ متعدد ایسی زبردست جنگیں ہوئیں، جن کی نظیر جنگوں کی تاریخ میں شاذ ونادر ہی ملے گی۔

ان لڑائیوں میں ایک طرف تو مشرکین نے بے مثال طاقت کا اس طرح کھل کر مظاہرہ کیا، جس کا عام حالات میں تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن دوسری طرف بے اندازہ اور کثیر تعداد میں مسلمان سپاہی شہید ہوئے۔ رمضان المبارک کا مہینہ تھا اور مسلمان روزہ رکھ کر جنگ میں شریک تھے۔ حضرت ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت مہاجر بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ مسلمان کثرت سے شہید ہو رہے ہیں تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب میں اپنی جان قربان کردینے کا پکا ارادہ کرلیا، بدن کو خوشبو لگائی، کفن پہنا اور اپنے بھائی کو وصیت کی ...... یہ دیکھ کر حضرت ربیع بن زیاد رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس

پہنچے اور ان سے کہا:

"میرے بھائی مہاجر نے روزے کی حالت میں اللہ کی راہ میں جان قربان کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے جس کی وجہ سے ان کی جسمانی قوت کمزور ہوچکی ہے اور ان کے حوصلے پست ہوگئے ہیں، لیکن اس حالت میں بھی وہ روزہ افطار کرنے پر آمادہ نہیں ہیں تو آپ اب کوئی ایسی تدبیر سوچیں جو مسلمانوں کے لئے مفید ہو۔"

یہ سن کر حضرت ابوموسیٰ اشعری رَضِیَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اپنی جماعت کے ساتھیوں سے پکار کر کہا:

"یَا مَعْشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ! عَزَمْتُ عَلٰی كُلِّ صَائِمٍ أَنْ یُّفْطِرَ أَوْ یَكُفَّ عَنِ الْقِتَالِ، وَشَرِبَ مِنْ إِبْرِیْقٍ كَانَ مَعَهٗ لِیَشْرَبَ النَّاسُ."

تَرجَمَہ: "مسلمانو! میں ہر روزہ دار کو قسم دلاتا ہوں کہ یا تو وہ روزہ افطار کرے یا وہ لڑائی میں حصہ نہ لے پھر انہوں نے خود لوٹے سے (جو ان کے پاس تھا) پانی پی کر اپنا روزہ افطار کرلیا تاکہ دوسرے لوگ بھی ان کو پانی پیتے دیکھ کر اپنے روزے افطار کردیں۔"

جب حضرت مہاجر بن زیاد رَضِیَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے امیر کا یہ اعلان سنا تو انہوں نے فوراً ایک گھونٹ پانی پی کر کہا:

"وَاللّٰهِ ما شَرِبْتُهَا مِنْ عَطَشٍ وَلٰكِنَّنِیْ أَبْرَرْتُ عَزْمَةَ أَمِیْرِیْ."

تَرجَمَہ: "خدا کی قسم! میں نے پیاس کے مارے پانی نہیں پیا ہے، بل کہ میں نے آج امیر کی قسم کی لاج رکھی ہے اور ان کے حکم کی اطاعت کی ہے۔"[1]

[1] صحابہ کے واقعات: ۲/۲۷۴ تا ۲۷۶

اس بات کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے، اس میں ہماری کامیابی کا راز مضمر ہے۔

اطاعتِ امیر واقتداء خلیفہ کی شریعت میں یہاں تک تاکید ہے کہ جو امام فاسق ہو اس کی امامت میں بھی جہاد کرنے اور نماز پڑھنے کا حکم حدیث شریف میں وارد ہے، جس کا ذکر ہوچکا۔ (باقی فاسق زور وزبردستی سے امام بن جائے یا بااثر، مگر دین سے غافل لوگ اُسے امام بنادیں اور قریب میں کوئی صالح یعنی غیر فاسق امام موجود نہ ہو، تو مردوں کو بامر مجبوری فرض نمازیں باجماعت اسی کے پیچھے پڑھتے رہنا چاہیے، مگر تراویح اور وتر اس کے پیچھے پڑھنے کے اور دیگر متفرق مسائل، نیز بدعتی کی اقتداء کرنے کے مسائل، بالخصوص وہ بدعتی جو عقائد میں حدِ شرک تک پہنچے ہوئے ہوں، اہم مسائل ہیں جن کو دین دار علماء اور مفتی حضرات سے سمجھنا اور اُس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہے)۔

اطاعتِ امیر کی حکمت

اطاعتِ حکم امیر میں، چاہے وہ گھر کا ہو یا مدرسے کا یا امامت کا یا حج کا حکمت یہی ہے کہ مسلمانوں کی جماعت کا نظام مختل نہ ہو، انتشار پیدا نہ ہو، اتحاد واجتماع کی قوت باقی رہے۔ اگر خلافِ طبع امور کو برداشت نہ کیا جائے اور اطاعتِ امیر نہ ہو، اس سے اختلاف وخلاف کیا جائے تو اس سے جو مفاسد ہوں گے، وہ موجودہ ناگوار خامیوں سے کہیں زیادہ ہوں گے اور یہ بالکل ظاہر ہے لہٰذا:

"إِذَا ابْتُلِیْتَ بِبَلِیَّتَیْنِ فَاخْتَرْ أَهْوَنَهُمَا."

تَرجَمَہ: "یعنی جب دو بلاؤں میں گرفتار ہوجائے تو ہلکی والی کو اختیار کیا جائے۔"

کے اصول کے پیش نظر موجود خامیوں کو گوارا کرنا ضروری ہے۔

غرض یہ کہ نظام عالم کے قیام پر سکون کا مدار بڑوں کی اطاعت ہی پر ہے۔

دنیا میں شرعی مصالح کے علاوہ تکوینی مصالح بھی ہیں۔ عقلاً وطبعاً غور فرمائیں کہ ہر باپ اپنے بیٹے سے، مرشد اپنے مرید سے، استاذ اپنے شاگرد سے، رہبر ولیڈر اپنے پیروؤں سے، سپہ سالار اپنے فوجیوں سے، افسر اپنے ماتحتوں سے اور بادشاہ اپنی رعایا سے (ناظم تعلیمات اپنے ساتھیوں سے) فرمانبرداری کا خواہاں ہے اور ماتحت کے حق میں یہی مفید ہے کہ وہ حق فرمانبرداری بجالائے۔

اسلاف رحمۃ اللہ علیہم کا اپنے اپنے شعبوں میں کمال کی انتہاء تک پہنچنے کا راز یہی تھا کہ انہوں نے اپنے بڑوں کی نہایت اخلاص کے ساتھ اطاعت واتباع کی ہے، ان کا ادب واحترام اپنے قلوب میں جمائے رکھا، اگر کوئی امر منکر کسی امیر سے پیش آیا تو حق بات تو کہہ دی اور پھر فارغ ہوگئے اور شرعی حدود (یعنی جب تک صریح حکم شریعت کے خلاف حکم نہ ہو) میں رہ کر اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچا، چناں چہ حق بات کہنے کی دلیل تو یہ ہے۔

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ." [1]

تَرجَمَہ: "افضل جہاد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہی جائے۔"

اور حق بات کہنے کے بعد شرعی حدود میں رہ کر اطاعت سے ہاتھ نہ کھینچنے کا امر اس حدیث میں ہے:

عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"خِيَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ تُحِبُّوْنَهُمْ، وَيُحِبُّوْنَكُمْ، وَتُصَلُّوْنَ عَلَيْهِمْ، وَيُصَلُّوْنَ عَلَيْكُمْ وَشِرَارُ أَئِمَّتِكُمُ الَّذِيْنَ

[1] مسند احمد: ۱۹/۳ بروایت ابوسعید خدری

تُبْغِضُوْنَهُمْ، وَيُبْغِضُوْنَكُمْ، وَتَلْعَنُوْنَهُمْ وَيَلْعَنُوْنَكُمْ، قَالَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَفَلَا نُنَابِذُهُمْ عِنْدَ ذٰلِكَ قَالَ لَا، مَا أَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلٰوةَ قَالَ لَا، مَا أَقَامُوْا فِيْكُمُ الصَّلٰوةَ أَلَا مَنْ وَلِيَ عَلَيْهِ وَالٍ فَرَاٰهُ يَأْتِيْ شَيْئًا مِّنْ مَّعْصِيَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَلْيَكْرَهْ مَا يَأْتِيْ مِنْ مَّعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا يَنْزِعَنَّ يَدًا مِّنْ طَاعَةٍ." [1]

تَرجَمَہ: "تمہارے امیروں میں بہتر وہ ہیں جن سے تم محبت رکھتے ہو اور وہ تم سے محبت رکھتے ہیں اور جن کے لئے تم دعا کرتے ہو اور وہ تمہارے لئے دعا کرتے ہیں، اور تمہارے بُرے امیر وہ ہیں جن سے تم بغض رکھتے ہو اور وہ تم سے بغض رکھتے ہیں اور جن پر تم لعنت کرتے ہو اور وہ تم پر لعنت کرتے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا اس وقت ہم ان سے عہد اطاعت نہ توڑیں؟

آپ نے فرمایا: نہیں نہیں، جب تک وہ تم میں نماز قائم کریں، یاد رکھو! جس پر کوئی حاکم مقرر کیا جائے پھر دیکھے کہ حاکم اللہ تعالیٰ کی کوئی نافرمانی کرتا ہے تو اس معصیت کو تو ناپسند کرے، لیکن اس کی اطاعت سے ہرگز ہاتھ نہ کھینچے۔"

لہٰذا ادارے کے تمام ماتحتوں کو بموجب نصوص، اپنے اپنے امیروں کی اطاعت لازم ہے۔ ماتحتوں کو چاہئے کہ امیر کو اپنا ہمدرد اور سرپرست سمجھیں، اگر امیر سے کوئی غلطی ہو تو ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے شرعی حدود میں رہ کر حق بات تو کہی جاسکتی ہے (یا بغیر اپنا نام لکھے خط کے ذریعہ سمجھائی جاسکتی ہے) لیکن برسرعام کہنے سے تو فتنہ وفساد ہی کا دروازہ کھلتا ہے اوران سب باتوں کی شریعت میں سخت ممانعت

[1] مسلم، کتاب الامارۃ، باب خیار الائمۃ وشرارھم: ۱۲۹/۲

ہے، چناں چہ حدیث شریف میں ہے:

"إِنَّ مِنْ أَرْبَى الرِّبٰوا الْاِسْتِطَالَةُ فِيْ عِرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَيْرِ حَقٍّ."[1]

ترجمہ: "سب سے بڑھ کر سود یہ ہے کہ کسی مسلمان کی عزت وآبرو کو ناحق بگاڑنے کے لئے زبان درازی کی جائے۔"[2]

وجہ یہ ہے کہ اس طرح برسرعام تنقید وتخطیہ سے جو فتنہ وفساد پیدا ہوتا ہے وہ حق تعالی کو سخت مبغوض ہے، اسی لئے جب حق تعالی نے فرشتوں میں حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوۃ والسلام کی خلافت کا اعلان فرمایا تھا تو فرشتوں نے عرض کیا تھا:

﴿اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ﴾[3]

ترجمہ: "کیا آپ زمین میں ان کو خلیفہ بنا رہے ہیں، جو اس میں فساد اور خون ریزی کریں گے۔"

ظاہر ہے کہ فرشتوں نے انسانی خامیوں میں سے جو عنداللہ زیادہ مبغوض ہیں انہی کا تذکرہ کیا ہے، اور وہ فساد ہے اور خون ریزی اس سے بھی بڑھ کر ہے۔ حق تعالی نے خود جگہ جگہ کلام پاک میں فساد کی مبغوضیت بیان فرمائی ہے جیسے:

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ﴾[4]

ترجمہ: "اللہ تعالی مفسدوں کو یقینا پسند نہیں فرماتے۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي

[1] أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في الغيبة: ۳۱۳/۲

[2] مظاهر حق جديد: ۵۸۷/٤

[3] سورة البقرة: آيت ۳۰

[4] سورة القصص: آيت ۷۷

الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا﴾[1]

ترجمہ: "یہ دار آخرت ہم ان لوگوں کے لئے خاص کریں گے جو زمین میں نہ تو بڑائی چاہتے ہیں اور نہ فساد۔"

چناں چہ ادارے کے ہر ماتحت کو فتنہ وفساد سے دور رہ کر اپنے فرائض کی ادائیگی میں ہمہ تن مشغول رہنا چاہیے، اگر تعلیمی اداروں میں رہ کر فتنہ وفساد سے بچے رہنے کی طبیعت نہ بنی تو پھر مدارس سے نکلنے کے بعد کیا امید کی جاسکتی ہے۔

شیخ ابوالحسن نوری رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں:

"مَنْ لَّمْ يَتَأَدَّبْ لِلْوَقْتِ فَوَقْتُهُ الْمَقْتُ"

ترجمہ: "جس نے وقت کی قدر نہیں کی، اس کا وقت ناراضگی (الہی) ہے۔"

یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ دنیا میں کوئی بھی جگہ ایسی نہیں ہے، جہاں سارے امور اپنی مرضی کے موافق ہوں، اس بات کی امید وتوقع ایک لاحاصل چیز ہے، حق تعالی ایسی تمنا اور امید پر نکیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

﴿اَمْ لِلْاِنْسَانِ مَا تَمَنّٰى ۝﴾[2]

ترجمہ: "کیا دنیا میں انسان کو ہر وہ چیز مل سکتی ہے، جس کی تمنا کرے۔"

استفہام انکاری ہے، یعنی ایسا نہیں ہوسکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کی ہر تمنا پوری نہیں ہوتی، بل کہ جس کو حق تعالی دینا چاہتے ہیں، دے دیتے ہیں۔ اسی کو کسی نے خوب نظم کیا ہے۔

مَا كُلُّ مَا يَتَمَنَّى الْمَرْءُ يُدْرِكُهُ
تَجْرِي الرِّيَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهِي السُّفُنُ

[1] سورة القصص: آيت ۸۳ [2] سورة النجم: آيت ۲٤

ترجمہ: ”ایسا نہیں کہ جس چیز کی انسان تمنا کرے اس کو پا ہی لے، بہت سی ہوائیں، کشتی کے ناموافق چلتی ہیں۔“

البتہ جنت ایک ایسی جگہ ہے جہاں کی تمام نعمتیں دل کی چاہت کے مطابق ہوں گی۔ ارشادِ ربانی ہے۔

﴿وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِىٓ أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ۝﴾[1]

ترجمہ: ”جس چیز کو تمہارا جی چاہے اور جو کچھ تم مانگو سب تمہارے لئے (جنت میں موجود) ہے۔“

لہٰذا اساتذہ یہ تمنا نہ کریں کہ مہتمم صاحب یوں کیوں نہیں کرتے، یوں ہونا چاہیے وغیرہ، بل کہ جو ہو رہا ہے اس پر شکر کریں اور جو کمی ہو اس کے لئے دعائیں کریں اور حسبِ موقع افہام وتفہیم سے کام لیں۔ اس میں اساتذہ کرام، مہتمم صاحب، ادارہ اور سب طلبہ کا فائدہ ہے نیز اخلاص سے کی گئی دعاؤں کا ثمرہ بھی یقیناً سامنے آئے گا۔

تنقید برائے اِصلاح قبول کی جائے

اساتذہ کو چاہیے کہ انکساری اور تواضع طبیعت میں رکھیں، مہتمم ناظم تعلیمات صدر مدرس کورڈینیٹر، وائس پرنسپل کسی غلطی پر تنبیہ کریں تو انانیت کا مسئلہ نہ بنائیں کہ شاگردوں کے سامنے آپ نے کیوں ڈانٹا، عزت بھی تو کوئی چیز ہے، بل کہ یہ سمجھے کہ حقیقی عزت وہ ہے جو امانت داری کے ساتھ ملے، ادارہ میں مجھ سے جو خیانت ہوئی، وقت پر نہیں پہنچا، یا مطالعہ کے بغیر پڑھایا، کاپیاں صحیح طرح چیک نہیں کیں، یہ تمام امورِ خیانت ہیں۔ ان کے ساتھ عزت مل ہی نہیں سکتی اور صدر صاحب نے جو

[1] سورۃ حٰمٓ السجدۃ: آیت ۳۱

ڈانٹا یا طلبہ کے سامنے جو ذلیل کیا وہ ان کو نہیں کرنا چاہیے ٹھیک ہے!

لیکن استاذ کو تو یہ سوچنا چاہیے کہ یہ ذلت تو چند لوگوں کے سامنے ہوئی۔ اگر قیامت کے دن حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آخری آنے والے انسان تک لوگ جمع ہوں گے۔ ان کے سامنے جو میری خیانت کا اعلان ہوگا تو کتنی شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔

الغرض استاذ ہمیشہ انکساری وتواضع کے ساتھ رہے تدریس اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت سمجھے اور اپنے آپ کو ہرگز اس کا اہل نہ سمجھے۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ سے کسی امام صاحب نے دریافت کیا کہ میں خود کو امامت کا اہل نہیں سمجھتا۔

حضرت رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: جب تک خود کو امامت کا اہل نہ سمجھو، کراتے رہو اور جب اہل سمجھنے لگو تو چھوڑ دو۔[1]

جب استاذ اپنے آپ کو اہل سمجھنے لگتا ہے تو بسا اوقات جائز تنقید اور تنقید برائے اصلاح بھی قبول نہیں کرتا، بل کہ شیطان اس کو یہ دھوکہ دیتا ہے کہ ٹھیک ہے، میری غلطی تھی، مگر کہنے کا طریقہ ایسا نہیں ہونا چاہیے، یا غلطی تو کم تھی سزا زیادہ دی گئی، یا غلطی تو تھی، مگر جس نے میری شکایت لگائی اس کے کرتوت بھی تو دیکھیں۔

نفس شیطان اپنی اصلاح پر آمادہ نہیں کرتے، ایسے وقت میں سمجھ دار استاذ کو اپنی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔ اور غلطی کو مان لینا چاہیے۔

مہتمم سے اپنی مرضی کے موافق چاہنا غلط ہے

اس لئے کسی ادارے اور مہتمم سے یہ توقع رکھنا کہ ہماری خواہش کے موافق سارا نظام ہو، یہ بے محل ہے، امیر ومہتمم کی اصلاح کی بجائے خود اپنی اصلاح کا

[1] محاسن اسلام: ص ۳۱

اہتمام ہونا چاہیے، اور امیر ومہتمم سے تصادم کے تمام طریقوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اگر کسی وجہ سے ان کی باتوں کا تحمل اور اس کی ہمت نہ ہو تو نہایت خوش اسلوبی اور خندہ پیشانی سے بدونِ اظہار کشیدگی اور بدون درپے آزار ہوئے خود بخود الگ ہوجانا چاہیے۔

؎ مباش درپے آزار وہر چہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

ترجمہ: ”کسی کے ستانے کے پیچھے مت پڑو اور جو چاہو کرو کہ ہماری شریعت میں (شرک کے بعد) اس سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں ہے۔“

غرضیکہ ادارے کے اندر لڑائی جھگڑے، فتنہ وفساد، جدال ونزاع اہل علم کی شان ووقار اور ان کے بلند مقام کے سراسر خلاف ہے۔ اہل علم کی تو یہ شان ہونا چاہیے جس کو مولانا روم رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

؎ خود چہ جائے جنگ وجدل ونیک وبدکیں
دلم از صلحہا ہم می رمد

ترجمہ: ”یعنی لڑائی اور جھگڑے کی تو یہاں کہاں گنجائش ہے یہ دل تو زیادہ صلح اور دوستوں سے بھی گھبراتا ہے۔“

شیخ سعدی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ؎

شنیدم کہ مردانِ راہِ خدا، دلِ دشمنان ہم نکردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام کہ بادوستانت خلافست وجنگ

ترجمہ: ”میں نے سنا ہے کہ راہِ خدا کے جوانمردوں نے دشمنوں کا بھی کبھی دل نہیں دکھایا۔ تجھ کو یہ مرتبہ کیسے میسر ہو، کیوں کہ تیری تو اپنے دوستوں سے ہی مخالفت اور لڑائی ہے۔“

عرض یہ کررہا تھا کہ ادارے کے ہر ماتحت کو ان تمام اسباب سے جو فتنہ وفساد کی

طرف لے جانے والے ہوں، دور رہ کر ہمہ تن اپنے فرائض کی ادائیگی میں مشغول رہنا چاہیے، کیوں کہ اپنے امیر کی محبت وعظمت، ادب واحترام لازم ہے، اس پر اعتماد اور اس کے ساتھ حسنِ ظن رکھیں اور اس کو بڑی عبادت سمجھیں۔ ارشادِ نبوی ہے:

”حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حُسْنِ الْعِبَادَةِ“

ترجمہ: ”اچھا گمان رکھنا، منجملہ بہترین عبادات کے ہے۔“[1]

نیز مہتمم کے انتظامی امور میں دخل نہ دیں نہ طلبہ، نہ مدرسین، نہ مشیرین، سب اپنا اپنا کام کریں۔ مشیرین کا کام تو صرف مشورہ دینا ہے اور طلبہ کا کام پڑھنا ہے اور مدرسین کا کام پڑھانا۔ پس ان تینوں حضرات کا انتظامی امور میں دخل دینا اپنی حد سے نکلنا ہے۔

مولانا محمد ادریس کاندھلوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا ارشادِ گرامی

حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: میں ایک مرتبہ پاکستان گیا ہوا تھا، وہاں میرا اور شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا، ایک ہی سواری میں سفر کرنے کا اتفاق ہوا، دورانِ گفتگو مولانا نے فرمایا: ”تمام عمر کے تجربے سے یہ بات محقق ہوگئی کہ مدرسین کا کام تو صرف درس وتدریس ہے، امورِ انتظامیہ کو مہتمم جانے، مدرسین کو تو امورِ انتظامیہ میں بالکل دخل نہ دینا چاہیے، بس ان کو تو پڑھنے پڑھانے میں ہی لگا رہنا چاہیے۔“

مولانا موصوف متعدد بڑے بڑے مدارس میں رہے ہیں اور بعض اختلافات میں بھی ایک مرتبہ شریک ہوگئے تھے، ان تمام تجربات کے بعد ان کی مذکورہ پختہ رائے قائم ہوئی ہے تو ان کی رائے کتنی وزنی اور قابل عمل ہوگی ظاہر ہے۔

[1] أبوداؤد، کتاب الأدب باب حسن الظن: ۳۲۶/۲

جب مدرسین ہی کو انتظامیہ میں دخیل نہیں ہونا چاہیے تو طلبہ کو تو بدرجۂ اولیٰ دخیل ہونے سے الگ رہنا ضروری ہے، اور مشیروں کو بھی دخیل اس لئے نہیں ہونا چاہیے کہ ان کا کام صرف مشورہ دینا ہے اور بس۔ جیسا کہ مشورہ کا طریق ہے جس پر اسوۂ رسول اللہ ﷺ سے نظائر آگے آرہے ہیں، نیز بعض مشیرین حضرات صاحبِ معاملہ نہیں، اس لئے نشیب وفراز اور طبائع طلبہ، اسی طرح دیگر امور انتظام سے سابقہ نہ پڑنے کی وجہ سے بروقت کسی امر میں حقیقت شناسی سے قاصر رہ جاتے ہیں۔

چناں چہ بعض مرتبہ مدرسے کے بعض صاحبان اپنے معاملہ کو ممبرانِ شوریٰ کے سامنے اس طرح پیش کرتے ہیں کہ ممبران میں سے بھی بعض یا اکثر ان کی غلط بات کو عدمِ تجربہ اور سابقہ نہ پڑنے کی وجہ سے سچ سمجھ لیتے ہیں اور ان کی بات قبول کر لیتے ہیں، جس سے طلبہ اہتمام کے مقابلے میں جری ہو جاتے ہیں، جو طلبہ وادارہ دونوں کے لئے سخت خسارے کی بات ہے۔ پھر جیسا کہ سابقاً مذکور ہوا کہ بڑوں سے بھی اگرچہ اجتہادی خطا ہو جاتی ہے، مگر اس پر گرفت غلط اور ناجائز ہوتی ہے، پھر اس غلطی کو اچھال کر اہتمام پر تبصرہ اور اس کی تنقیص اور تنقید پھر خلاف وجدال وغیرہ خرابیاں ظہور میں آتی ہیں، جیسا کہ مشاہدہ ہو رہا ہے۔[1]

استاذ مایوس نہیں ہوتا

اساتذہ ومعلمات کی جماعت کو چاہیے کہ مایوسی اور ناامیدی سے اتنا ہی فاصلہ رکھیں جتنا مشرق سے مغرب کے درمیان ہے۔ مایوسی اور منفی سوچ کے کسی ذرہ کو بھی اپنے پاس آنے کی اجازت نہ دیں، اسلام ہمیں مثبت اندازِ فکر اختیار کرنے اور اللہ

[1] ماخوذ از کتاب شوریٰ اور اہتمام از مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب خلیفہ ارشد حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ

تعالیٰ کی ذات سے اچھے گمان کی ترغیب دیتا ہے چناں چہ حدیث قدسی میں ہے:

"أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِيْ بِيْ"[1]

ترجمہ: "میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں۔"

بندہ یہ گمان کرے کہ میری دعا ضرور قبول ہوتی ہے تو ضرور قبول ہوگی۔ اگر کوئی استاذ یہ گمان کرے کہ میری ان کمزور، نالائق طلبہ پر بھی محنت رائیگاں نہیں جائے گی تو اس محنت کا ثمرہ بھی وہ ضرور دیکھے گا۔ اگر کوئی استاذ ہمیشہ یہی سوچتا ہے کہ ہر نصیحت کو بار بار سمجھایا جائے تو اس کے نتائج بہتر نکلیں گے تو اس بات کا سو فیصد امکان ہے کہ نتائج واقعی اچھے نکلیں گے،

مایوسی اور منفی سوچ انسانی صلاحیتوں کو گھن کی طرح چاٹ لیتی ہے، ذہن زنگ آلود ہو جاتا ہے اور ترقی کی رفتار رک جاتی ہے۔ "شاید کوئی یوں کہے میرے تو بال سفید ہو گئے، ان بچوں اور بچیوں پر محنت کر کے یہ سدھر کر ہی نہیں دیتے" بالکل صحیح قول ہے کسی کا "لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانا کرتے" وغیرہ اگر یہ سوچ ہوگی تو اس بات کا سو فیصد امکان ہے کہ پھر ایسے بچے سدھر کے ہی نہیں دینگے۔

حسنِ ظن اور دعاؤں کی کثرت شخصیت کی تعمیر وترقی کے لئے بے حد اہم ہے، فکر کا یہ انداز انسان کو مایوسی سے بچاتا ہے اور توانائی فراہم کرتا ہے۔ ایک گلاس میں نصف پانی ہو تو تجربہ کار استاذ کے لئے وہ آدھا بھرا ہوا ہے، جب کہ منفی فکر استاذ کے لئے آدھا خالی ہے۔ اوّل الذکر استاذ کی یہ سوچ زندگی کے عمومی معاملات پر حاوی ہوتی ہے۔ تلخ وناساعد حالات میں بھی نماز ودعا کے ذریعے امید واچھائی کا پہلو تلاش کرتا ہے وہ ہر مشکل میں موقع محل سمجھتے ہوئے، اس سے اپنا راستہ نکال ہی لیتا ہے۔

پرنسپل ساتھ دے یا نہ دے، اساتذہ ساتھ دیں یا نہ دیں، ماحول سازگار ہو یا نہ ہو اور طلبہ تعاون کریں یا نہ کریں، وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر پورا بھروسہ کرتے ہوئے

[1] بخاري، كتاب التوحيد، باب قول الله ويحذركم الله نفسه: ١١٠١/٢

کام کرتا رہتا ہے اور اسی اندھیرے میں ایک دن اُجالا نظر آجاتا ہے۔

بقول مولانا ابوالکلام آزاد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے کہ بڑوں بڑوں کا عذر یہ ہوتا ہے کہ وقت ساتھ نہیں دیتا اور سروسامان واسبابِ کار فراہم نہیں، لیکن وقت کا عازم وفاتح اُٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر وقت ساتھ نہیں دیتا تو میں اس کو ساتھ لوں گا، اگر سروسامان نہیں تو اپنے ہاتھوں سے تیار کرلوں گا، اگر زمین موافق نہیں تو آسمان کو اُترنا چاہیے، اگر آدمی نہیں ملتے تو فرشتوں کو ساتھ دینا چاہیے، اگر انسانوں کی زبانیں گونگی ہوگئی ہیں تو پتھروں کو چیخنا چاہیے۔

اگر ساتھ چلنے والے نہیں تو کیا مضائقہ؟ درختوں کو دوڑنا چاہیے، اگر دشمن بے شمار ہیں تو آسمان کی بجلیوں کی بھی کوئی گنتی نہیں، اگر رکاوٹیں اور مشکلیں بہت ہیں تو پہاڑوں اور طوفانوں کو کیا ہوگیا کہ راہ صاف نہیں کرتے، وہ زمانے کا بندہ نہیں ہوتا کہ زمانہ اس سے اپنی چاکری کرائے، بل کہ وہ وقت کا فاتح اور عہد کا پالینے والا ہوتا ہے، وہ زمانے کے حکموں پر نہیں چلتا، بل کہ زمانہ آتا ہے تاکہ اس کی جنبشِ لب کا انتظار کرے، وہ دنیا پر اس لئے نظر نہیں ڈالتا کہ کیا کیا ہے جس سے دامن بھرلوں؟ وہ یہ دیکھنے کے لئے آتا ہے کہ کیا کیا نہیں ہے، جس کو پورا کروں۔[1]

بزرگوں کا ارشاد ہے:

باہمت انسان مواقع پیدا کرلیا کرتے ہیں، کبھی کوئی ناخوش گواری کی بات پیش آجائے تو پریشان نہ ہونا، کیوں کہ کامیابیوں کا زینہ ناکامیوں کے ڈنڈوں سے مل کر تیار ہوتا ہے۔[2]

ماہر تجربہ کار استاذ مسائل سے بے نیاز اور ماحول سے بے پروا ہوکر اپنے کام میں لگا رہتا ہے دعاؤں اور ہمت کے ذریعے اپنے لئے وسائل مہیا کرلیتا ہے، اور زمانے کو اپنے لئے ساز گار، بل کہ اپنا تابع فرمان بنالیتا ہے اور فصلِ خزاں سے موسم

[1] خلاصہ از پرانے چراغ: ۲/۵۹ [2] مکتوبات فقیر: ۱۰۱ مکتوب: ۵۱

بہار اور فصلِ گل پیدا کرلیتا ہے۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد ز باغبان
بلبل چہ گفت، وگل چہ شنید، وصبا چہ کرد

دوسری طرف نمازوں کی پابندی نہ کرنے والا اُستاد، دعاؤں میں سستی اور کوتاہی کرنے والا شخص، منفی فکر رکھنے والا انسان عموماً قنوطیت، مایوسی اور احساسِ کمتری کا شکار رہتا ہے، ہر معاملے کے برے پہلو پر نظر کرنے سے اس کی فکر اور قوتِ عمل میں کمزوری آتی ہے اور وہ اولوالعزم نہیں رہتا۔

اگر آپ نے اپنے دل کو یہ ہی سمجھالیا ہے کہ:

"اس کلاس کے طلبہ ایسے نکمے ہیں کہ یہ سبق یاد کرکے ہی نہیں آتے، ان کو سمجھانا بھینس کے آگے بین بجانا ہے، یہ نالائق تو امتحان میں ضرور فیل ہی ہوگا اور پرنسپل کا ہمیشہ میرے ساتھ ایسا ہی رویہ رہے گا، میں کتنی بھی بھلائی کروں، ادارے کے لئے میری تو کوئی شنوائی ہی نہیں ہوگی، بل کہ یہاں کچھ مشورہ دینا تو اپنے آپ کو ہی ذلیل کروانا ہے" تو اس بات کا امکان ہے کہ نتائج واقعی برے ہی نکلیں۔

چاہے آپ وہ کام درست ہی کیوں نہ کررہے ہوں، کیوں کہ آپ نے اسلامی تعلیمات کو پس پشت ڈال دیا۔ حضرات انبیاء عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مایوس نہیں ہوا کرتے تھے، اللہ پاک کی صریح منشا جانے بغیر یا قطعی وحی کی آمد کے بغیر فوراً بددعائیں نہیں دیا کرتے تھے، جلدی ہمت نہیں ہارا کرتے تھے، بل کہ اپنی قوم کے لوگوں کو مختلف انداز سے، مختلف اوقات میں، مختلف طریقوں سے سمجھاتے تھے، پھر راتوں کو اُٹھ کر اپنی قوم کے افراد کے لئے دعائیں کرتے تھے کہ "اے اللہ! آپ ان کو ہدایت دیدیں۔"

جیسے حضرت نوح عَلَیْہِ السَّلَامُ نے فرمایا:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِي فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ."[1]

[1] بخاري، كتاب الانبياء، باب (بلا عنوان): ۱/۴۹۵

ترجمہ: ''اے اللہ! میری قوم کو معاف کردے کہ وہ نہیں جانتی۔''

آپ بھی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث ہیں۔ آپ معلم ہیں نتیجہ کا جلد انتظار نہ کیجیے، اپنی پریشانیوں میں اضافہ، منفی اندازِ فکر سے پیدا مت کیجیے، آپ اپنے اضطراب کی سطح پریشان کن حد تک بڑھا لیتے ہیں جو جسم اور ذہن دونوں ہی کو تناؤ کی حالت میں رکھتی ہے۔

یاد رکھیے! یہ جسم اور دماغ آپ کے پاس اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی امانت ہے، ان پر اتنا بوجھ مت ڈالیے جو یہ برداشت نہ کرسکیں، اضطراب، بے سکونی، بے خوابی وغیرہ سے امراضِ قلب اور دیگر عوارض لاحق ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

دل ہی دل میں یہ فیصلہ مت کیجیے کہ فلاں نے میری مہتمم یا پرنسپل کو شکایت لگا دی ہوگی، یا میرے متعلق یہ سوچ رہے ہیں، اب ان کے فرشتوں کو بھی پتا نہیں کہ یہ ہو رہا ہے اور آپ اپنی شیخ چلی کی سوچ میں مایوس ہو رہے ہیں کہ مہتمم، ناظم تعلیمات نے مجھ پر توجہ نہیں دی، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ یہی سوچ رہا ہوگا۔

اُستاذ کو چاہیے کہ کسی کے طعنوں اور ہتک آمیز جملوں سے تنگ دل و مایوس نہ ہو، تہمت کے مواضع سے بچنے کی تدبیریں ضرور اختیار کرتا رہے، لیکن مایوس ہو کر کام نہ چھوڑے، مثلاً: ایک اُستاذ خوب محنت کرتا ہے، طلبہ کے لئے ایک فن کی کئی کتابیں مطالعہ کرتا ہے، طلبہ فارغ وقت میں بھی اس کے پاس بیٹھتے ہیں تو اب دوسرے اساتذہ کو حسد ہوگا، ہوسکتا ہے کوئی کہے کہ فلاں استاذ صاحب کا اس درجے والوں سے بہت زیادہ تعلق ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

اب دوسرا استاذ اس بات کو مزید کچھ مسالہ لگا کر اس محنتی استاذ کے کان میں اس طرح پیش کرتا ہے کہ وہ ہمت ہار جاتا ہے، اس کے قلب و دماغ پر یہ طعنہ بم کی طرح گرتا ہے کہ تم تو اللہ تعالیٰ کے لئے ان نونہالوں پر محنت کررہے تھے اور یہ اساتذہ یا پرنسپل صاحب تم کو یہ صلہ دے رہے ہیں، لہٰذا! عافیت اسی میں ہے کہ اسی

طرح ٹرخاتے رہو یا وقت گزارتے رہو جس طرح اور ساتھی وقت گزار رہے ہیں، یہ زمانہ محنت کرنے کا نہیں یہاں تو لینے کے دینے پڑ جاتے ہیں وغیرہ۔

یاد رکھیے! یہ شیطان کا دھوکہ ہے، اس سے خوب بچیں خوب بچیں، اگر کوئی استاذ آپ کے پاس کسی کا پیغام لائے کہ فلاں یوں کہہ رہا تھا تو ہرگز اس کی بات نہ سنیں بلکہ اس کو وہیں خاموش کروادیں کہ بھائی یہ غیبت ہے۔

اگر فلاں کہہ رہا تھا تو اس لئے نہیں کہہ رہا تھا کہ مجھے آکر کہو، اگر اس نے تم سے کہا تو تم نے غیبت سننے کا گناہ کیا اور اگر آپ کو معتمد سمجھ کر غیبت کی تو آپ نے مجھے بتا کر خیانت کا بھی گناہ کیا اور چلو اس فلاں سے پوچھ لیتے ہیں جس نے یہ بات کہی ہے کہ انہوں نے ایسا کیوں کہا؟

یہ کہتے ہی ان شاء اللہ تعالیٰ آئندہ وہ استاذ ایسی توبہ کرلے گا کہ اس کو عمر بھر یہ توبہ یاد رہے گی، لہٰذا ہمیں ہرگز مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

شاید آپ کے شاگردوں میں کوئی صلاح الدین ایوبی ہو

آج کے نوجوان ہی کل کی تاریخ مرتب کرتے ہیں، نئی نسل کے فکر و عمل سے قوم کا مستقبل وابستہ ہوتا ہے، اساتذہ کی محنت ضرور رنگ لاتی ہے، چند بہترین اساتذہ انتھک محنت اور مسلسل لگن کے ساتھ کام کرتے رہتے ہیں اور لگے رہتے ہیں اور راتوں کو اُٹھ اُٹھ کر اپنے شاگردوں کے لئے دعائیں مانگتے رہتے ہیں، تو ضرور ان کی محنتیں رنگ لاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے انہی بچوں میں کوئی نورالدین زنگی، کوئی صلاح الدین ایوبی، کوئی طارق بن زیاد، کوئی ٹیپو سلطان، کوئی مولانا شاہ محمد الیاس، کوئی مولانا اشرف علی تھانوی، کوئی زبیدہ ہارون، فاطمہ بنت عبدالملک، یا کوئی امۃ اللہ تسنیم رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جیسے مرد و عورت پیدا کرتے ہیں جو اُمت مسلمہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سبب بنتے ہیں۔

لہٰذا آپ بھی مایوس ہوکر فوراً نتیجے کا انتظار نہ کیجیے، بل کہ اُمید رکھیے اور محنت کرتے رہیے محنت میں کمی نہ آنے دیجیے، ماضی کی تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ اس وقت بھی اُمت کو قائد کی ضرورت ہے، اس لئے کہ تاریخ کے اوراق پر اُمت مسلمہ کا گریہ بہت مرقوم ہے۔

کیوں کہ ہر مسلمان مرد وعورت کو یہ سمجھایا گیا کہ دین پھیلانا ہم سب کی ذمہ داری ہے، جب ہم سب مل کر اس ذمہ داری کو ادا کریں گے اور اس کے لئے ہر قسم کی مشقت برداشت کریں گے تو دین زندہ ہوگا، کم از کم آج سے ہم یہ کوشش تو شروع کردیں کہ ہر مسلمان نمازی بن جائے، علماء کا ارشاد ہے کہ مسلمان پچاس فیصد نمازی بن جائیں تو باطل والوں کا غلبہ ٹوٹ جائے گا اور اکیاون فیصد بن جائیں تو باطل والوں پر ہمارا غلبہ شروع ہوجائے گا۔

لہٰذا اساتذہ کرام کو چاہیئے کہ طلبہ کو تاریخ کا یہ عروج وزوال بتلا کر حقیقت شناس بنائیں، اور اس نکتہ پر غور وفکر کی دعوت دیں کہ مسلمانوں کی کایا کیوں پلٹی ہے؟ اور آسمان سے بگاڑ کے فیصلے کیوں آتے ہیں؟

غالباً اس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ من حیث القوم مسلمانوں نے اس ایک ذات کی رضا کو مقصود نہ سمجھا، جس کے ہاتھ میں سب کچھ ہے، تو یوں غیروں کے ہاتھ میں کھلونا بنے، عمومی طور پر اپنی حق بات دعوت کے ذریعے آگے پہنچانا چھوڑی تو غیر کی باطل پکار پر مدعو ہوگئے اور جو اُمت امام عالم بننے آئی تھی وہ غلامانِ عالم بن گئی، اب بھی ہم اگر اس ذلت سے نکل کر اصلی مقام کو پانا چاہیں تو اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے جان و مال کی قربانی دینی ہوگی اور افراد تیار کرنے ہوں گے (اور اس کے لئے اساتذۂ کرام ''جہانِ دیدہ'' از مولانا محمد تقی عثمانی صاحب ''تاریخ ملت''، مطبع ادارہ اسلامیات لاہور اور ''مولانا الیاس اور ان کی دینی دعوت'' نامی کتابوں کا مطالعہ کریں) ان شاء اللہ تعالیٰ اس طرز پر محنت کرنے سے کوئی ایسا وجود سامنے آجائے گا

جس میں صلاح الدین ایوبی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ وغیرہ جیسی کوئی صلاحیت پوشیدہ ہو۔

بدگمانی سے لوگوں کے درمیان دشمنی اور نفرت بڑھتی ہے

اللہ تعالیٰ نے جو دین آں حضرت ﷺ کے ذریعے لوگوں تک پہنچایا ہے اس دین میں ہر ہر بات کو بیان کردیا گیا ہے، یعنی جن جن چیزوں سے انسانوں کو فائدہ ہوسکتا ہے، وہ بھی، اور جو چیز معاشرے میں بدنظمی اور باہم عداوت ودشمنی کا ذریعہ بنتی ہیں، وہ بھی اس دین میں واضح طور پر بیان کردی گئی ہیں۔

جن چیزوں سے لوگوں کے درمیان دشمنی اور عداوت بڑھتی ہے، ان میں سے ایک ''بدگمانی'' ہے، اور یہی وہ مرض ہے جس کی وجہ سے کئی لوگوں کے درمیان دشمنی نے جنم لیا، باپ اگر بیٹے سے ناراض ہے تو اکثر اس کی وجہ ''بدگمانی'' ہوتی ہے۔ اس چیز نے بھائی کو بھائی سے دور کردیا، ماں کو بیٹے سے الگ کردیا، اور دو دوستوں میں اسی مرض نے عداوت پیدا کی ہے۔ غرض یہ ایک ایسا مرض ہے جس نے کسی کو نہیں بخشا۔

بدگمانی سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص بلاسبب اور بلاوجہ اپنے دل میں کسی دوسرے مسلمان بھائی کے بارے میں کسی ایسے گمان کو جگہ دے دے، جو دوسرے مسلمان کی دیانت، شہرت، نیکی اور شرافت کے لئے زہر قاتل ہو، اور جس کی وجہ سے وہ مسلمان معصوم سے مجرم اور خوش بخت سے بدبخت بن جائے۔ اس طرح اس شخص کے خلاف کوئی ایسا طوفانِ بدتمیزی جنم لے، جس کی رو سے اس کی پارسائی اور اس کا تقویٰ خس وخاشاک کی طرح بہہ جائے۔

جب یہ مرض اتنا شدید اور مہلک ہے تو اس سے بچاؤ کے طریقے بھی اتنے ہی سخت ہوں گے۔ چناں چہ قرآن وسنت میں جابجا اس مرض سے بچنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۫ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ؕ اَیُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ یَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ ۝﴾ [1]

ترجمہ: ''اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچو، یقیناً بعض گمان گناہ ہوتے ہیں۔ جاسوسی نہ کرو اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں کوئی ایسا ہے جو اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانا پسند کرے؟ پس یہ بات تو تمہیں ناگوار گزرے گی، اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا انتہائی مہربان ہے۔''

آیت بالا میں جس طرح اور گناہوں سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے وہاں بدگمانی جیسے گناہ سے بھی رکنے کا ذکر ہے۔

چناں چہ علامہ شبیر احمد عثمانی صاحب رَحِمَهُ اللهُ تَعَالٰی اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں: ''اختلاف وتفریق باہم بڑھانے میں ان امور کو خصوصیت سے دخل ہے، ایک فریق دوسرے فریق سے ایسا بدگمان ہوجاتا ہے کہ حسنِ ظن کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑتا، مخالف کی کوئی بات ہو، اس کا محل اپنے خلاف نکال لیتا ہے، اس کی بات میں ہزار احتمال بھلائی کے ہوں اور صرف ایک پہلو برائی کا نکلتا ہو تو ہمیشہ اس کی طبیعت اس بُرے پہلو کی طرف جائے گی اور اس بُرے اور کمزور پہلو کو قطعی اور یقینی قرار دے کر فریق مخالف پر تہمتیں اور الزام لگانا شروع کردے گا...... ان تمام خرافات سے قرآنِ کریم منع کرتا ہے۔'' [2]

یوں تو بدگمانی یا سوءِ ظن عام مسلمانوں کے نزدیک معمولی سی برائی یا مرض ہے

[1] سورة الحجرات: آیت ۱۲
[2] تفسیر عثمانی: ص ۶۸۶، الحجرات: ۱۲

لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو یہ برائی بہت سی برائیوں اور بہت سی خرابیوں کی جڑ ہے، لہٰذا ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ کسی بھی معاشرے کی تباہی وبربادی میں بدگمانی کا بڑا دخل ہے۔

مثلاً بعض اوقات یوں ہوتا ہے کہ پرنسپل یا ناظم تعلیمات جلدی میں تھے وہ استاذ کی بات کا صحیح جواب نہ دے سکے، یا کسی جگہ سے آپ گزرے وہ آپ کو دیکھ نہ سکے اور بغیر مصافحہ کے گزر گئے، یا مشورہ کی مجلس میں آپ کو یوں محسوس ہوا کہ میری رائے پر توجہ نہ دی گئی اور مجھ سے نیچے کے درجے کے استاذ کی رائے کو اہمیت دی گئی، یہ ساری باتیں بدگمانیوں کی جڑ کی شکل میں دل میں جگہ بناتی رہتی ہیں۔

پھر بدگمانی کی شکل میں لگی ہوئی یہ جڑ کئی خرابیوں پر مشتمل ایک تناور درخت (شجرۂ خبیثہ) بن جاتا ہے، پھر اسی ایک بدگمانی سے ہزاروں بدگمانیاں پیدا ہوتی ہیں، وہ اس طرح کہ یہی استاذ جب دیکھتا ہے کہ چوکیدار نے آج میرے لئے اچھی طرح دروازہ نہیں کھولا، تو وہ سمجھتا ہے کہ ناظم تعلیمات سے میری ناراضگی کا چوکیدار کو بھی پتا چل گیا، اس لئے آج چوکیدار کا رویہ بھی بدلا ہوا ہے، پھر حسنِ اتفاق سے استقبالیہ میں اس استاذ کا آج کوئی ضروری فون آنا تھا اور جس نے فون اُٹھایا اس نے ان کو اطلاع نہ دی تو اس کو بھی موصوف اسی سے جوڑ دیتے ہیں کہ یہ بھی اسی ناراضگی کی وجہ سے ہے۔

اب پرنسپل یا ناظم تعلیمات اگر کسی استاذ سے بات کررہے ہوں تو وہ موصوف یہی سمجھتے ہیں کہ میرے خلاف باتیں ہورہی ہیں، اسی طرح موصوف کی درس گاہ کے کسی بچے کے والد نے آکر مہتمم صاحب سے بات کرلی، تو وہ موصوف سمجھتے ہیں کہ شاید میری ہی کوئی شکایت اس بچے کے والد نے آکر لگائی ہوگی۔ بہر حال ناظم تعلیمات کے فرشتوں کو بھی یہ پتا نہیں ہوتا کہ میں فلاں استاذ سے ناراض ہوں، نہ چوکیدار کو، نہ باورچی کو، نہ کسی استاذ کو، لیکن بعض اساتذہ اس طرح بدگمانیوں میں مبتلا

ہو کر خود ہی اپنے اندر کئی قسم کی پریشانیوں اور غیظ وغضب کے جذبات تیار کرتے رہتے ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار میں ایک شعر ہے:

وَلِلْقَلْبِ عَلَى الْقَلْبِ
دَلِيْلٌ حِيْنَ يَلْقَاهُ [1]

عربی میں ایک بہت پیارا جملہ ہے جو انسان کو نیک گمان پر آمادہ کرتا ہے اور بدگمانی سے بچاتا ہے، وہ جملہ یہ ہے:

اَلْقُلُوْبُ لَهَا لُغَةٌ ”کہ دلوں کی بھی زبان ہوتی ہے۔“

آپ دل میں مہتمم صاحب، ناظم تعلیمات کے لئے اچھے خیالات کو جگہ دیجئے یہ اچھے خیالات مخاطب کے دل پر اثر کریں گے اور وہاں بھی آپ کے لئے اچھے خیالات ہی پیدا ہوں گے۔ آپ طلبہ سے اچھا گمان رکھیں گے تو آپ انھیں ان شاء اللہ تعالیٰ ویسا ہی پائیں گے۔ قلوب کا اثر قلوب پر ہزاروں میل دور تک پڑتا ہے، آپ سے کوئی شخص ہزاروں میل دور ہے، آپ اس کے متعلق اچھا گمان کریں تو وہ بھی آپ کے متعلق یہی سوچے گا، اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کی اور بالخصوص جماعتِ اساتذہ کی بدگمانی سے...... تنگ دلی سے...... حسد سے...... غیبت سے...... یا بغیر تصدیق کئے کوئی بات آگے پہنچانے سے...... یا بغیر تحقیق کئے کسی سے متعلق غلط خبر کو صحیح مان لینے...... وغیرہ جملہ گناہوں سے مکمل حفاظت فرمائے اور غلط قسم کے محسوسات سے بھی حفاظت فرمائے کہ مجھے محسوس ہوا کہ فلاں نے فلاں کو شکایت لگائی میرا اندازہ ہے کہ آئندہ سال مجھے نہیں رکھا جائے گا، یہ غلط قسم کے محسوسات اور بے جا اندازے تباہ کن ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب روحانی بیماریوں سے ہم اساتذہ کی جماعت کی حفاظت فرمائے۔ آمین

[1] سمیر المؤمنین: ص ۵٦

حسد

حسد ایک صفتِ رذیلہ ہے، باطن کا روگ ہے، اہلِ باطل کا شیوہ ہے، فسادیوں کا پیشہ ہے، اوروں سے نعمت چھن جانے کی حرام تمنا کرنے والے کے لئے خود اپنے پاؤں پر کلہاڑی، بل کہ کلہاڑی پر پاؤں مارنے کے مترادف ہے، اوروں کا سکون چھیننے کی ناپاک کوشش کے روپ میں خود اپنے سکون کی بچی کھچی پوٹلی میں آگ لگانے کی احمقانہ کوشش ہے، خود اپنی سلگائی آگ میں جل جانے کا پیش خیمہ ہے، تقدیر وتقسیم پر راضی نہ رہنے کی مہلک بیماری کی علامت ہے اور گویا اس اُمت کے مجوسیوں (تقدیر کا انکار کرنے والوں) کی صفِ نامبارک میں خود لپک کر شامل ہونے کی بیہودہ جسارت ہے۔

حیرت کی بات اور افسوس کا نقطۂ عروج تو یہ ہے کہ جس جھولی میں اتنے چھید ہوں، اُس دامن میں لعل وجواہر کیسے جمع ہوں گے، جو آگے اوروں پر لٹائے جائیں؟ جس برتن اور پیالے میں اتنے سوراخ ہوں، اُس میں علم ومعرفت کا شہد کیا جمع ہوگا جو دوسروں کو بھی معرفت کی مٹھاس اور چاشنی نصیب کرے؟

جس دل کا دامن اس حرام بوجھ سے پھٹ کر برباد ہوگیا ہو اس میں علم وحکمت کی بات کیا محفوظ ہوگی اور آگے کیا منتقل ہوگی؟

جو چیز غیر اہلِ علم کے لئے بربادی ہی بربادی ہے، وہ کسی دینی، علمی اور تدریسی منصب والوں کو تو اپنے لازمی اور منطقی نتیجے کے طور پر ”اَسْفَلُ السَّافِلِيْنَ“ کے کسی گڑھے، بل کہ کنویں میں ڈال کر رہے گی۔ یہ حسد بھی دراصل حبِ مال اور حبِ جاہ کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ فلاں کو یہ منصب کیوں ملا؟

ترقی کیوں ہوئی؟ مجمع اس کے اردگرد کیوں ہے؟

بات اس کی چلتی ہے، اصلی تنخواہ بھی اس کی زیادہ، اضافی مراعات بھی زیادہ

وغیرہ، یہ سب کیوں ہے؟

لہٰذا بروئے حدیث ''دو بھوکے بھیڑیوں کو بکریوں کے ریوڑ میں چھوڑ دیے جانے سے جو نقصان دیتا ہے اُس سے زیادہ نقصان اور تباہی یہ دو گندی خصلتیں یعنی حبِ مال اور حبِ جاہ اس شخص کے دین کو پہنچاتی ہیں۔[1]''

بزرگوں کے بقول حبِ جاہ حبِ مال سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر کسی کو مال، جمال، کمال کی کوئی خوبی اللہ کی طرف سے مل ہی گئی تو ہم ان ازلی ملوں پر راضی ہوتے ہوئے، کسی کسبی صلاحیت کے حصول کی دعا اور ''وَأَجْمِلُوا فِي الطَّلَبِ.''[2]

''کسی چیز کو طلب کرنے میں اختصار سے کام لو'' کے کلیہ کے تحت جائز مناسب تدبیر حدِ اعتدال میں رہ کر تو کر سکتے ہیں، لیکن دوسرے کی کسی بھی قسم کی کسبی یا وہبی نعمت اور صلاحت پر چڑ جانا...... جل جانا...... اُس کے نابود ہوجانے کی تمنا ...... اُس کو لٹتا دیکھ کر خوش ہونے کی حسرت ...... یہ سب تو خود حاسد کو بربادی کے گڑھے میں دھکیلنے والے امور ہیں۔

دل میں پہلے دوسرے کی طرف سے حسد پیدا ہوتا ہے کہ وہ آگے بڑھ گیا، میں پیچھے رہ گیا اور اب اس کے آگے بڑھ جانے کی وجہ سے دل میں جلن اور کڑھن ہو رہی ہے، گھٹن ہو رہا ہے اور دل میں یہ خواہش ہو رہی ہے کہ میں اس کو کسی طرح نقصان پہنچاؤں اور نقصان پہنچانا قدرت اور اختیار میں ہے نہیں، اب اس کے نتیجے میں جو گھٹن پیدا ہو رہا ہے، اس سے انسان کے دل میں بغض پیدا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بغض سے بچنے کا پیارا راستہ یہ ہے کہ اپنے دل سے حسد کو ختم کرے۔

آپ اہلِ علم اور اہلِ مال پر وہ حسرت تو کر سکتے ہیں، جس کی خود حدیث سے

[1] ترمذی، ابواب الزهد، باب ما ذئبان جائعان: ۱۸۹۰، رقم: ۲۳۷۶
[2] ابن ماجه، كتاب التجارات، باب الاقتصاد في طلب المعيشة: ص ۲۶۰۵

اجازت بزرگوں کے ارشادات کی روشنی میں ملتی ہے کہ اے اللہ! میں بھی اس طرح مال کو ضرورت مندوں اور علم کو اس کے اہل لوگوں پر خرچ کروں، جیسا کہ وہ فلاں کر رہے ہیں۔

اے اللہ! مجھے بھی یہ دولت اور نعمت عطا فرما اور اُس کی بھی یہ صلاحیت باقی رہے، بل کہ اس دوسرے کو ملی ہوئی یہ نعمت دیکھ کر ہی تو مجھے بھی رشک ہوا اور شوق ہوا تو گویا وہ میرا غائبانہ محسن بھی ہے تو اس کو بھی اجرِ عظیم عطا فرما۔ یہ تو ہوا مثبت پہلو، بل کہ یہ علاج حسد کا بھی ایک شعبہ ہے۔

بزرگ فرماتے ہیں: جس کی کسی بات پر حسد ہو رہا ہو تو اس کے لئے دعائیں کیجیے، جس کے بارے میں بھی یہ خیال ہو کہ اس کی طرف سے دل میں بغض یا کینہ ہے تو خود اس کو کبھی کبھی ہدیہ دیا جائے اور دوسروں میں اس کی اچھائیوں کا تذکرہ کیا جائے۔ اس شخص کو اپنی پنج وقتہ نمازوں کی دعاؤں میں شامل کرلے کہ یہ حسد اور کینہ کا بہترین علاج ہے[1] اور اپنے لئے یہ راہ اختیار کی جائے کہ مجھے میرا اللہ اسی پر شکر و قناعت دیدے جو مجھے ملا ہے اور شکرِ نعمت پر مجھے نعمت دینے والے کا تعلق مل جائے تو مجھے اور کچھ نہیں چاہیے؛ کسی نے کیا خوب کہا ہے

مجھے کیوں ہو بھلا غم کہ کتنی اُس کے میخانے میں ہے
ہوں بڑا خوش کہ خود حاصلِ میخانہ میرے پیمانے میں ہے

لہٰذا اگر کسی استاذ کو انتظامیہ سہولت فراہم کرتی ہے تو دوسرے استاذ کو ہرگز ہرگز یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ مجھے یہ سہولت کیوں نہیں دی گئی، حالاں کہ میں پرانا ہوں یا میں زیادہ کام کرتا ہوں۔

بل کہ یہ سوچنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لئے یہ ظاہری خیر مقدر تھی اگر میرے مقدر میں ہوگی تو مجھے بھی مل جائے گی، اور اگر میرا حق ہے اور

[1] اصلاحی خطبات: ۶/۱۴۷

انتظامیہ نے مجھے نہیں دیا تو دو رکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مانگوں گا کہ اے اللہ! مجھے بھی یہ نعمت نصیب فرما اور پھر انتظامیہ کو درخواست دے کہ مجھے اس سہولت کی ضرورت ہے، آپ لوگ مہیا فرماسکیں تو کرم نوازی ہوگی۔

اس سلسلے میں اہلِ علم کو چاہیئے کتاب "تَحاسُدُ العُلَماء" اور "تحفة الائمہ" ناشر بیت العلم ٹرسٹ کا ضرور اصلاح کی نیت سے مطالعہ کریں۔

چغل خوری

جن بری عادتوں کا تعلق زبان سے ہے اور رسول اللہ ﷺ نے جن کو سنگین جرم اور گناہ عظیم قرار دیا ہے اور جن سے بچنے اور پرہیز کرنے کی آپ نے سخت ترین تاکید فرمائی ہے، ان میں سے ایک چغل خوری بھی ہے......

یعنی کسی کی ایسی بات دوسرے کو پہنچانا جو اس شخص کی طرف سے اس دوسرے آدمی کو بدگمان اور ناراض کر کے باہمی تعلقات کو خراب کر دے، اسی بری عادت کا نام چغل خوری ہے ...... چوں کہ آپس کے تعلقات کی درستی و خوشگواری اور حسن معاشرت اور باہم میل و محبت، تعلیم نبوی ﷺ کے مقاصد میں سے ہے اس لئے جو چیز باہمی تعلقات کو خراب کر کے بغض و عداوت اور مخالفت و منافرت پیدا کرے، ظاہر ہے کہ وہ بدترین درجہ کی معصیت ہوگی۔ بہر حال چغل خوری کو رسول اللہ ﷺ نے اسی لئے سخت ترین گناہوں میں سے بتلایا ہے، اور آخرت میں سامنے آنے والے اس کے برے انجام سے پوری طرح ڈرایا ہے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ فرماتے تھے:

"لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ ......"[1]

[1] بخاري، كتاب الأدب، باب مايكره من النميمة: ۸۹۵/۲

ترجمہ: "کہ چغل خور آدمی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔"

تشریح: مطلب یہ ہے کہ چغل خوری کی عادت ان سنگین گناہوں میں سے ہے، جو جنت کے داخلہ میں رکاوٹ بننے والے ہیں اور کوئی آدمی اس گندی اور شیطانی عادت کے ساتھ جنت میں نہ جا سکے گا، ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے کسی کو معاف کر کے یا اس جرم کی سزا دے کے، اس کو پاک کر دے، تو اس کے بعد داخلہ ہو سکے گا۔

عبدالرحمٰن بن غنم اور اسماء بنت یزید رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"خِيَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ إِذَا رُؤُوْا ذُكِرَ اللّٰهُ وَشِرَارُ عِبَادِ اللّٰهِ الْمَشَّاؤُوْنَ بِالنَّمِيْمَةِ وَ، الْمُفَرِّقُوْنَ بَيْنَ الْأَحِبَّةِ، وَ، الْبَاغُوْنَ الْبُرَآءَ الْعَنَتَ."[1]

ترجمہ: "اللہ کے بہترین بندے وہ ہیں، جن کو دیکھ کر اللہ یاد آئے، اور بدترین بندے وہ ہیں، جو چغلیاں کھانے والے، دوستوں میں جدائی ڈالنے والے ہیں اور جو اس کے طالب اور ساعی رہتے ہیں کہ اللہ کے پاک دامن بندوں کو کسی گناہ سے ملوث یا کسی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا کریں۔"

تشریح: اس حدیث میں اللہ کے اچھے بندوں کی یعنی اللہ والوں کی نشانی یہ بتلائی گئی ہے کہ ان کے دیکھنے سے خدا یاد آئے، اور بدترین انسان ان لوگوں کو قرار دیا گیا ہے جو عادۃً چغل خور ہوں، اور چغلیاں کھا کھا کے دوستوں میں پھوٹ ڈلوانا جن کی عادت اور جن کا دل چسپ مشغلہ ہو، اور جو بندگان خدا کو بدنام اور پریشان کرنے کے درپے رہتے ہوں ...... پس آدمی کو چاہیئے کہ وہ صحبت و محبت کے لئے ایسے

[1] مسند احمد: ۲۲۷/٤ رقم الحديث: ۱۷۵۳۷ (وابصة بن معبد الأسدي)

بندگانِ خدا کو تلاش کرے جن کو دیکھنے سے دل کی غفلت دور ہو اور اللہ یاد آئے، اور جن کے پاس بیٹھنے سے قلب میں زندگی اور بیداری پیدا ہو اور اس کے برخلاف جو ناخدا شناس اور موذی لوگ دوسروں کی برائی کے درپے رہتے ہوں اور ان کو بدنام کرنے اور نقصان پہنچانا جن کا خاص مشغلہ ہو ان سے بچے اور ان کے برے اثرات سے اپنے کو بچانے کی فکر کرتا رہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لَا يُبَلِّغُنِي أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِي عَنْ أَحَدٍ شَيْئًا فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَخْرُجَ إِلَيْكُمْ وَأَنَا سَلِيمُ الصَّدْرِ"[1]

تَرْجَمَہ: "میرے ساتھیوں میں سے کوئی کسی دوسرے کی بات مجھے نہ پہنچایا کرے، میں چاہتا ہوں کہ جب میں تم لوگوں میں آؤں تو میرا دل (سب کی طرف سے صاف) اور بے روگ ہو۔"

تَشْرِیح: رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث کے ذریعہ امت کو سبق دیا کہ دوسروں کے متعلق ایسی باتیں سننے سے بھی آدمی کو پرہیز کرنا چاہیے، جن سے اس کے دل میں بدگمانی کی کدورت اور رنجش وغیرہ پیدا ہونے کا امکان ہو (لیکن واضح رہے کہ جن موقعوں پر شرعی ضرورت اور دینی مصلحت کا تقاضا ایسی باتیں کہنے یا سننے کا ہو وہ مواقع اس سے مستثنیٰ ہوں گے)۔

بہت ہی افسوس کے ساتھ یہ لکھنا پڑ رہا ہے کہ ہمارے تعلیمی اداروں میں چائے کے وقفے میں یا کوئی بھی فارغ وقت ملنے پر بعض اساتذہ کی عادت چغل خوری کی یا غیبت کی ہو جاتی ہے، جو بہت ہی نقصان دہ ہے۔

روایتی طور پر چغلی ایک ایسی بری عادت ہے، جو بعض غیر تربیت یافتہ عورتوں

[1] ابوداؤد، کتاب الأدب باب في رفع الحديث من المجلس: ۳۱۱/۲

کے ساتھ مخصوص ہے، تاہم رفتہ رفتہ یہ بری خصلت مردوں میں بھی سرایت کرتی جارہی ہے۔ اور ایمان اور یقین کی کمزوری نے دوسروں سے حسد اور کینہ کا مادہ پیدا کردیا ہے۔

بے شمار ایسے تکلیف دہ واقعات ہیں جو چغلی کی بنا پر ظہور پذیر ہوئے، اور نتیجۃً بے شمار لوگوں کو اپنی ملازمتوں سے ہاتھ دھونا پڑا، یا پھر ان کی ترقی کی راہیں مسدود ہوگئیں، جب کہ کئی لوگوں نے اپنی ازدواجی اور گھریلو زندگی کو برباد کردیا۔

کئی شریف لوگوں نے جن کی وجہ سے ادارے کو نفع ہو رہا تھا، طلبہ کو فائدہ ہو رہا تھا، لیکن بعض غیر تربیت یافتہ اساتذہ و معلمات کی چغلی نے ان کو استعفیٰ دینے پر مجبور کردیا۔

نفسیاتی ماہرین کا کہنا ہے کہ چغلی گالی کی ایک قسم ہے، جو اس طرح پوشیدہ رہتی ہے کہ دوسرے لوگ اس سے واقف نہ ہوسکیں اور یہ براہِ راست آزادی پر حملہ بھی ہے۔ چغل خوری اور غیبت کا ایک اہم سبب اساتذہ کرام میں بے کاری اور خالی وقت کا ہونا بھی ہے۔

مولانا احمد لاڈ صاحب دامت برکاتہم (بستی حضرت نظام الدین دہلی میں مقیم دعوت وتبلیغ کی محنت میں سرپرستی فرمانے والے بزرگ ہیں) ایک مرتبہ فرمارہے تھے کہ ہم کسی جماعت میں جارہے تھے تو حضرت جی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی سے نصیحت حاصل کرنے گئے تو حضرت رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے مختصر سی، لیکن بہت جامع نصیحت فرمائی کہ "اَلْفَرَاغُ بَابُ الْمَعْصِيَةِ" "فراغت گناہوں کا دروازہ ہے۔"

نفس کو کسی چیز میں مشغول رکھو۔ ورنہ نفس تم کو ایسے کاموں میں مشغول کردے گا، جو کرنے کے قابل نہیں۔

ے ہے نفس میری فکر میں، میں فکرِ نفس میں
میں راہزن کو تاکتا ہوں، راہزن مجھے

اس لئے اساتذہ ومعلمات کی جماعت کو چاہیئے کہ فارغ نہ بیٹھیں بے کاری اور خالی وقت کا ہونا یہ ایک ایسا کارخانہ ہے، جس میں تمام بری عادتیں بنتی ہیں، جن میں سرفہرست چغل خوری ہے۔ جس کی شروعات چائے پیتے وقت سے یا ٹیلیفون پر طویل باتیں کرنے سے ہوتی ہے اور اختتام چغل خوری کی باقاعدہ محفلوں پر ہوتا ہے یہ ایک نسوانی عادت وخصلت ہے اور غیر دیندار عورتوں کیلئے تسلی کا ذریعہ ہے۔

مردوں میں یہ عادت بے کار بیٹھنے کے علاوہ دوسرے نمبر پر سماجی یا نفسیاتی طور پر ناکام ہوجانے کی وجہ سے بھی پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے آپس میں باہم اعتماد اور خود اعتمادی پیدا کرنی چاہیئے، اساتذہ کو اپنے مزاج اور عادات کو قابو میں رکھ کر سلیم الفطرت انسانوں کی طرح دنیا میں رہنے کا ڈھنگ سیکھنا چاہیئے۔

غیبت اور چغلی کی عادت سے بچنا اور بچانا اساتذہ میں باہم محبت پیدا کرتا ہے نیز طلبہ کی تربیت وتعلیمی قابلیت میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

غیبت اور بہتان

جس قسم کے مفاسد اور جو خطرناک نتیجے چغل خوری اور حسد سے پیدا ہوتے ہیں وہی بل کہ ان سے بھی کچھ زیادہ سنگین قسم کے نتیجے غیبت کرنے اور کسی پر بہتان لگانے سے پیدا ہوتے ہیں...... غیبت یہ ہے کہ کسی بھائی کی ایسی بات یا اس کے کسی ایسے فعل یا حال کا ذکر کیا جائے، جس کے ذکر سے اس کو ناگواری اور اذیت ہو اور جس کی وجہ سے وہ شخص حقیر وذلیل یا مجرم سمجھا جائے۔ چوں کہ غیبت سے ایک شخص کی رسوائی اور بے آبروئی ہوتی ہے، اور اس کو روحانی تکلیف پہنچتی ہے اور دلوں میں فتنہ وفساد کا بیج پڑتا ہے، جس کے نتائج بعض حالتوں میں بڑے خطرناک اور دور رس نکلتے ہیں، اس لئے غیبت کو بھی سخت ترین گناہ قرار دیا گیا ہے اور اس کی انتہائی شناعت اور گندگی کو ذہن نشین کرنے کے لئے قرآن وحدیث میں "اپنے مردہ بھائی

کا گوشت کھانے" سے اس کو تشبیہ دی گئی ہے...... بہر حال غیبت کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی تعلیم میں نہایت ذلیل اور گھناؤنی بداخلاقی اور گناہِ کبیرہ قرار دیا ہے...... اور بہتان کا درجہ اس سے بھی آگے ہے۔

بہتان اس کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی بندہ کی طرف ایسی کسی برائی اور بداخلاقی کی نسبت کی جائے جس سے وہ بالکل بری اور پاک ہو، ظاہر ہے کہ یہ بڑی شقاوت کی بات ہے اور ایسا کرنے والے اللہ تعالیٰ کے اور اس کے بندوں کے سخت ترین مجرم ہیں...... اس تمہید کے بعد رسول اللہ ﷺ کی یہ چند حدیثیں پڑھیے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بلند آواز سے لوگوں کو پکارا اور ارشاد فرمایا:

"يَامَعْشَرَ مَنْ أَسْلَمَ بِلِسَانِهِ وَلَمْ يُفْضِ الْإِيمَانُ إِلَى قَلْبِهِ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِينَ وَلَا تُعَيِّرُوهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا عَوْرَاتِهِمْ فَإِنَّهُ مَنْ تَتَبَّعَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ تَتَبَّعَ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ وَمَنْ يَتَّبِعِ اللّٰهُ عَوْرَتَهُ يَفْضَحْهُ وَلَوْ فِي جَوْفِ رَحْلِهِ ......"[1]

ترجمہ: "اے وہ لوگو! جو زبان سے اسلام لائے ہو، اور ایمان ابھی ان کے دلوں میں نہیں اترا ہے، مسلمانوں کو تکلیف مت پہنچایا کرو، اور ان کے چھپے ہوئے عیبوں کے پیچھے نہ پڑا کرو (یعنی ان کی چھپی ہوئی کمزوریوں کی ٹوہ لگانے اور ان کی تشہیر کرنے میں دل چسپی نہ لیا کرو) کیوں کہ جو ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ کا معاملہ بھی اس کے ساتھ ایسا ہی ہوگا، اور جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ معاملہ ہوگا اللہ تعالیٰ اس کو اس کے گھر میں ذلیل کردے گا۔"

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی مسلمان کی غیبت اور اس کے عیوب اور

[1] ترمذي، كتاب البر والصلة، باب ماجاء في تعظيم المؤمن: ۲۳/۲

کمزوریوں کی تشہیر میں دل چسپی لینا دراصل ایک ایسی منافقانہ حرکت ہے جو صرف ایسے ہی لوگوں سے سرزد ہوسکتی ہے جو صرف زبان کے مسلمان ہوں، اور ایمان نے ان کے دلوں میں گھر نہ کیا ہو۔

حضرت انس بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا:

"لَمَّا عُرِجَ بِيْ مَرَرْتُ بِقَوْمٍ لَهُمْ أَظْفَارٌ مِنْ نُحَاسٍ يَخْمِشُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَصُدُوْرَهُمْ فَقُلْتُ مَنْ هٰؤُلَاءِ يَا جِبْرِيْلُ قَالَ: هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ لُحُوْمَ النَّاسِ وَيَقَعُوْنَ فِيْ أَعْرَاضِهِمْ"[1]

تَرجَمہ: "جب مجھے معراج ہوئی تو (ملاءِ اعلیٰ کے اس سفر میں) میرا گزر کچھ ایسے لوگوں پر ہوا، جن کے ناخن سرخ تانبے کے سے تھے، جن سے وہ اپنے چہروں اور اپنے سینوں کو نوچ نوچ کے زخمی کر رہے تھے، میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں، جو ایسے سخت عذاب میں مبتلا ہیں، جبریل نے بتایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی میں لوگوں کے گوشت کھایا کرتے تھے (یعنی اللہ کے بندوں کی غیبتیں کیا کرتے تھے) اور ان کی آبروؤں سے کھیلتے تھے۔"

تشریح: نحاس کے اصل معنی تانبے کے ہیں، اور آگ جب بالکل سرخ ہو تو اس کو بھی نحاس کہا جاتا ہے، اس حدیث میں "نحاس کے ناخنوں" کا جو ذکر ہے بظاہر اس سے مراد یہ ہے کہ ان لوگوں کے ناخن جہنم کی آگ میں تپے ہوئے سرخ تانبے کے یا تانبے کے سے تھے، اور یہ انہی ناخنوں سے اپنے چہرے اور اپنے سینوں کو نوچ نوچ کے زخمی کر رہے تھے...... ان کے لئے عالم برزخ میں خاص طور سے یہ سزا اس

[1] ابوداؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ: ۳۱۵/۲

لئے تجویز کی گئی کہ دنیوی زندگی میں یہ مجرمین اللہ کے بندوں کا گوشت نوچا کرتے تھے، یعنی غیبتیں کیا کرتے تھے، اور یہ ان کا محبوب مشغلہ تھا۔

حضرت ابوسعید خدری اور حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اَلْغِيْبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا، قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَكَيْفَ الْغِيْبَةُ أَشَدُّ مِنَ الزِّنَا؟ قَالَ: إِنَّ الرَّجُلَ لَيَزْنِيْ فَيَتُوْبُ فَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِ (وَفِيْ رِوَايَةٍ فَيَتُوْبُ فَيَغْفِرُ اللّٰهُ لَهٗ وَإِنَّ صَاحِبَ الْغِيْبَةِ لَا يُغْفَرُ لَهٗ حَتّٰى يَغْفِرَهَا لَهٗ صَاحِبُهٗ) ......"[1]

تَرجَمہ: "غیبت زنا سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے، بعض صحابہ نے عرض کیا: حضرت! غیبت زنا سے زیادہ سنگین کیونکر ہے؟ آپ نے فرمایا: (بات یہ ہے کہ) آدمی اگر بدبختی سے زنا کر لیتا ہے تو صرف توبہ کرنے سے اس کی معافی اور مغفرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوسکتی ہے، مگر غیبت کرنے والے کو جب تک خود وہ شخص معاف نہ کردے، جس کی اس نے غیبت کی ہے، اس کی معافی اور بخشش اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوگی۔"

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دن فرمایا:

"أَتَدْرُوْنَ مَا الْغِيْبَةُ؟ قَالُوْا: اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ قَالَ ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيْلَ أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِيْ أَخِيْ مَا أَقُوْلُ؟ قَالَ: إِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهِ

[1] الجامع لشعب الایمان، فصل فیما ورد من الاخبار فی التشدید علی من اقترض ۹۰/۹، رقم: ۶۳۱۵

فَقَدْ بَهَتَّهٗ ...."[1]

ترجمہ: "کیا تم جانتے ہو کہ غیبت کس کو کہتے ہیں؟ صحابہ نے عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کو زیادہ علم ہے۔ آپ نے فرمایا: تمہارا اپنے کسی بھائی کو اس طرح ذکر کرنا جس سے اس کو ناگواری ہو (بس یہی غیبت ہے) کسی نے عرض کیا: حضرت! اگر میں اپنے بھائی کی کوئی ایسی برائی ذکر کروں، جو واقعۃً اس میں ہو (تو کیا یہ بھی غیبت ہے؟)۔ آپ نے ارشاد فرمایا: غیبت جب ہی ہوگی جب کہ وہ برائی اس میں موجود ہو، اور اگر اس میں وہ برائی اور عیب موجود ہی نہیں ہے (جو تم نے اس کی طرف نسبت کر کے ذکر کیا) تو پھر تو یہ بہتان ہوا (اور یہ غیبت سے بھی زیادہ سخت اور سنگین ہے)۔

تشریح: اس حدیث سے غیبت کی حقیقت اور غیبت اور بہتان کا فرق واضح طور پر معلوم ہو جاتا ہے، اور یہ بھی کہ بہتان غیبت سے زیادہ سنگین قسم کا جرم ہے۔

فائدہ: یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ اگر اللہ کے بندوں کی خیر خواہی یا کسی مضرت اور مفسدہ کے انسداد کے لئے کسی شخص یا گروہ کی واقعی برائی، دوسروں کے سامنے بیان کرنا ضروری ہو جائے، یا اس کے علاوہ ایسے ہی کسی شرعی، اخلاقی یا تمدنی مقصد کا حاصل ہونا، اس پر موقوف ہو، تو پھر اس شخص یا گروہ کی برائی کا بیان کرنا اس غیبت میں داخل نہ ہوگا جو شرعاً حرام اور گناہ کبیرہ ہے، بل کہ بعض حالتوں میں تو یہ کارِ ثواب ہوگا۔

چناں چہ حاکم کے سامنے ظالم کے خلاف گواہی دینا یا کسی پیشہ ور دھوکے باز کی حالت سے لوگوں کو باخبر کرنا، تاکہ وہ اس کے دھوکے میں نہ آئیں، اور حضراتِ محدثین کا غیر ثقہ اور غیر عادل راویوں پر جرح کرنا، اور دین وشریعت کے محافظ علماءِ

[1] مسلم، کتاب البر والصلة، باب تحریم الغیبة: ۲/۳۲۲

حق کا اہلِ باطل کی غلطیوں پر لوگوں کو مطلع کرنا یہ سب اسی قبیل سے ہے۔

دورخے پن کی ممانعت

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب دو آدمیوں یا دو گروہوں میں اختلاف اور نزاع ہو تو وہ ہر فریق سے مل کر دوسرے کے خلاف باتیں کرتے ہیں، اسی طرح بعض لوگوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب کسی سے ملتے ہیں تو اس کے ساتھ اپنے حسن تعلق کا اظہار کرتے ہیں، اور پیچھے اس کی برائی اور بدخواہی کی باتیں کرتے ہیں، ایسے آدمی کو اردو زبان میں "دورخا" کہتے ہیں اور عربی میں "ذُوالوجہین" کہا جاتا ہے...... اور ظاہر ہے کہ یہ طرزِ عمل ایک طرح کی منافقت اور ایک قسم کی دھوکہ بازی ہے، جس سے بچنے کی رسول اللہ ﷺ نے اہل ایمان کو سخت تاکید فرمائی ہے اور بتلایا ہے کہ یہ سخت گناہ کی بات ہے، اور ایسے لوگ سخت ترین عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تَجِدُ مِنْ شِرَارِ النَّاسِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ اللّٰهِ ذَا الْوَجْهَيْنِ الَّذِيْ يَأْتِيْ هٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَاءِ بِوَجْهٍ"[1]

ترجمہ: "تم قیامت کے دن سب سے برے حال میں اس آدمی کو پاؤ گے، جو کچھ لوگوں کے پاس جاتا ہے تو اس کا رخ اور ہوتا ہے، اور دوسروں کے پاس جاتا ہے تو اور۔"

تشریح: قیامت میں ایسا آدمی جس بدترین حالت میں دیکھا جائے گا، اس کی کچھ تفصیل اس سے اگلی حدیث سے معلوم ہوسکتی ہے۔

[1] بخاری، کتاب الأدب، باب ما قیل فی ذی الوجهین: ۲/۸۹۵

حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ كَانَ لَهُ وَجْهَانِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهُ يَوْمَ الْقِيمَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ."[1]

ترجمہ: "دنیا میں جو شخص دو رخا ہوگا (اور منافقوں کی طرح مختلف لوگوں سے مختلف قسم کی باتیں کرے گا) قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی زبان ہوگی۔"

تشریح: اچھے اعمال اور اچھے اخلاق جن پر آخرت میں ثواب کے وعدے ہیں مختلف قسم کے ہیں اور ان کے درجے بھی مختلف ہیں، اسی طرح برے اعمال اور برے اخلاق، جن پر عذاب کی وعیدیں ہیں، وہ بھی مختلف قسم اور مختلف درجے کے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے علم وحکمت سے ہر نیکی اور بدی کا ثواب وعذاب اس کے مناسب مقرر فرمایا ہے، پس دو رخا پن (جو ایک طرح کی منافقت ہے) اس کی سزا یہ مقرر فرمائی گئی ہے کہ ایسے آدمی کے منہ میں وہاں آگ کی زبان ہوگی "اَللّٰهُمَّ احْفَظْنَا"

یہاں یہ بات ہم سب کے لئے سوچنے سمجھنے کی ہے کہ بعض بداعمالیاں اور بداخلاقیاں حقیقت میں نہایت خطرناک اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت سنگین ہیں، لیکن ہم لوگ ان کو معمولی بات سمجھتے ہیں اور ان سے بچنے کی جتنی فکر کرنی چاہئے اتنی فکر نہیں کرتے، ایسی برائیوں کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:
﴿وَتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ﴾[2] (تم اس کو معمولی اور ہلکی بات سمجھتے ہو، حالاں کہ اللہ کے نزدیک وہ بہت سنگین اور بہت بڑی بات ہے) ......
چناں چہ یہ تمام بری عادات یعنی بدگمانی، چغل خوری، غیبت و بہتان، حسد اور دو رُخا

[1] ابوداؤد، کتاب الأدب، باب ذی الوجهين: ۳۱۲/۲ [2] سورہ نور: آیت ۱۵

پن بھی اسی قبیل سے ہیں، ہم اساتذہ میں سے بہت سے ان کو معمولی بات سمجھتے ہیں، اور ان سے بچنے کی فکر نہیں کرتے، حالاں کہ مذکورہ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتنے سنگین اور خطرناک گناہ ہیں اور آخرت میں ان پر کتنا سخت عذاب ہونے والا ہے۔

اساتذہ بیدار مغزی سے کام لیں

بعض اوقات بعض طلبہ ایک استاذ سے دوسرے استاذ کی چغلی کرتے ہیں اور جس اُستاذ سے دوسرے کی چغلی کر رہے ہوتے ہیں، اُس کے منہ پر اُس کی تعریفیں کرنے میں زمین آسمان کے قلابے ملاتے ہیں اور اپنا درد وغم یوں ظاہر کرتے ہیں کہ فلاں استاذ کی تو ہمیں کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی ہم کیا کریں، فضول وقت ضائع ہوتا ہے۔ ان باتوں کے ذریعے وہ ایک محنتی دیانت دار استاذ کے دل میں ادارہ اور انتظامیہ کا نقص، پرنسپل کی ناتجربہ کاری اور اس موصوف استاذ کی غافل طبیعت کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں۔

ان باتوں کو سن کر آپ ہرگز دھوکہ میں نہ آئیے، کیوں کہ ان طلبہ کی دو قسمیں ہوتی ہیں، بعض تو حقیقۃً یہ صفائی سے کہتے ہیں کہ استاذ ہی ایسا ملا ہے جو استاذ بنے کے قابل نہیں ہے، اس کو کوئی ملازمت نہ ملی تو تعلیم کے شعبے میں آگئے۔ دوسری قسم طلبہ کی وہ ہے کہ جو آپ کے پاس مسکین بن کر آئے ہیں، ان میں عیب جوئی ب غیبت کا مادہ ہے۔ بہر حال دونوں صورتوں میں آپ انہیں سمجھائیں کہ بھائی اس طرح کہنا ایک مسلمان کی غیبت ہے، جس سے ہمیں اسلام نے روکا ہے، ہاں اس ک بہتر طریقہ یہ ہے کہ تم دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگو کہ:

اے اللہ! ہمارے ان استاذ کو پڑھانے کا، سمجھانے کا ڈھنگ نصیب فرما۔

اے اللہ! ہمیں اس سے بہتر استاذ نصیب فرما، اور اس بات پر غور کرو کہ ممکن

ہے صرف تم کو سمجھ نہ آرہا ہو، دوسروں کو آرہا ہو تم مطالعہ کر کے جاؤ، ہوم ورک کی پابندی کرو، انتظامیہ کو درخواست دو کہ مجھے یا ہمیں سبق سمجھ نہیں آرہا میں آپ کے ادارے میں علم حاصل کرنے آیا ہوں اور میرا یا پوری کلاس کا وقت ضائع ہو رہا ہے وغیرہ، آپ حضرات ازراہِ عنایت ہماری اس مشکل کو حل کروائیں، لیکن یاد رکھو آج تو آپ نے فلاں اُستاذ کے متعلق یہ بات کہہ دی آئندہ مجھے مت کہنا، جو بھی بات ہو پرنسپل سے یا ناظمِ تعلیمات سے کہو۔

طلبہ کے سوالات

بعض اوقات ۳۰ طلبہ کی جماعت میں ایک طالب علم سوال کرتا ہے اور وہ سوال ۲۹ طلبہ کے ذہن میں نہیں ہوتا تو اگر استاذ جواب دیتا ہے تو یا تو ان ۲۹ طلبہ کا بھی وقت خراب ہوتا ہے یا ۲۹ طلبہ کو بھی فائدہ ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ سوال بعض اوقات موضوعِ درس کے متعلق ہی ہوتا ہے اور بعض اوقات سورج کے نیچے جتنی چیزیں ہیں ان کے متعلق فضول سوالات ہوتے ہیں۔

اسی طرح بعض اوقات وہ سوال بصورتِ اعتراض ہوتا ہے اور بعض اوقات بصورتِ اشکال۔ اعتراض میں سائل اپنے آپ کو عالم اور مخاطب کو جاہل اور اشکال میں سائل اپنے آپ کو جاہل اور مخاطب کو عالم سمجھتا ہے۔

لہٰذا اعتراض کا جواب کبھی بھی نہیں دینا چاہیے۔ اس سے طرفین کا وقت ضائع ہوتا ہے جو معترض اپنے آپ کو عالم سمجھ رہا ہے اور مسئول کو جاہل سمجھ رہا ہے وہ ان کے جوابات سے کبھی بھی مطمئن نہیں ہوگا۔ چاہے وہ شاگرد ہی کیوں نہ ہو۔

امام نووی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"اَلسَّائِلُ تَعَنُّتًا وَتَعْجِیْزًا لَا یُسْتَحَقُّ جَوَابًا"۔[1]

[1] المجموع: ۳۹/۱

تَرجَمۃ: ''سوال کرنے والے کا مقصد مخاطب کو عاجز اور شرمندہ کرنا ہے تو ایسا سائل جواب کا مستحق نہیں ہوتا۔''

اور امام غزالی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

"مَنْ کَانَ سُؤَالُهٗ وَاِعْتِرَاضُهٗ عَنْ حَسَدٍ وَبُغْضٍ فَکُلَّمَا تُجِیْبُهٗ بِاَحْسَنِ الْجَوَابِ وَاَفْصَحِهٖ وَاَوْضَحِهٖ، لَا یَزِیْدُ ذٰلِكَ اِلَّا بُغْضًا وَعَدَاوَةً وَحَسَدًا. فَالطَّرِیْقُ اَلَّا تَشْغَلَ بِجَوَابِهٖ، وَاَنْ تُعْرِضَ عَنْهُ وَتَتْرُکَهٗ مَعَ مَرَضِهٖ (فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی)"۔[1]

تَرجَمۃ: ''جو کوئی حسد اور بغض کی وجہ سے سوال کرے تو ایسے سائل کو اچھے طریقے اور وضاحت کے ساتھ فصیح جواب دینے سے بھی، ان کے اندر حسد اور بغض عداوت ہی بڑھتی ہے، اس صورت میں طریقہ یہ ہے کہ ایسے سائل کے سوال کے جواب کی طرف مشغول نہیں ہونا چاہیے ایسے سائل سے اعراض کرنا چاہیے اور اس کو اپنے مرض میں چھوڑ دینا چاہیے۔''

ہٹ دھرمی کی نیت سے سوال کرنے والے کو جواب نہیں دینا چاہیے۔

اسی طرح بعض اوقات ایک ہی سوال ایک استاذ سے پوچھ کر دوسرے استاذ سے پوچھا جاتا ہے، پھر اگر دونوں جوابوں میں تفاوت ہو تو طلبہ دو استاذوں میں آپس میں بدگمانی یا ایک دوسرے کو نیچا کرنے کی سازش یا آپس میں تقابل وغیرہ پیدا کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں، اسی طرح بعض اوقات ان سوالات کے ذریعے دوسرے طلبہ کا بھی ذہن خراب ہوجاتا ہے۔

لہٰذا استاذ کو چاہیے کہ وہ اپنی مہارت اور استعداد کے ذریعے پہچاننے کی کوشش کرے کہ کس قسم کا سوال ہے، درس کا سوال ہے تو ضرور تشفی کرنی چاہیے۔ اگر اعتراض ہے تو ہرگز جواب نہیں دینا چاہیے۔ اسی طرح دوسری نوعیت کے سوالات

[1] ایھا الولد: ص۱۳۸

ہیں، ان کے بارے میں کہہ دینا چاہیے کہ آگے جا کر اپنی عمر کے موافق سمجھ لوگے، دوسرے موضوعات کے سوالات ہیں تو کہہ دینا چاہیے کہ فلاں موضوع جن سے پڑھتے ہو انہی سے پوچھ لو۔

نیز بعض اوقات حکمۃً جواب دیتے وقت بات کا موضوع بدل دینا چاہیے اور یہی سنت سے ثابت بھی ہے کہ کسی صحابی نے آپ ﷺ سے سوال کیا "مَتَى السَّاعَةُ؟" "اے اللہ کے رسول! قیامت کب آئے گی؟"

جواب میں آپ علیہ السلام نے فرمایا: مَا أَعْدَدْتَ لَهَا؟

"تم نے اس کے لئے کیا تیاری کی؟"

اس شخص نے کہا: میں نے اس کے لئے بہت ساری نمازیں، روزے اور صدقے تو نہیں تیار کیے، لیکن میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"أَنْتَ مَعَ مَنْ أَحْبَبْتَ" "تمہارا حشر اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ تم محبت رکھتے ہو۔"[1]

آپ ﷺ نے یہاں یہ پوچھے جانے پر کہ قیامت کب آئے گی؟ اس سوال کے جواب میں (جس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں) اس شخص کو ان باتوں کی طرف متوجہ فرما دیا، جس کا وہ زیادہ محتاج ہے کہ تم نے اس کے لئے تیاری کی ہے

(شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب "الرَّسُوْلُ الْمُعَلِّمُ وَأَسَالِيْبُهُ فِي التَّعْلِيْمِ" میں اس موضوع پر بہترین بحث کی ہے، اہل علم کو چاہیے کہ اس کتاب کا مطالعہ ضرور فرمائیں)۔

عربی کا ایک بہترین جملہ اساتذہ کرام اور معلمات کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے:

[1] مسلم، کتاب البر والصلة، باب المرء مع من أحب: ۲/۳۳۱

"اَلسُّكُوْتُ عَنْ جَوَابِ الْأَحْمَقِ سَعَادَةٌ"[1]

احمق کے جواب میں خاموشی اختیار کرنا سعادت مندی کی دلیل ہے اس لئے کہتے ہیں:

خاموشی مخزن ہے حکمتوں کا،
دبدبہ ہے حاکموں کا،
شیوہ ہے عاجزوں کا،
جواب ہے جاہلوں کا،
اور قلعہ ہے فتنوں سے بچنے کا۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہر بات کا جواب نہ دیں۔

فرمایا: سہارنپور میں ایک صاحب "بہشتی زیور" میں سے ایک مسئلہ کی دلیل پوچھنے کے لئے میرے پاس آئے۔

میں نے کہا: "بہشتی زیور کے تمام مسائل کے دلائل آپ نے سمجھ لئے ہیں تو مجھے سوال کی اجازت دیجئے کہ میں کسی مسئلہ کی دلیل آپ سے دریافت کروں۔"

کہنے لگے: "نہیں اور بھی بہت سے مسائل ایسے ہیں، جن کی دلیل مجھے معلوم نہیں۔"

میں نے کہا: "پھر اس کو بھی اسی فہرست میں داخل کر لیجئے۔"

بس ان کی منطق ختم ہوگئی، بعد میں سنا کہ اس نے تین روز سے حضرات علمائے سہارنپور کو تنگ کر رکھا تھا اور وہ حضرات خوش اخلاقی سے اس کو دلیل سمجھا رہے تھے، لیکن میں نے اس کو چار منٹ میں لاجواب کر کے اٹھا دیا۔

ان کے جانے کے بعد ایک صاحب جنٹلمین تشریف لائے اور تہذیب اور خیر

[1] تحاسد العلماء: ص۷۳، للشیخ عبداللہ بن حسین الموجان، دارالمنارة جدہ

خواہی سے فرمانے لگے: ''بعض جہلاء اس مسئلہ پر طعن کرتے ہیں اور ہمارے سامنے ہمارے بزرگوں کو برا بھلا کہتے ہیں۔ اس کے جواب کے لئے ایک جلسہ منعقد کر کے حق کو واضح کر دیا جائے۔''

میں نے کہا: آپ کی خیر خواہی ہی میں شک نہیں مگر یہ بتلایئے! دنیا میں ایک جماعت یعنی دہریہ خدا تعالیٰ کو اور ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کو اور ایک جماعت صحابہ اور ائمہ مجتہدین کو برا بھلا کہتی ہے، یقیناً اس سے بھی آپ کا دل مجروح ہوتا ہے، آپ نے اس کا کیا انتظام کیا ہے، ہر کام ترتیب سے اچھا ہوتا ہے، آپ پہلے ان جماعتوں کا انتظام کرا دیجئے، اخیر میں ایسی جماعت کا انتظام میں کر دوں گا، جو بہشتی زیور پر طعن کرتے ہیں۔

بس اس کا جواب ان کے پاس کچھ نہ تھا، میں کہتا ہوں جاہلوں کا انتظام عملی جوابوں سے نہیں ہوسکتا، بس ان کے لئے تو پانچویں کتاب ہے یا ان کا جواب مت دو بلکہ دھمکا دو یا خشک جواب دے دو۔[1]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ جاہلوں کے جواب میں خاموشی پر ایک واقعہ ذکر کر کے فرماتے ہیں:

''أَخْبَرَنِي مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ نَافِعٍ أَنَّ سَالِمَ بْنَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ مَرَّ عَلَى عِيْرٍ لِأَهْلِ الشَّامِ وَفِيهَا جَرَسٌ، فَقَالَ: إِنَّ هٰذَا مَنْهِيٌّ عَنْهُ، فَقَالُوْا: نَحْنُ أَعْلَمُ بِهٰذَا مِنْكَ، إِنَّمَا يُكْرَهُ الْجُلْجُلُ الْكَبِيْرُ، فَأَمَّا مِثْلُ هٰذَا فَلَا بَأْسَ بِهِ فَسَكَتَ سَالِمٌ وَقَالَ ﴿وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ﴾''[2]

تَرْجَمَہ: ''حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر کا گذر اہل شام کے چرواہے

[1] پرچھائیاں: صفحہ ۹۲
[2] ابن کثیر: ص ۵۶۲، آیت ۱۹۹

پر ہوا، جن کے پاس گانے بجانے کا آلہ تھا تو حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر نے ان سے فرمایا: یہ ناجائز ہے، چرواہے لوگ کہنے لگے: ہمیں تم سے زیادہ اس بارے میں علم ہے کہ اللہ تعالیٰ زور سے بجنے والے آلے کو ناپسند کرتے ہیں، پس ہمارے پاس جو ہے، اس میں کوئی حرج نہیں (یہ سن کر) حضرت سالم خاموش ہوگئے اور قرآن کریم کی یہ آیت ﴿وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ﴾ اعراض کیجئے جاہلوں سے تلاوت فرمائی۔''

اس لئے فضول سوالات پر خاموشی اختیار کیجئے، بعض سوالات پر موضوع کو بدل دیجئے، بعض سوالات کے جواب دینے کے لئے وقت لے لیجئے جیسے یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر پوچھنے والوں کو فوراً جواب نہیں دیا، تو یہ بھی سنتِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں سے ہے کہ ہر سوال کا فوراً جواب نہ دیا جائے، اور بعض سوالات میں صاف کہہ دیجئے میں نہیں جانتا۔

''وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ'' کہنے کی بھی عادت ڈال لیجئے۔

اسی طرح اگر استاذ کو کسی ایک بات پر غصہ آجائے تو دوسری بات پر غصہ کا اثر نہ رہنا چاہیئے۔

حضرت خالد جہنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس میں اونٹ کے لقطہ کے سوال پر آپ ﷺ ناراض ہوئے لیکن جب بکری کے لقطے پر سوال کیا تو آپ ﷺ ناراض نہیں ہوئے اور فرمایا:

''قَالَ: (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) لَكَ وَ لِأَخِيْكَ أَوْ لِلذِّئْبِ.''[1]

تَرْجَمَہ: ''بکری تیرے لئے ہے یا تیرے بھائی کے لئے یا بھیڑیا کے لئے۔''

[1] البخاري، كتاب العلم، باب الغضب في الموعظة والتعليم اذا رأى ما يكره: ۱۹/۱

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر کسی طالب علم پر کسی بے ڈھنگے سوال کرنے پر غصہ کیا جائے اور اس کے بعد پھر وہ کوئی معقول سوال کرے تو اس کے جواب میں پہلے غصے کا اثر نہ آنا چاہئے اور اس سے زیادہ اثر نہ رکھنے کا محل وہ ہے کہ جب دوسرا طالب علم کوئی بات پوچھنے لگے۔ وہاں تو بدرجہ اولیٰ پہلا اثر نہ آنے پائے۔ بعض سخت مزاج کے استاذ ایک پر خفا ہوئے تو بس اب ختم درس تک سب ہی پر برستے رہیں گے۔

اگر طلبہ/ طالبات، انتظام و اہتمام کے متعلق سوالات کریں مثلاً امتحانات کب ہوں گے، چھٹیاں کب ہوں گی، فلاں کتاب کون پڑھائے گا، فلاں صاحب کو نکال دیا جائے گا؟

یا اصلاحی تجویز دیں تو فوراً جواب دینے کے بجائے یہ کہہ دیں کہ اس بات کو ہم اساتذہ کے مشورہ میں رکھ دیں گے۔

یہ بہت سارے فتنوں سے بچاؤ کا حل ہے، اگر ہم نے بغیر مشورہ کے حل بتلا دیا یا خود ہی اپنی طرف سے کوئی جواب دے دیا، تو بسا اوقات ادارہ میں بدگمانیوں غیبتوں کا دروازہ کھل جاتا ہے، ایسی ایسی بدگمانیاں شروع ہو جاتی ہیں، جس کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔

اس استاذ نے تو معصومیت سے ایک اپنا اندازہ ذکر کیا تھا، لیکن انتظامیہ تک یہ بات پہنچ گئی تو وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ استاذ/ معلّمہ/ ہمارے دفتر کے راز طلبہ کو بتا دیتے ہیں۔

طلبہ یہ سمجھتے ہیں کہ فلاں استاذ سے ہمارا بہت قریبی تعلق ہے، یہ ہمیں بہت ساری راز کی باتیں بتلا دیتے ہیں اور دوسرے استاذ نہیں بتلاتے، یہ استاذ ہر دلعزیز بنتا جاتا ہے، اور دوسرے ساتھیوں کو حسد شروع ہو جاتا ہے اور ان سب کا آسان حل یہ ہے کہ ہم اس کو مشورہ میں رکھ دیں گے، جو مشورہ سے فیصلہ ہو گیا، وہ آپ کو پتہ

چل جائے گا، بورڈ پر اس کا اعلان لگ جائے گا۔ ایسے سوالات کا جواب ''مشورہ'' ہے۔

اسلامی تاریخ ضرور لکھوائیں

محترم اساتذہ کرام! روزانہ ہوم ورک ڈائری ہو یا کلاس ورک کی کاپی ہو، بورڈ پر لکھنا ہو یا رجسٹر میں لکھنا ہو اسلامی تاریخ ضرور لکھیں، تاکہ ہر مسلمان بچے کو اپنی اسلامی تاریخ ضرور یاد رہے، اس لئے کہ ہر نیا ہجری سال عالَم انسانیت کے لئے ایک پیغام، فکر و عمل لے کر آتا ہے، یہ اپنے ساتھ انسانی زندگی کے اہم انقلاب کی یاد لے کر آتا ہے، جس کا تعلق ہجرت النبی ﷺ سے ہے۔

سال ہجری کی ابتدا سیّدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں ہجرت النبی ﷺ کے 16 سال بعد ہوئی۔ سیّدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دورِ خلافت 13 تا 23 ہجری رہا، جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اسلامی حکومت کی حدود وسیع ہو کر تقریباً 22 لاکھ مربع میل تک پھیل گئیں تو حکم ناموں اور دستاویزات پر تاریخ لکھنے کی حاجت ہوئی۔ لہٰذا ضروری ہوا کہ تاریخ کی یادداشت کا طریقہ متعین کیا جائے۔ اس غرض سے سیّدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جماعت بنادی، یہ نہایت اہم اور فیصلہ کن مرحلہ تھا، اس کی اہمیت کا اندازہ لگانے کے لئے تحریکِ آزادی ہند کے ایک راہنما مولانا محمد علی جوہر رحمہ اللہ تعالیٰ کی ایک تحریر کا اقتباس پیش کرنا بہت موزوں ہوگا۔ وہ لکھتے ہیں:

''قومی زندگی کے بنیادی مقومات میں سے ایک نہایت ہی اہم شے زمانہ اور تاریخ ہے جو قوم اپنا قومی سن نہیں رکھتی، وہ گویا اپنی بنیاد کی ایک اینٹ نہیں رکھتی۔ قوم کا سن اس کی پیدائش اور ظہور کی تاریخ ہوتا ہے یہ اس کی قومی زندگی کی روایات کو قائم رکھتا ہے۔ ہر طرح کی یادگاریں مٹ سکتی ہیں، لیکن یہ نہیں مٹ سکتی، کیوں کہ

سورج کے طلوع وغروب اور چاند کی غیر متغیر گردش سے اس کا دامن بندھ جاتا ہے اور دنیا کی عمر کے ساتھ ساتھ اس کی عمر بڑھتی جاتی ہے۔ یہ ممکن نہ تھا کہ قومی زندگی کا ایک اہم معاملہ سیّدنا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے سامنے آتا اور ان کا دماغ غلط فیصلہ کرلیتا۔

ضروری نہیں ہے کہ انہوں نے اپنے اس احساس کی کوئی وجہ وتعلیل بھی کی ہو۔ نتائج تعبیر وتعلیل سے نہیں، بل کہ فعلِ صحیح سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ باوجود غیر قوموں کی بعض طرح کی علمی وتمدنی جائز چیزیں قبول کرلینے کے ساتھ ساتھ ان کا سن بھی قبول کرسکتے تھے خود بخود ان کا فیصلہ یہی ہوا کہ قومی سن الگ اور ایسا ہونا چاہیے جس کی بنیاد اپنی ہی تاریخ کے کسی واقعے سے ہو، انہوں نے اپنے دفتروں کے لئے ایرانیوں اور رومیوں کے حساب وکتاب کے قواعد تو قبول کرلئے، لیکن وہ سن اور تاریخ لینے پر آمادہ نہ ہوئے۔ اس لئے کہ سن، قومی زندگی کی بنیادی اینٹوں میں سے ایک اینٹ ہوتی ہے، اس لئے ضروری تھا کہ یہ اپنی ہو اور اپنے ہی ہاتھوں سے رکھی جائے، انہوں نے ایسا ہی کیا۔ ان کے سامنے جو تجاویز، غیر مسلم معاشرے کے حوالے سے آئیں، انہیں مسترد کردیا گیا اور جو تجاویز اسلامی معاشرے سے متعلق تھیں، وہ غور کرنے کے لئے باقی رکھی گئیں۔

وہ یہ تھیں کہ مسلمانوں کے سن کا آغاز یا نسبت، ولادتِ نبی اکرم ﷺ، یا نزولِ وحی کی ابتداء، یا ہجرت النبی ﷺ، بدر کی فتح، فتح مکہ، حجۃ الوداع کا اجتماع یا وفات النبی ﷺ کے دن سے کی جائے۔"

چناں چہ امیر المؤمنین سیّدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غور وفکر اور مشورے کے بعد فرمایا: "ہجرتِ نبی اکرم ﷺ کو ہی اسلامی سن کا آغاز قرار دیا جائے، کیوں کہ اسلامی تاریخ کے لئے یہ سب سے عظیم، اہم اور یادگار عمل واقعہ ہے۔"

حقیقۃً، ہجرت کے بعد اسلام کا ایک مرکز قائم ہوا، اور دینِ اسلام دنیا میں پھیلنا شروع

ہوا۔ نورِ ہدایت کے حقائق ابھرے اور اسلامی معاشرہ عملی طور پر وجود میں آیا۔[1]

نیز ہجرت کے نام سے دین کے لئے قربانی والی سوچ کی بنیاد پڑتی ہے، جب کہ ولادت باسعادت پر خوشی کا جذبہ، اور وصالِ اقدس ﷺ پر غم کا غلبہ ہونا بے شک فطری اُمور ہیں، مگر ڈر تھا کہ افراط اور تفریط کی وجہ سے ولادت کی خوشی کے نام پر کہیں لہو ولعب میں مشغولی یا وفات کے موضوع سے کہیں عملی سستی اور کم ہمتی طاری نہ ہوجائے۔

اس کی بجائے واقعۂ ہجرت سے سال کی ابتدا خود بخود دین کے لئے کچھ کر گزرنے کی سوچ کی بنیاد ڈالتی ہے، سالِ ہجری اور ہجرت النبی ﷺ میں عالمِ انسانیت کے لئے پیغام امن واخوت ہے، حق کی سربلندی اور باطل کی ناکامی کا مژدہ بھی ہے، اس میں اللہ کی نصرت ورحمت کا یقین اور نااُمیدی کی نفی ہے، اس میں پُرعزم اور مسلسل جدوجہد کا داعیہ اور عملی تربیت بھی ہے۔ سیرت النبی ﷺ کے اس اہم واقعہ کو ہم خود سمجھیں اور اس کے پیغام کو عام کریں۔ لہٰذا اسلامی تقویم کو ہم خاطر خواہ مقام دیں۔

انگریزی تقویم کا بلاضرورتِ شدیدہ استعمال ہمارے لئے باعثِ عار ہے، اور ہجری تقویم باعثِ افتخار ہے۔ لہٰذا ہجری تقویم کا بھی بچوں کو عادی بنائیں۔

تاکہ ہر سال مسلمان بچوں کو یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو بلند کرنے کے لئے ہمیں بھی ہجرت کرنا ہے اور دنیا کے کونے کونے میں اس دین کی دعوت لے کر پہنچنا ہے، کیوں کہ دنیا میں بسنے والے جتنے انسان ہیں، ان کو صحیح دین کی طرف لانا اور جہنم کی آگ سے بچانے کی فکر کرنا، ہم سب کی ذمہ داری ہے۔

اس لئے ہمیں گھر چھوڑ کر، راحت وآرام کی قربانی دے کر اللہ تعالیٰ کے راستے میں دور سے دور تک جانا ہوگا۔ جس طرح قرنِ اوّل کے مسلمانوں نے مکہ مکرمہ،

[1] خلاصۃ اقتباس از الفاروق ص ٢٧٤

جیسے مقدس مقام کو چھوڑ کر اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لئے ہجرت کی۔

محبت اور شفقت کی کاری گری

ایک شخص اپنا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ میں ۸۰ء میں ساتویں جماعت کا طالب علم تھا اور پڑھائی میں بہت اچھا تھا، گرمیوں کی چھٹیوں کے بعد میرے دل میں قرآن کریم حفظ کرنے کا جذبہ شدت سے بیدار ہوا۔ اسکول میں ایسا کوئی انتظام نہیں تھا کہ میرا یہ شوق پورا ہو سکتا، میں نے اپنے والد سے اپنے شوق کا اظہار کیا تو وہ بہت خوش ہوئے، ہمارے محلے میں ایک حافظِ قرآن رہتے تھے وہ سجاول شہر کے ایک دینی مدرسے میں استاذ تھے۔

والد صاحب نے ان سے میری خواہش کا اظہار کر کے درخواست کی کہ وہ مجھے اپنے ساتھ سجاول لے جائیں اور وہاں میرا داخلہ کروا کے مجھے ہوسٹل میں جگہ دلوادیں۔ حافظ دین محمد صاحب رضا مند ہوگئے، محلے میں سب جانتے تھے کہ میں ایک ذہین لڑکا ہوں، حافظ دین محمد صاحب ان دنوں چھٹیوں پر آئے ہوئے تھے، وہ جب سجاول جانے لگے تو انہوں نے مجھے اپنے ہمراہ لے لیا۔

سجاول میرے آبائی گوٹھ سے دور تھا اور یہ میری زندگی کا پہلا سفر تھا۔ والدین اور ماحول سے جدائی کا احساس ایک قدرتی بات تھی۔ میں سجاول آنے کے بعد خاصا افسردہ ہو گیا تھا۔ قرآنِ کریم حفظ کرنے کی لگن اپنی جگہ موجود تھی، مگر نئے ماحول میں فوری طور پر گھل مل جانا، کسی بھی بچے کے لئے مشکل کام ہوتا ہے۔ حافظ دین محمد صاحب وہاں استاذ تھے۔ وہ تدریس کے دوران مجھ سے روزانہ ملتے تھے، مگر ان کا رویہ دوستانہ یا مشفقانہ کبھی نہیں تھا۔ وہ جب بھی میرا حال پوچھتے مجھے ایسا لگتا کہ وہ مجھ پر طنز کر رہے ہیں، مثال کے طور پر یہ سوال وہ اکثر کرتے تھے آیا مزہ قرآن حفظ کرنے کا؟

ہو سکتا ہے کہ وہ یہ کہتے ہوں کہ قرآن شریف حفظ کرنے کا مزہ آرہا ہے نا۔ مگر ایک بچے کے سامنے ایسا جملہ ادا کرتے وقت انہیں اپنے لہجے کو طنزیہ نہیں بنانا چاہیئے تھا۔ مجھے اکثر محسوس ہوتا کہ وہ سب کے سامنے میرا مذاق اُڑا رہے ہیں۔

مجھے ان سے چڑ سی ہونے لگی اور میں ان سے کترانے لگا۔ ایک روز انہوں نے کلاس میں مجھے پکڑ لیا اور اسی طنزیہ لہجے میں پوچھا ''کیوں میاں گھر یاد آرہا ہے، گھر جاؤ گے؟''

میں جو گھر والوں کی جدائی سے اندرونی طور پر بے حد افسردہ تھا، اس جملے پر کھل اُٹھا۔ میں سمجھا کہ شاید وہ میری اداسی دور کرنے کے لئے مجھے چند دنوں کی چھٹی دے کر گھر بھیج رہے ہیں۔

میں نے خوش ہو کر کہا: ''استاذ جی میں چند دنوں کے لئے گھر جانا چاہتا تھا، آپ کا بہت بہت شکریہ آپ نے خود ایسا سوچا۔'' حافظ دین محمد صاحب نے ایک زور دار قہقہہ لگایا اور بولے:

''میاں کیا حفظ کرنے کو تم خالہ جی کا گھر سمجھتے تھے، گھر والوں کو اب بھول جاؤ۔'' میری جماعت کے سارے ساتھی ہنسنے لگے تھے۔ میں بری طرح سلگ گیا۔

اور میں نے کہا: ''استاذ جی آپ نے خود ہی تو پوچھا تھا کہ گھر جاؤ گے؟''

وہ بولے: ''میاں میں تو مذاق کر رہا تھا۔''

مگر ان کا مذاق اور میرے ساتھیوں کی ہنسی، تیر بن کر میرے سینے میں پیوست ہوگئی تھی۔ میں نے اسی لمحہ ردِ عمل کے طور پر سوچ لیا کہ میں اُستاذ جی کے اس مذاق کو اب سچ کر دکھاؤں گا۔

استاذ صاحب کا خیال تھا، یہ لڑکا نہ راستوں سے واقف ہے، اور نہ ہی اس کے پاس کرائے کے پیسے ہوں گے، اور میرے گوٹھ سے سجاول کا کرایہ پچاس روپے تھا۔ ماں نے چلتے وقت مجھے چپکے سے پچاس روپے دیئے تھے، جو میں نے سنبھال کر

رکھے ہوئے تھے، میں نے دل میں ٹھان لی کہ بس مجھے اب ایسے شخص سے واسطہ نہیں رکھنا، جو استاذ کم اور دشمن زیادہ ہے۔

میرے ایک ساتھی نے میری تائید کی اور اس نے مجھے جمعہ کی نماز کے بعد بس اسٹاپ پر چھوڑ دیا۔ جیسے ہی میرے گوٹھ کی بس آئی میں سوار تو ہوگیا، مگر میرے دل میں یہ خوف ضرور تھا کہ اگر مدرسے والوں نے مجھے جاتے دیکھ لیا تو میری درگت بنادی جائے گی۔ وہ لوگ سمجھ رہے تھے کہ میں جمعہ کی نماز ادا کر رہا ہوں، مگر میں بس میں سوار ہو کر اپنے گوٹھ کا رخ کر چکا تھا۔ خیریت سے اپنے گوٹھ پہنچ کر میں نے اپنے والد صاحب کو پوری بات بتائی، وہ بہت مشفق اور سمجھ دار باپ تھے، میری بات بخوبی سمجھ گئے۔ زیادہ وقت نہیں گزرا کہ میں نے پھر سے اسکول میں داخلہ لے لیا۔ پہلے میرا ارادہ تھا کہ میں میٹرک کا پرائیویٹ امتحان دے دوں گا اور قرآن حفظ کرنے کی سعادت بھی حاصل کرلوں گا، مگر ایک غیر مشفق استاذ کے رویے نے میرا یہ خواب چکنا چور کر دیا تھا۔

امتحان کے بعد میں نے پھر اس جذبے کو اپنے دل میں موجزن پایا کہ میں حافظِ قرآن بنوں۔ سنہ ۸۲ء میں میرے ماموں میرے گوٹھ کے تین لڑکوں کے ساتھ مجھے ایک دوسرے مدرسے میں داخل کروانے لے گئے جو حیدرآباد اور ٹنڈو جام کے درمیانی راستے میں راہو سے آگے، بھٹنڈ شریف میں واقع معروف دینی مدرسہ تھا، یہ مدرسہ چاروں طرف سے باغات میں گھرا ہوا تھا۔

ماموں نے ہم چاروں کو مولانا عباس نامی استاذ کے حوالے کر دیا۔ وہ عربی کے استاذ تھے، ہم حفظ کے لئے دوسرے استاذ کے پاس پڑھتے تھے جو انتہائی روکھے، اور سخت مزاج آدمی تھے۔ ہم چاروں لڑکے اس ماحول میں قطعی نئے تھے اور کوئی ہمارا پرسانِ حال نہیں تھا۔ ماموں ہمیں عربی کے استاذ مولانا عباس کے حوالے کر گئے تھے، وہ بھی ہمیں کبھی کبھار دور سے نظر آجاتے تھے۔ ایسا ماحول تھا کہ ہم دو میٹھے بول کو

ترس گئے تھے۔ پڑھنے میں ذرا بھی جی نہیں لگتا تھا، بالآخر ہم چاروں نے یہاں سے چلے جانے کا ارادہ کرلیا۔ میں نے سوچا کہ شاید قرآن حفظ کرنا میرے نصیب میں ہی نہیں ہے، بیماری کے عالم میں کوئی پرسان حال نہ ہو تو بچہ تو بچہ، بڑا شخص بھی ہمت ہار بیٹھتا ہے۔ ایسے دو چار مواقع ہم چاروں پر بھی آئے، ہم نے پکا ارادہ کرلیا کہ عید الاضحیٰ کی چھٹیوں کے بعد ہم ہرگز واپس نہیں آئیں گے۔

اس طرح ہم چاروں نے مدرسہ چھوڑنے کی پوری تیاری کر لی تھی۔ عید الاضحیٰ میں ایک روز باقی تھا، ہم چاروں گراؤنڈ میں بیٹھے تھے کہ دور سے مولانا محمد عباس آتے دکھائی دیئے۔ انہوں نے ہاتھ کے اشارے سے ہمیں بلایا۔ ہم ان کے پاس گئے، ان سے مدرسے میں ہماری پہلی ملاقات تھی، جسے ہم نے آخری بھی سمجھ لیا تھا۔ انہوں نے ہمارے سلام کرنے پر باری باری ہم چاروں کے سروں پر انتہائی شفقت سے ہاتھ پھیرا۔

کہنے لگے بچو! اس روز کے بعد تم نے مجھ سے ملنے کی زحمت بھی نہیں کی، کیا بات ہے کیا کچھ خفا ہو؟

دیکھو بچو! میں اپنے کام میں مصروف رہتا ہوں، بہت سی باتیں یاد نہیں رہتیں۔ یہ تمہارا فرض ہے کہ استاذ کو اپنا باپ سمجھو اور اگر کوئی تکلیف ہو تو بے دھڑک آکر اُسے بتاؤ۔

یہ الفاظ آبِ حیات کی طرح ہمارے اندر توانائی بھرتے چلے گئے۔ ایسے مشفق لہجے اور ایسے میٹھے الفاظ سننے کے لئے ہم کب سے ترس رہے تھے۔ ہم چاروں کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں، وہ بولے بس بچو! یہ کام ذرا ہمت کا ہے اور تمہیں کٹھن لگے گا مگر پڑھائی مت چھوڑنا، کوئی بھی مسئلہ ہو تم میرے پاس آجانا، کھانے پینے کا خیال رکھا کرو کہ پہلے صحت اور پھر پڑھائی۔ شاباش! مجھے تم لوگوں سے بہت سی اُمیدیں وابستہ ہیں۔

غالباً اس بات کے بتانے کی اب ضرورت نہیں ہے کہ ہم نے گھر سے واپس نہ آنے کا ارادہ اسی وقت ختم کر دیا۔ ان چند جملوں نے ہمارے اندر نئی روح پھونک دی تھی، ہم نے ذوق وشوق کے ساتھ اسی مدرسے میں قرآن حفظ کیا، آج میں خود استاذ کے عہدے پر فائز ہوں اور سمجھتا ہوں کہ میں جو کچھ ہوں، ایک مشفق استاذ کے ان چند جملوں کی وجہ سے ہوں، جنہوں نے ہمیں علم کے راستے میں آنے والی مشکلات کی آگہی دی تھی اور ہمیں پردیس میں اپنائیت کا احساس دلایا تھا، میں آج استاذ بن کر اس مشفق استاذ کا قرض لوٹا رہا ہوں اور میں سارے اساتذہ کو یہ پیغام دیتا ہوں کہ بچوں کو پڑھانے میں صرف محبت اور شفقت ہی کارگر ثابت ہوتی ہے۔[1]

کتاب دوست بنیئے

عابد معز صاحب کا یہ مضمون ہفتہ واری رسالہ "اردو نیوز" سے نقل کیا جارہا ہے تاکہ ہمیں اور اساتذہ کو کتاب دوست بننے میں مدد ملے۔

میں کتاب دوست ہوں اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اس پر خوش ہوتا ہوں۔ شاید یہی وجہ ہے کہ کتابوں سے مجھے جنون کی حد تک عشق ہے۔

چھوٹی بڑی مختلف جسامت کی، رنگ برنگے سرورق کی کتابیں مجھے بہت اچھی لگتی ہیں۔ انہیں میں اپنے اطراف پھیلائے رکھتا ہوں۔ پڑھنے کی میز پر کتابیں تو رہتی ہی ہیں، انہیں میں کام کرنے کی میز پر بھی رکھتا ہوں، میرے بستر پر بھی کتابیں بکھری رہتی ہیں، انہیں میں سرہانے بھی رکھتا ہوں۔ لیکن بعض کتابوں کو اگر کچھ دیر پڑھ لوں تو آسانی سے نیند آجاتی ہے۔

میں کتابوں کو الماری اور طاقچوں میں سجے دیکھنا چاہتا ہوں۔ بڑی چھوٹی اور ہر قسم کی میز پر کتابیں دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں ایسا کرتا بھی ہوں، میرا ایسا کرنا میری

[1] بشکریہ روزنامہ جنگ، کراچی

بیگم کو ایک نظر نہیں بھاتا۔ وہ مختلف مقامات سے کتابیں اُٹھا کر میرے کمرے میں رکھتی جاتی ہیں۔ میرے کمرے سے باہر انہیں اگر کتابیں نظر آئیں تو انہیں بہت غصہ آتا ہے۔

کتابوں سے میرے بے پناہ انس کا نتیجہ ہے کہ مجھے کتاب بین، لوگ اچھے لگتے ہیں۔ ان کی صحبت میں میرا دل لگتا ہے۔ ان کے ساتھ کتابوں کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے پتا ہی نہیں چلتا کہ کس طرح گھنٹے گزر جاتے ہیں۔

مجھے کتابی چہرے پسند ہیں کہ وہ بہت خوبصورت ہوتے ہیں۔ کتابی چہروں میں گنجائش بہت ہوتی ہے۔ ان چہروں میں آسانی سے لمبی ستون جیسی ناک، بڑی بڑی غزالی آنکھیں اور اونچی پیشانی سما سکتی ہے۔ کتابی چہروں سے مجھے عشق بھی ہوجاتا ہے، لیکن شومئی قسمت کہ بیگم کتاب رو نہیں ہیں۔ وہ سوالی چہرہ رکھتی ہیں۔ ہر دم ان کے چہرے پر کوئی نہ کوئی سوال رہتا ہے۔ کہاں گئے تھے؟

کیا کر رہے ہو؟ ہنسے کیوں؟ کم کیوں کھایا؟

دیر سے کیوں آئے؟ یہ کتاب یہاں کیوں ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

ایسے لوگ میرے آئیڈیل ہوتے ہیں، جن کی زندگی کھلی کتاب کی طرح ہو۔ پانچ وقت کی نماز کا جماعت کے ساتھ اہتمام ہو۔ ہر چیز عیاں، کچھ بھی چھپا ہوا نہیں باطن اور ظاہر ایک جیسا۔ بعض لوگوں کی زندگی کی کتابوں میں مزید وضاحت اور تشریح کے لئے حوالے اور فٹ نوٹس بھی مل جاتے ہیں۔

میں زیادہ سے زیادہ وقت کتب خانہ یا کتابوں کی دکان میں گزارنا چاہتا ہوں جب بھی وقت ملتا ہے، کتب خانے کا رُخ کرتا ہوں۔ وہاں ڈھیر ساری کتابوں میں اپنے آپ کو گھرا پا کر فرحت اور انبساط کا احساس ہوتا ہے۔

افسوس رہتا ہے کہ میں اپنا بیشتر وقت کتب خانوں میں نہیں گزار سکتا کہ زندگی میں دوسرے بہت سارے غیر کتابی کام کرنے پڑتے ہیں۔ میں لائبریرین پر اس

لئے رشک کرتا ہوں کہ وہ اپنا زیادہ وقت کتابوں کے درمیان گزارتے ہیں۔ کاش! میں بھی لائبریرین میں سے ہوتا!

اَلْحَمْدُلِلّٰہ جب بھی جیب بھاری ہوتی ہے، میں سیدھا کتابوں کی دکان کا رخ کرتا ہوں۔ کتابوں کی خریداری کرنے میں مجھے بہت لطف آتا ہے۔ گھنٹوں کتب بازار میں گھومتا رہتا ہوں۔ قرض لے کر کتابوں کی خریداری کرنے کا ریکارڈ آسانی سے توڑ دیتا ہوں اور بہت زیادہ وقت کے لئے کتابوں کی دکانوں میں گم ہوجاتا ہوں۔ کتابوں کی دکان والے مجھے پہچانتے ہیں۔ نادر اور نئی کتابیں میرے لئے اُٹھا رکھتے ہیں۔ پرانی کتابوں کی تلاش میں مختلف مقامات پر بھٹکتا پھرتا ہوں، انہیں پانے کی راہ میں میری جیب اکثر و بیشتر خالی ہوتی رہتی ہے، جو کتابوں کی بے تحاشا خریداری کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتی۔ اسی لئے میں دوسرے ذرائع سے بھی کتابیں اکٹھی کرتا ہوں۔ مفت کتابیں حاصل کرنے میں پیش پیش رہتا ہوں۔ دوستوں سے کتابیں لانے کی فرمائش کرتا ہوں۔

اَلْحَمْدُلِلّٰہ میری نظر میں تحفہ دینے اور لینے کے لئے کتابوں سے بڑھ کر کوئی دوسری شئے نہیں۔ میں کتابوں کا تحفہ بے پناہ خوشی کے ساتھ قبول کرتا ہوں۔ دبے الفاظ میں احباب سے میں کتابیں تحفے میں دینے کے لئے کہتا ہوں۔ دوست احباب خوشی سے میری یہ خواہش پوری کرتے ہیں۔ میں کتابوں کے سوا کوئی اور تحفہ دینا نہیں چاہتا۔ میں جتنی خوشی سے کتابوں کا تحفہ دیتا ہوں، احباب اتنی ہی بیزاری سے اسے قبول کرتے ہیں، لیکن میں اس کی پروا نہیں کرتا اور کتابیں ہی تحفہ میں دیتا ہوں۔ بعض عزیز واقارب اسی ڈر سے مجھے مدعو نہیں کرتے، لیکن میں برا نہیں مانتا۔ بل کہ تحفے میں دی جانے والی کتابوں کو اپنے پاس رکھ کر اُلٹا مجھے خوشی ہوتی ہے۔

دوست احباب سے ملاقات پر پہلے کتابوں کے حوالے سے چند سوالات کرتا ہوں اور پھر ان کی خیریت دریافت کرتا ہوں۔ احباب کو میرے سوالات ازبر ہو چکے

ہیں "آپ نے حالیہ عرصے میں کونسی کتابیں خریدی ہیں؟" "آپ کے زیر مطالعہ کون سی کتاب ہے؟" "کیا کوئی نئی کتاب آئی ہے؟"

بعض احباب میرے ان سوالوں سے گھبرا کر مجھ سے ملنے سے کتراتے ہیں۔ کتابوں کا بوجھ ڈھونا مجھے اچھا لگتا ہے۔ میں ان کے ہاتھوں سے کتابیں تھام کر فوراً اپنے بستے میں رکھ لیتا ہوں۔ ہر وقت کتابیں ڈھونے کے لئے مضبوط بستہ بھی ساتھ رکھتا ہوں۔

دوست احباب کے گھر جاتا ہوں تو وہاں کتابوں کو ضرور تلاش کرتا ہوں۔ میری نظر کتابوں پر پڑتی ہے تو خوش ہوتا ہوں۔ کتابوں کے حساب سے مجھے مسرت حاصل ہوتی ہے۔ چند کتابیں ہوں تو تھوڑی بہت خوشی ہوتی ہے۔ بہت کتابیں ہوں تو بہت خوش ہوتا ہوں۔ بہت زیادہ کتابیں بہت زیادہ خوشی اور مسرت کا باعث ہوتی ہیں۔ میں وقفے وقفے سے اپنی خوشی کا اظہار کرتا رہتا ہوں کہ مجھے آپ کے ہاں آکر بہت مسرت ہوئی، جس گھر میں کتابیں دکھائی نہیں دیتیں، میں ان سے تقریباً الجھ پڑتا ہوں۔ "آپ کے گھر میں کتابیں کیوں نہیں؟ کیا آپ کو پڑھنا نہیں آتا ...... کیا آپ کو کسی ڈاکٹر نے مطالعہ کا پرہیز بتایا ہے...... کیا آپ کی بینائی کمزور ہے ...... اور اگر آپ کے ساتھ ایسی کوئی صورت درپیش نہیں ہے تو پھر آپ نے اپنے گھر میں کتابیں کیوں نہیں رکھیں؟ ......"

مہمان کا خیال کرتے ہوئے صاحبِ خانہ اکثر خاموش رہتے ہیں۔ بعض کہہ بھی دیتے ہیں۔ "ہماری مرضی ہم گھر میں کتابیں نہیں رکھتے۔ یہ گھر ہے لائبریری نہیں ہے جو ہم کتابیں رکھیں۔ آپ کو کتابیں چاہئیں تو لائبریری جائیے۔"

چند دن قبل میں اپنے ایک شناسا کے گھر مدعو تھا۔ ان کے گھر مجھے ڈھیر ساری کتابیں الماریوں میں سلیقے سے سجی نظر آئیں، بہت خوشی ہوئی۔ میں نے اپنی خوشی کا اظہار، یوں کیا۔ "آپ کا بک بیلنس بہت شاندار ہے۔ کم لوگوں کے پاس ایسا خزانہ

ہوتا ہے۔" حیرت سے میرے میزبان نے سوال کیا۔ "آپ کو کیسے پتا چلا؟"

"ابھی میں نے آپ کی کتابیں دیکھی ہیں" میں نے جواب دیا۔

"کتابیں دیکھ کر آپ کو میرے بینک بیلنس کا اندازہ کیسے ہوا؟ موصوف نے مزید حیرت سے دریافت کیا۔ میں نے وضاحت کی "جناب والا، بینک بیلنس نہیں، میں نے آپ کے بک بیلنس کی تعریف کی ہے۔" "بک بیلنس بہت خوب" موصوف نے ہنستے ہوئے بتایا" "میں سمجھا آپ بینک بیلنس کی بات کر رہے ہیں۔" میں بک بیلنس کی بات کر رہا تھا، لیکن میں آپ کے بینک بیلنس کا اندازہ بھی کرسکتا ہوں۔ آپ کا بینک بیلنس بک بیلنس سے کم ہوگا۔ دونوں ساتھ نہیں چل سکتے۔ میں نے انہیں اپنے مشاہدے اور ذاتی تجربے کی بات بتائی۔

"جی آپ ٹھیک کہتے ہیں" موصوف نے میری تائید کی، بینک بیلنس اور بک بیلنس میں تھوڑی بہت مماثلت پائی جاتی ہے۔ صرف بیلنس زیادہ ہونے سے فائدہ نہیں ہوتا۔ اس بات سے فرق پڑتا ہے کہ آیا یہ بیلنس سیونگ اکاؤنٹ یا کرنٹ اکاؤنٹ میں ہے۔ اگر یہ بیلنس سیونگ اکاؤنٹ میں ہو تو جمع بندی کی عادت پڑ جاتی ہے۔ کتابیں اکٹھی ہوتی جاتی ہیں۔

کتابیں رکھی رکھی خراب ہوجاتی ہیں، یا جھینگر یا دیمک کی غذا بن جاتی ہیں۔ ٹھیک اسی طرح اگر سیونگ اکاؤنٹ طویل عرصے کے لئے استعمال میں نہ رہے تو ڈیڈ ہوجاتا ہے۔

بک بیلنس کا فائدہ کتابوں کے مطالعہ سے ہوتا ہے۔ اس لئے کتابوں کا کرنٹ اکاؤنٹ ہونا چاہیے۔ کتابیں بند نہیں پڑی رہنی چاہئیں۔ انہیں مطالعہ میں رہنا چاہیے۔

اس موقع پر میں آپ سے ایک ذاتی سوال کرنا چاہوں گا۔ "آپ کا بک بیلنس کتنا ہے؟" [1]

[1] بشکریہ اردو نیوز، صاحب مضمون عابد معز عنوان فکاہیہ

اسی طرح اساتذہ کو چاہیے کہ طلبہ کو ترغیب دیں کہ ہر ماہ خرچ کے لئے جو رقم ملتی ہے، اس میں سے کچھ کتابوں کے لئے جمع کریں، اور جب کچھ مقدار جمع ہو جائے تو اچھی اچھی کتابیں خرید کر ان کا مطالعہ کیا کریں۔

شکر کی پانچ دعائیں

حضرت عطاء بن یسار رحمہ اللہ تعالیٰ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا﴾ [1] تو رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف لائے اور یہ آیت تلاوت فرمائی اور پھر ارشاد فرمایا: تین کام ایسے ہیں کہ جو شخص ان کو پورا کرلے تو جو فضیلت آلِ داؤد کو عطاء کی گئی تھی وہ اس کو بھی مل جائے گی۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: وہ تین کام کیا ہیں؟

آپ ﷺ نے فرمایا:

"(١) رضا اور غضب، دونوں حالتوں میں انصاف پر قائم رہنا۔

(٢) غنا اور فقر دونوں حالتوں میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنا۔

(٣) خفیہ اور اعلانیہ دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنا۔" [2]

پھر ظاہری شکر کے دو درجے ہیں: پہلا زبان سے شکر یعنی ہر ہر نعمت پر بار بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ کہنا اور اللہ تعالیٰ کی تعریف وتسبیح اس قدر بیان کرنا کہ اس کی شیرینی سے زبان میٹھی ہوجائے، دوسرا اپنے بدن اور مال سے شکر کرنا۔

جسم اور اعضاء وجوارح کا شکر یہ ہے کہ انسان پانچ وقت کی نماز اہتمام سے پڑھے، مرد جماعت سے مسجد میں پڑھیں اور عورتیں نماز کا وقت داخل ہوتے ہی گھر میں پڑھیں۔

اسی طرح عورتوں کے لئے ایک بڑا طریقہ شکر کا یہ ہے کہ اپنے جسم کی اس

[1] سورة سبا: آیت ١٣ [2] معارف القرآن: ٢٧٣/٧

طرح حفاظت کریں کہ جسم کا کوئی بال برابر حصہ بھی نامحرم نہ دیکھ سکے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس طرح کے شکر کی بھی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس پر نعمتیں بہت زیادہ ہوں اور موجودہ نعمتیں بھی ہمیشہ رہیں تو اس کو چاہیے کہ بہت زیادہ شکر ادا کرے، اسی طرح جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کی پریشانیاں ختم ہوں اور مصیبتوں کے دروازے بند ہوجائیں، اسے بھی چاہیے کہ خوب شکر ادا کرے۔ شکر کی دولت اتنی عظیم دولت ہے کہ خود اللہ تعالیٰ جل جلالہ نے اپنے بندوں کو دعا سکھلائی ہے کہ مجھ سے اس طرح دعا کرو کہ:

اے اللہ! آپ مجھے توفیق دیجیے کہ شکرِ نعمت کی توفیق ہر وقت ہر آن میرے ساتھ رہے، کسی وقت بھی مجھ سے جدا نہ ہو۔ چناں چہ ارشاد ہے:

❶ ﴿رَبِّ اَوْزِعْنِیْۤ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ۝﴾[1]

تَرْجَمَۃ: "اے میرے رب! مجھ کو اس پر مداومت اور ہیشگی دیجیے کہ آپ کی ان نعمتوں کا شکر کیا کروں، جو آپ نے مجھ کو اور میرے ماں باپ کو عطا فرمائی ہیں، اور (اس پر بھی مداومت دیجیے کہ) میں نیک کام کروں جس سے آپ خوش ہوں، اور شامل کر لیجیے مجھ کو اپنی رحمت خاصہ سے اپنے نیک بندوں میں۔"[2]

اس دعا کے مضمون پر بار بار غور کیجیے کہ کتنی اہم دعا ہے اور اس دعا کو حضرت سلیمان علیہ السلام مانگ رہے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ بندے اور نبی خود اس بات کی دعا مانگتے ہیں کہ اے اللہ! مجھے شکر ادا کرنے کی توفیق عطاء فرمائیے تو اندازہ لگائیے کہ ہم سب کو شکر کی توفیق مانگنے کے لئے کتنی دعائیں مانگنی ہوں گی۔ چناں چہ

[1] سورۃ النمل: آیت ۱۹ [2] مکمل بیان القرآن: ۸۳/۸

ہمیں یہ دعائیں مانگنی چاہئیں۔

❷ "رَبِّ اجْعَلْنِیْ لَكَ شَكَّارًا، لَكَ ذَكَّارًا، لَكَ رَهَّابًا، لَكَ مِطْوَاعًا، لَكَ مُخْبِتًا، إِلَيْكَ أَوَّاهًا مُنِيبًا."[1]

تَرْجَمَۃ: "اے رب! کردے مجھے ایسا کہ میں تیرا بہت شکر کیا کروں، تجھے بہت یاد کیا کروں تجھ سے ڈرا کروں، تیری بہت فرمانبرداری کیا کروں، تجھ ہی سے سکون پانے والا اور آہ وزاری کے ساتھ (تیری ہی طرف) متوجہ ہونے والا ہوجاؤں۔"

اس طرح آپ ﷺ یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے۔

❸ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ صَبُوْرًا وَّاجْعَلْنِیْ شَكُوْرًا"[2]

تَرْجَمَۃ: "اے اللہ! کردے مجھے اعلیٰ درجے کا صبر کرنے والا اور مجھے نہایت شکر گزار بندہ بنادے۔"

اس دعا میں یہ مانگا گیا ہے کہ مجھے شکور بنا یعنی بہت زیادہ شکر کرنے والا بنا دے، نوح علیہ السلام کو قرآنِ کریم میں شکر گزار بندہ کا خطاب دیا گیا ہے۔

تفسیرِ مظہری میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کو شکر گزار بندہ اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ جو بھی کام کرتے تھے، چھوٹا ہو یا بڑا تو کہا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ ہی کا شکر ہے۔ کچھ کھاتے یا پیتے یا کپڑا پہنتے تو اللہ تعالیٰ کی تعریف بیان کر کے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو "شَكُوْر" کے لقب سے نوازا۔ ہمیں بھی چاہیے کہ ہم اتنا زیادہ شکر ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہم ایک شکر گزار بندہ کہلانے کے لائق ہوجائیں۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب بھی ان سے پوچھا جائے

[1] ترمذي، كتاب الدعوات، باب (رب اعني ولا تعن علي): ۲۰۱۷ رقم: ۳۵۵۱

[2] الحزب الاعظم: ص۸۲

کاروبار کا کیا حال ہے؟ تو ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ بہت ہی پریشانی ہے، کاروبار بالکل ٹھپ ہے، اپنا اصل سرمایہ ہی کھا رہے ہیں، پیمینٹ وصول نہیں ہو رہی، فیکٹری چل نہیں رہی وغیرہ۔ ایسے لوگوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی اس طرح کی عادت ختم کریں اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ مالک نے جس حال میں رکھا ہے اس کا کرم ہے ورنہ میں تو اس کا بھی مستحق نہیں تھا۔ اس طرح شکر کرنے کا ایک فائدہ یہ ہوگا کہ جو خراب حالات ہیں وہ ان شاء اللہ تعالیٰ اب اچھے حالات میں ضرور تبدیل ہو جائیں گے۔

دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوں گے اور جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں، اس کی بگڑی بھی بن جاتی ہے۔ اسی طرح ملازم حضرات کو چاہیئے کہ جتنی بھی تنخواہ ہے، اس پر ضرور شکر ادا کریں۔ ہر وقت واویلا کرنے اور روتے رہنے سے تنخواہ میں اضافہ نہیں ہوتا اور موجودہ تنخواہ میں بھی ناشکری کی وجہ سے بے برکتی ہو جاتی ہے، اس کے برعکس جو لوگ معمولی سی تنخواہ پر بھی شکر کے کلمات دل و زبان سے کہتے رہتے ہیں کہ تنخواہ کافی ہے۔

اگر مہنگائی زیادہ ہے تو کیا ہوا ہمارا تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہ گزارا ہو جاتا ہے وغیرہ۔ وہ اس پر خوش رہتے ہیں، تنخواہ اور آمدنی میں اضافے کی تدبیریں سوچنا اور اس کے لئے جائز معتدل طریق پر کوشش کرنا بہت ہی اچھی بات ہے، لیکن موجودہ پر ضرور شکر کرتے ہوئے یہ تدبیریں اختیار کی جائیں۔

اسی طرح عورتوں کو چاہیئے کہ کسی کے گھر جا کر وہاں کے فرنیچر اور چیزیں دیکھ کر دل میں ناشکری کے خیالات کو ہرگز جگہ نہ دیں کہ دیکھو میرے گھر میں تو یہ نہیں وہ نہیں۔ بل کہ شکر کریں کہ لاکھوں لوگ ہیں، جن کے گھروں میں وہ چیزیں بھی نہیں جو اَلْحَمْدُ لِلّٰہ میرے گھر میں ہیں۔

اس طرح شکر ادا کر[illegible]، جو چیزیں نہیں ہیں، وہ بھی اللہ تعالیٰ دیں گے اور

جو موجود ہیں، ان میں برکت عطا فرمائیں گے۔ لہٰذا ہر استاذ اور استانی کو جس حال میں بھی اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے، اس میں وہ شکر کرے۔ ایک بزرگ کے سامنے ایک آدمی اس حال میں گزرا کہ اس کے نہ ہاتھ تھے نہ پیر اور زمین پر گھسٹ کر چل رہا تھا، ان بزرگ نے اپنے شاگردوں سے کہا: اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت یہ ہے کہ پیشاب آسانی کے ساتھ کر سکتا ہے۔ جس دن آدمی کو شدید قبض ہو جاتا ہے یا پیشاب رک جاتا ہے اس دن کیا حالت ہوتی ہے یہ تمنا ہوتی ہے کہ ساری دنیا کی دولت کوئی مجھ سے لے لے اور پیشاب آجائے یا قبض ختم ہو جائے۔

اس لئے ایک ایک نعمت کو سوچ کر شکر کریں کہ مالک کے اتنے احسانات ہیں کہ ہم جب سے پیدا ہوئے، اس وقت سے اگر سوئیوں پر سجدہ کریں اور عمر بھر سجدے میں رہیں تو اس کی نعمتوں کا حق اور شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا خود بھی ناشکری سے بچیں اور سب کو بچائیں اور اس کے لئے ہر نماز کے بعد دعا کریں کہ شکرِ نعمت کی توفیق ملے۔

یاد رکھیے! جس طرح نفل پڑھنا صدقہ دینا، حسن سلوک سے پیش آنا عبادت ہے، اسی طرح شکر کرنا بھی ایک عبادت ہے، بل کہ فرض ہے، شکر کرنے سے بھی آدمی اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کر سکتا ہے۔

مفتی محمد حسن صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی (خلیفہ حضرت حکیم الامت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی) کا جب آپریشن ہوا اور لوگ عیادت کے لئے آتے اور پوچھتے کیا حال ہے؟

تو فرماتے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ میں بالکل ٹھیک ہوں ہاتھ ٹھیک ہیں، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ پاؤں ٹھیک ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہ آنکھیں ٹھیک ہیں، اور اس بیماری کا ذکر ہی نہیں کرتے تھے۔ ہمیں بھی چاہیئے کہ کسی بیماری کے وقت اس کا بار بار ذکر نہ کریں، ہر ایک سے کہتے نہ پھریں، بل کہ یہ سوچیں کہ ایک عضو میں یہ تکلیف ہے لیکن "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" باقی اعضاء تو ٹھیک ہیں۔

اس طرح یہ سوچیں کہ میری عمر کے اتنے .... سال گزر چکے، اتنے سالوں تک میرے پاؤں ٹھیک رہے، اب درد ہونا شروع ہوا ہے۔ اتنے سالوں تک جو میری صحت ٹھیک رہی، اس کا میں نے کیا شکر ادا کیا کہ آج تھوڑی سی بیماری میں پریشان ہوجاؤں اور بار بار بیماری کو روتا رہوں۔ اسی طرح ایسی کتنی نعمتیں ہیں، جن کا ہم سے معمولی شکر بھی ادا نہیں ہوا، بل کہ بعض اوقات ناشکری کی ہوگی، پھر بھی کریم ورحیم مالک نے ہمیں اس نعمت سے محروم نہیں فرمایا۔

اس لئے بعض مواقع پر اس طرح دعا کرنا بھی حضور علیہ السلام سے منقول ہے کہ ''اے اللہ! بہت سی نعمتیں جو آپ نے میرے اوپر فرمائیں اور میں نے ان کا شکر ادا نہ کیا اور کتنی مصیبتوں میں آپ نے میری آزمائش کی اور میں نے ان پر کچھ صبر نہ کیا تو اے وہ ذات! کہ جب میں نے اس کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا تو اس پر بھی اس نے مجھ کو محروم نہ رکھا اور جب اس کی آزمائش پر میں نے صبر نہ کیا تو اس نے مجھ کو رسوا نہ کیا اور اے وہ مہربان ذات! کہ جس نے مجھے گناہ کرتے دیکھا تو بدنام نہ کیا، اے خوبیوں کے مالک! جو کبھی فنا نہ ہوں گی۔

اور اے ایسے انعامات فرمانے والے! جن کا کوئی شمار نہیں میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ رحمت نازل فرما حضرت محمد ﷺ پر اور آپ کی اولاد پر۔

اے اللہ! ہم دشمنوں اور ظالموں کو تیری ذات ہی کے سہارے سے دفع کرتے ہیں[1]۔''

اس لئے احادیث میں ہمیں یہ دعا بھی سکھلائی گئی کہ نعمتوں پر شکر کے ساتھ یہ دعا بھی کرو کہ ہم بہت ہی عاجز بندے ہیں، سو فیصد آپ کی نعمتوں کے محتاج ہیں۔ لہٰذا آپ ہم پر اپنی تمام نعمتیں مکمل فرمادیجیے چناں چہ وارد ہے:

❹ "اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا قَابِلِيْهَا

[1] کنز العمال، کتاب الاذکار الاول: ۲/۲۸۰، رقم: ۵۰۱۱

وَأَتِمَّهَا عَلَيْنَا."[1]

ترجمہ: ''اے اللہ! ہم کو اپنی نعمتوں کا شکر گزار اور ان پر آپ کی ایسی (ثناء) تعریف کرنے والا بنادے جو قابل ہو ان نعمتوں کے، اور ہمارے اوپر اپنی نعمت پوری فرمادے۔''

آپ ﷺ شکر کے لئے یہ دعا بھی مانگا کرتے تھے:

❺ "اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ شُكْرَ نِعْمَتِكَ وَحُسْنَ عِبَادَتِكَ"[2]

ترجمہ: ''اے اللہ! میں آپ کی نعمت پر شکر گزاری مانگتا ہوں اور آپ کی عبادت کو حسن وخوبی کے ساتھ ادا کرنے کا طالب ہوں۔''

یہ پانچ دعائیں ہیں، ہر استاذ کو چاہیے کہ ان دعاؤں کو خود بھی یاد کر کے مانگتا رہے اور اپنے شاگردوں کو بھی یاد کروائے، اس سے ان شاء اللہ شکر ادا کرنے کی توفیق مل جائے گی اور پھر آدمی ہر حال میں خوش رہے گا۔

ہر تکلیف میں قابلِ شکر پہلو پر غور کرکے شکر کیجیے

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اپنے والد محترم حضرت مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ (مفتی اعظم پاکستان) کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو ''صبر وشکر'' کا بھی عجیب وغریب مقام عطا فرمایا تھا، آپ کی زبان اکثر اوقات اللہ تعالیٰ کے شکر سے تروتازہ رہتی معمولی معمولی باتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا، جزوِ زندگی بن چکا تھا۔ کوئی ایسی ملی جلی خبر ملتی جس میں غم اور خوشی دونوں کے پہلو ہوتے تو خوشی کے پہلو پر زور دیتے او پہلے اس پر شکر ادا فرمالیتے، اور غم کے پہلو کا یا تو ذکر ہی نہ فرماتے، یا شکر کے بعد غیر

[1] ابوداؤد، الصلاۃ التشہد: ۱/۱۳۹

[2] ترمذی، کتاب الدعوات، باب منہ: ۲/۱۷۸

اہم انداز میں اس کا تذکرہ کرتے۔

اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں پر آزمائشیں، ان کے مقام کے لحاظ سے آتی ہیں۔ چناں چہ زندگی میں آپ کو بڑے بڑے کٹھن حادثات سے دوچار ہونا پڑا، بیماریاں بھی ایسی تکلیف دہ آئیں کہ ان کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ عینِ عالم شباب ہی سے آپ کو طرح طرح کے عوارض لگ گئے تھے اور عمر کے آخری آٹھ دس سال تو پیہم مختلف قسم کی بیماریوں میں گزرے، مگر اس پر بھی آپ کو بے صبری کا مظاہرہ کرتے کبھی نہیں دیکھا گیا۔ اس کے برعکس عادت یہ تھی کہ ہر حادثے اور ہر تکلیف میں قابلِ شکر پہلوؤں پر غور فرما کر ان پر شکر ادا کرتے تھے۔

محرم ۱۳۹۵ھ میں احقر کے سب سے بڑے بھائی مولانا محمد ذکی کیفی مرحوم نے اچانک داغِ مفارقت دیا، والد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کو ان سے بے پناہ تعلق تھا اور نرینہ اولاد میں وہ چوں کہ سب سے بڑے تھے، اس لئے زندگی کے ہر مرحلے میں آپ کو ان سے راحت بھی سب سے زیادہ پہنچی۔ ان کی وفات ایک ایسی رات میں ہوئی، جب آپ خود مختلف قسم کی بیماریوں کی بنا پر صاحبِ فراش تھے اور پیر میں اتنی اذیت ناک سوزش تھی کہ عمر بھر ایسی اذیت ہونا آپ کو بھی یاد نہیں تھی۔ اس حالت میں آپ کو ایسے جوان بیٹے کی وفات کا صدمہ پہنچا۔

ہمارے لئے یہ بات ناقابلِ تصور تھی کہ اس عالم میں آپ ایسے جانکاہ صدمے کو کیسے برداشت کریں گے، لیکن اس پیکرِ تسلیم ورضا نے اس روح فرسا حادثے پر جو تبصرہ فرمایا، وہ بھائی جان مرحوم کے بچوں کے نام ایک خط سے واضح ہوگا۔ اس خط کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیے (اس سے اندازہ ہوگا کہ اللہ والے کس انداز پر سوچتے ہیں اور ان کی پروازِ فکر کے آگے دنیا کے بڑے سے بڑے حوادث کیا حیثیت رکھتے ہیں)

"میرے عزیز بچو! یہ واقعہ جیسا کربِ انگیز، حسرت ناک وجانکاہ ہے کہ اس کا اثر مرحوم ہوجانے والے نوجوان صالح کے ماں باپ، بچوں، اور بیوی اور بھائی

بہنوں پر درجہ بدرجہ جو کچھ ہونا تھا، وہ ایک طبعی اور فطری امر ہے اور جب تک حدود سے تجاوز نہ ہو، شرعاً مذموم بھی نہیں، لیکن یہ سب کربِ انگیزی اور غم وصدمہ کا یک طرفہ پہلو صرف اس بنیاد پر ہے کہ ہم واقعات کو الٹا پڑھتے ہیں اور یہاں سے شروع کرتے ہیں کہ ایک پچاس سالہ شخص جس کے ساتھ ایک عزیز کی ہزاروں اُمیدیں وابستہ تھیں، یکایک ہم سے رخصت ہوگیا۔ اس کا اثر ظاہر ہے کہ بے چینی اور شدید ترین صدمہ ہی ہوسکتا ہے۔

آؤ! اب واقعات کو ذرا سیدھا پڑھو کہ صبر آئے، بل کہ شکر کا موقع ملے۔ ذرا سمجھو کہ ہر مؤمن کا عقیدہ ہے کہ ہر پیدا ہونے والے انسان کی عمر کی گھڑیاں اور سانس اس کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ کے دفتر میں لکھے ہوتے ہیں۔ جانے والا لختِ جگر پچاس سال سترہ دن کی زندگی لے کر اس دنیا میں آیا تھا۔ زمین و آسمان اپنی جگہ سے ٹل سکتے تھے۔ لیکن قضا وقدر کے اس فیصلے میں ایک منٹ، ایک سیکنڈ کا فرق نہیں آسکتا تھا.......... لیکن ذرا یہ سوچو کہ اس حادثۂ جانکاہ کو ہم سب پر آسان کرنے کے لئے حق تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ نے کیسے کیسے انعامات فرمائے۔ سب سے پہلی بات تو یہ کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ! اپنی تمام اولاد کو وہ اس حالت میں چھوڑ گئے، جب کہ وہ کسی کے محتاج نہ تھے .... ذرا سوچو کہ اگر معاملہ اس کے خلاف ہوتا تو یہی ایک مصیبت، دس گنی بن جاتی۔

دوسری بات یہ دیکھو کہ مرحوم کو جس قدر گہرا تعلق اپنی بیوی اور اولاد سے تھا، ماں باپ اور بہن بھائیوں سے بھی اس سے کچھ کم نہ تھا..... اس سال جب اللہ جل شانہ کو اس دنیا سے ان کی جدائی ہمیشہ کے لئے منظور ہوئی تو غیر شعوری طور پر چار مرتبہ ایسے حالات پیدا فرمادیئے کہ ان کو بار بار کراچی آنا پڑا اور ایک مرتبہ سب بچوں کے ساتھ آنے کا موقع بھی مل گیا۔ یہ کس کو معلوم تھا کہ یہ بار بار کی ملاقات اللہ تعالیٰ کے انعامات اور آئندہ پیش آنے والے صدمے پر تسلی کے سامان تھے۔

تیسری بات یہ دیکھو کہ سب سے بڑا ہونہار بیٹا مولوی محمود سلمہ، تین ماہ پہلے ان سے جدا ہوچکا تھا، جس سے ملنے کی اس حادثہ جانکاہ سے پہلے بظاہر کوئی اُمید نہ تھی، قدرت نے غیبی سامان فرما دیا، اسی سال ان کے لئے حج کا سامان ہوگیا اور اس طرح وہ حج وزیارت کے فرائض اور حرمین شریفین کے برکات سے بھی بہرہ ور ہوئے، اور سعادت مند بیٹے کو بھی اٹھارہ دن ان کی مکمل خدمت کا موقع مل گیا۔

پھر یہ بھی سوچو کہ عادۃً حج وزیارت میں مہینہ تو لگ ہی جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اس خوش نصیب بندے کو صرف اٹھارہ دنوں میں حج وزیارت کے تمام مراحل سے گزار کر ایسے وقت کراچی پہنچا دیا، جب کہ ان کی وفات میں صرف سترہ دن باقی تھے۔ اگر مواصلاتی نظام میں ذرا بھی تاخیر کی وجہ سے بحالتِ غریب اس دنیا سے سفر کرتے ذرا سوچو کہ اس وقت ماں باپ، اولاد اور بیوی پر کیا گزرتی۔

اور ان تمام انعامات سے بڑھ کر سب سے بڑا انعام یہ کہ آخری عمر میں اللہ تعالیٰ نے ان کو حج وزیارت سے مشرف فرما کر گناہوں سے پاک فرما دیا اور پاک وصاف اپنی بارگاہ میں بلالیا۔

اب غور کرو اگر جانے والے مرحوم کو سال بھر، پہلے یہ قطعی اطلاع ہو جاتی کہ عاشورہ محرم ۱۳۹۵ھ ان کی عمر کا آخری دن ہے اور وہ خود اپنے مرنے کا سامان کرتے تو اس سے بہتر اور مرنے کا کیا سامان ہوتا؟"

اس مکتوب میں حضرت والد صاحب کا یہ مزاج پوری طرح واضح ہے کہ وہ سخت سے سخت حادثے میں بھی اس کے قابلِ شکر پہلوؤں کا استحضار فرماتے، ان پر اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہوتے۔ اور مصائب وآلام کے شکوے کی بجائے راضی برضاء رہنے کو آسان بنا دیتے تھے۔

ایک اور واقعہ یاد آیا۔ احقر (حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب) کی بڑی ہمشیرہ کے دانت خراب ہوگئے تھے، اور یکے بعد دیگرے انہیں کئی دانت نکلوانے پڑے،

جس میں انہوں نے کافی تکلیف اُٹھائی، ایک مرتبہ وہ دانت نکلوا کر حضرت والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے ان کا حال پوچھا تو اپنا حال بتاتے ہوئے، ان کے منہ سے یہ بات بھی نکل گئی کہ "ابا جی! یہ دانتوں کا معاملہ بھی عجیب ہے، یہ جب بچپن میں نکلتے ہیں تو اس وقت بھی تکلیف دیتے ہیں، اور جب ٹوٹنے پر آتے ہیں تو اس وقت بھی تکلیف دیتے ہیں۔"

حضرت والد صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے یہ بات سنی تو قدرے ناگواری کے ساتھ فرمایا: بیٹی! تمہیں ان دانتوں کی بس یہ دو باتیں یاد رہیں کہ انہوں نے آتے وقت بھی تکلیف دی تھی اور جاتے وقت بھی تکلیف دے رہے ہیں، اور ان دونوں واقعات کے درمیان سالہا سال تک تم نے اس خدائی مشین کو استعمال کر کے جو لذت وراحت حاصل کی اس کی طرف کوئی دھیان نہیں!"

اس طرح حضرت والد صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی باتوں باتوں میں اپنے متعلقین کو بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے استحضار اور ان پر ادائے شکر کی تلقین فرماتے رہتے تھے۔ چناں چہ ہمشیرہ محترمہ نے اس پر فوراً استغفار کیا اور فرماتی ہیں کہ بِحَمْدِاللّٰہِ اس کے بعد ایسا سبق مل گیا کہ اب ایسے کلمات زبان پر نہیں آتے، جن سے ناشکری مترشح ہوتی ہو۔[1]

شکر گزار بندوں کا شیوہ یہ ہے کہ وہ تکلیفوں کا شکوہ کرنے کی بجائے ان سیکڑوں انعامات خداوندی پر نظر رکھتے ہیں، جو عین تکالیف کے دوران یا ان کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان پر مبذول رہتے ہیں، اگر انسان ان انعامات کا استحضار پیدا کر لے تو اسے دنیا کی کوئی تکلیف ناقابلِ برداشت محسوس نہ ہو، بل کہ تکلیف بھی راحت نظر آنے لگے گی۔

[1] میرے والد میرے شیخ اور اُن کا مزاج و مذاق: صفحہ ۱۷۲

استاذ کو آئیڈیل شخصیت ہونا چاہئے

طالب علم ہمیشہ استاذ سے فکر وعمل اخذ کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے قرآن کریم نے آپ ﷺ کو لوگوں کے لئے اسوۂ حسنہ بہترین نمونہ قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ نے وثیمہ کو دعوت اسلام دینے کے لئے حضرت عمر بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا۔ انہوں نے تبلیغ کرتے ہوئے فرمایا آپ ﷺ "انه لا يأمر بخير الا كان اول آخذ به"[1] پہلے خود عمل کرتے ہیں پھر دوسروں کو حکم دیتے ہیں، اسی طرح دیگر خصوصیات بیان کیں جنہیں سن کر وہ مسلمان ہوگئے۔

مذکورہ بالا اثر سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ جب بھی کسی اچھے اور نیک کا حکم فرماتے تو سب سے پہلے اس پر خود عمل فرماتے اور وہ کام بحسن خوبی انجام دیتے لہذا اساتذہ کو چاہئے کہ جب وہ اپنے شاگردوں کو کسی نیک کام کا حکم کریں تو پہلے خود اس پر عمل کرنے والے ہوں اور تمام شرائط وآداب کے ساتھ عمل کرنے والے ہوں مثلاً اگر نماز پڑھنے کا حکم کرتے ہیں تو پہلے خود اچھے طریقے سے نماز پڑھنا سیکھیں اور پھر ان کے سامنے پڑھ کر دکھائیں، چناں چہ اپنی نمازیں درست کرنے کے لئے وہ ایسی کتابیں پڑھے جن میں بزرگ علماء حضرات نے تمام طریقے وضاحت سے ذکر فرمائے ہیں، خصوصاً حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کی کتاب "نمازیں سنت کے مطابق پڑھئے" اور کتاب "خواتین کا طریقۂ نماز" (مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہ) ان دو کتابوں کا مطالعہ ضرور رکھیں۔

ہم یہاں چند چیزیں مختصراً لکھتے ہیں برائے کرم اہتمام کے ساتھ ان کی اصلاح اور درستگی کی کوشش کریں۔

① اپنی قرأت صحیح کریں، کم از کم سورۃ فاتحہ اور چھوٹی سورتیں، کسی ماہر قاری کو سنا کر

[1] الاصابة فى تمييز الصحابة: ۵۳۸/۱

قرأت صحیح کریں کہ "ح" اور "ھ" میں "س" اور "ث" میں "ت" اور "ط" میں فرق واضح ہوجائے۔

② سورۂ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کریں، تاکہ اطمینان سے نماز ادا ہو۔

③ رکوع سے اٹھنے کے بعد یہ دعا پڑھیں:

"رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيهِ."[1]

ترجمہ: "اے ہمارے پروردگار! تیرے لئے ہی تعریف اور بہت تعریف ہے (ایسی تعریف) جو پاک اور بابرکت ہے۔"

اس دعا کو پڑھنے کے بعد اطمینان سے سجدے میں جائیں، اسی طرح دو سجدوں کے درمیان بیٹھ کر یہ دعا پڑھیں:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْزُقْنِيْ"[2]

ترجمہ: "اے اللہ! مجھے معاف فرما اور مجھ پر رحم فرما اور ہدایت دے اور مجھے عافیت دے اور رزق عطا فرما۔"

اس کے بعد اطمینان سے سجدے میں جائیں۔

④ پوری نماز میں اس کی کوشش کریں کہ ہاتھ بالکل نہ ہلے، ہاتھ جو انسان کے قابو میں ہیں، اگر ان کی حرکات پر ہم نے قابو پالیا تو ان شاء اللہ تعالیٰ دل کے خیالات کو بھی اللہ تعالیٰ ہمارے قابو میں دیدیں گے۔ جو ہمارے بس میں ہے اگر وہ ہم کرلیں گے تو اللہ تعالیٰ جو قادر مطلق ہیں، وہ سب ہی معاملوں میں آسانی فرمادیں گے۔ ایک اعرابی کو آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ نماز میں داڑھی میں ہاتھ پھیر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"لَوْ خَشَعَ قَلْبُهُ لَخَشَعَتْ جَوَارِحُهُ."[3]

[1] بخاري، كتاب الاذان، باب فضل اللهم ربنا ولك الحمد: ۱۱۰/۱
[2] مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب فضل التهليل والتسبيح والدعاء: ۳۴۵/۲
[3] طحطاوي على المراقي: ص۱۸۹

تَرجَمہ: ''اگر اس کے دل میں خشوع ہوتا تو بدن کے سارے اعضاء میں سکون ہوتا۔''

اس لئے بہت زیادہ اہتمام اس بات کا رہے کہ پوری نماز میں ہاتھ نہ ہلے۔ اس لئے کہ بلا عذر ہاتھ ہلانے سے نماز مکروہ تحریمی ہوجاتی ہے۔

اس کا آسان حل یہ ہے کہ اپنے کسی دوست کو کہہ دیں کہ میری نماز دیکھا کرو، اگر اس میں کوئی سنت کے خلاف بات ہو تو بتا دینا اور خصوصاً اگر میرا ہاتھ ہلے تو (بھی مجھے میری نماز کے بعد کہ تم نے ایک بار یا کئی بار ہاتھ ہلایا ہے) بتا دینا۔ اس لئے کہ بسا اوقات کئی مرتبہ بلا عذر ہاتھ اُٹھ جاتا ہے، اور اس کا پتا بھی نہیں چلتا۔ چناں چہ اگر کوئی کہے کہ آپ نماز میں ٹوپی سے یا کُرتے کے دامن سے یا داڑھی سے کھیل رہے تھے تو آدمی فوراً انکار کر دیتا ہے، کیوں کہ اس کو اس کا احساس ہی نہیں ہوتا، لہٰذا اس سے بچیں۔

۵ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ نماز میں ادھر ادھر دیکھنے اور ہلنے سے بھی بہت زیادہ اہتمام سے بچیں، کیوں کہ نمازی أَحْكَمُ الْحَاكِمِيْن کی بارگاہ میں کھڑا ہوتا ہے، اس لئے نماز میں سکون اور وقار کا ہونا بہت ضروری ہے۔

حضرت عائشہ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهَا کی والدہ ام رومان رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهَا فرماتی ہیں: میں ایک مرتبہ نماز پڑھ رہی تھی، نماز میں ادھر اُدھر جھکنے لگی، حضرت ابوبکر صدیق رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ نے دیکھ لیا، تو مجھے اس زور سے ڈانٹا کہ میں (ڈر کی وجہ سے) نماز توڑنے کے قریب ہوگئی، پھر ارشاد فرمایا: میں نے حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سے سنا ہے کہ جب کوئی شخص نماز میں کھڑا ہو تو اپنے تمام بدن کو بالکل سکون سے رکھے، یہودیوں کی طرح ہلے نہیں۔ بدن کے تمام اعضاء کا نماز میں بالکل سکون سے رہنا نماز کے پورا ہونے کا جزو ہے۔[1]

[1] تفسیر در منثور: ۷۹/۶ مؤمنون: ۲

۶ نماز کی ادائیگی سے کچھ وقت پہلے ہی مسجد میں جائیں اور فرض نماز سے پہلے ذکر و تلاوت کا اور اگر وقت ہو تو نوافل کا اہتمام کریں، عورتیں بھی فرض نماز کی ادائیگی سے کچھ پہلے ہی مصلّے پر جا بیٹھیں، اور نماز میں دھیان جمانے کے لئے کچھ دیر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرلیں تاکہ نماز خشوع و خضوع والی بنے۔

نماز پڑھنے سے پہلے سوچ لیں کہ شاید یہ میری آخری نماز ہو اور شاید اس کے بعد اپنے مالک کے سامنے ادب سے کھڑے ہونے اور سکون سے رکوع و سجدہ کرنے کا موقع نہ ملے ......اور تکبیرِ تحریمہ سے پہلے یہ دعا مانگ لیں:

''اے اللہ! مجھے ایسی نماز ادا کرنے کی توفیق عطا فرما جو تیری بارگاہ میں قبول ہوجائے۔''

ان مذکورہ بالا چھ باتوں کے اہتمام سے ان شاء اللہ تعالیٰ ہماری نماز خشوع خضوع اور سنت کے مطابق بنتی جائے گی اور طلبہ کی نماز بھی خشوع و خضوع والی بنے گی۔

بچوں کی فکر کے ساتھ بچوں کے والدین کے دین کی بھی فکر کیجیے

محترم اساتذہ کرام! (جو دراصل معمارانِ قوم ہیں) اُن کی خدمتِ عالیہ میں ایک اہم ترین گزارش یہ بھی پیش کرنی ہے کہ جیسے باغ کا مالی کسی نوکاشتہ پودے کی اُٹھان اور وضع پر بھرپور توجہ رکھنے کے ساتھ اور اس کی صحیح آبیاری کی فکر کے ساتھ اُن نقصان دہ عناصر سے بھی پودے کے بچاؤ کی بھرپور تدابیر اختیار کرتا ہے، جو اُس پودے کی نشوونما میں رکاوٹ بنیں، اسی طرح جن ہونہاروں کی تربیت اور تعلیم پر ہم اپنا سب کچھ لگا دینے کے عزم کے ساتھ محنت سے لگے ہوئے ہیں تو ہماری محنت کا دائرہ کم از کم اتنا وسیع تو ضرور ہو اور اس پر ہماری نظر ضرور ہو کہ ہماری تعمیری محنت کے

ساتھ کہیں کوئی تخریبی محنت ہماری عظیم محنت کے کماحقہ نتائج وثمرات مرتب ہونے میں رکاوٹ تو نہیں بن رہی۔ کہیں:

؎ ہم دعا لکھتے رہے
اور وہ دعا پڑھتے رہے
یا
؎ ہم خدا کہتے رہے اور وہ جدا سنتے رہے
ایک نقطے نے ہمیں محرم سے مجرم کر دیا

والا معاملہ تو نہیں ہو رہا، کہیں ہماری جلائی ہوئی شمع بے دینی کی ہواؤں کے تھپیڑوں میں ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی طرح تو نہیں ہو رہی، کہیں حکیم کے تجویز کردہ بل کہ تیار کردہ بہترین خمیروں کے ڈھیر کے ساتھ آدھی چٹکی زہر تو نہیں دی جا رہی۔

تعلق مع اللہ اور قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم کا نورانی سرمایہ محفوظ کرنے کے لئے جو برتن اور پیالہ طالب علم کو پکڑایا گیا ہے کہیں کسی اختیاری یا اضطراری لاپرواہی سے اس میں سوراخ تو نہیں ہو گیا ہے کہ نور محفوظ نہ ہونے پائے اور ضائع ہوتا رہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ طالب علم دن بھر مشفق اساتذہ کرام سے اللہ تعالیٰ کی آیات، احادیث کی روایات، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی حکایات اور حضرات فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عبارات پڑھ رہا ہے، لیکن دن بھر روح افزا اور شربتِ گلاب سے ذائقہ لینے والے کا کہیں حرام شہوات اور معاصی کی غلاظت سے پر گٹر لائن سے کوئی خفیہ کنکشن (رابطہ) تو نہیں۔

یعنی گھر کے بگڑے ہوئے ماحول یا خراب دوستوں کی بُری صحبت اور خشیت الٰہی کا عدمِ استحضار کری کرائی محنت پر کہیں پانی تو نہیں پھیر رہا۔ بقول حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ”تنہائیوں کے حرام کام سے رکنا صرف اعتقاد سے نہیں قابو آتا، بل کہ اس اعتقاد کا کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے استحضار لازم ہے۔“

یاد رکھیے! اگر ایسا ہے تو پھر طالب علم کا غبی ہونا بل کہ باغی ہونا، حافظہ خراب ہونا، کام میں دل نہ لگنا، سبق میں جسمانی طور پر موجود ہوتے ہوئے ذہنی طور پر غائب ہونا، کچھ بعید نہیں، پھر اس درخت کے صرف خراب پتے جھاڑ دینے سے کام نہیں بنے گا وہ تو ایسے ہی اور نکل آئیں گے۔

وہاں تو جڑ صحیح کرنی ہوگی، مخالف خراب ہوا کے تھپیڑوں سے بچاؤ کے لئے رکاوٹ لگانی ہوگی، کھاد صحیح ڈالنی ہوگی، عشق الٰہی کی آگ کی وہ تپش دینی ہوگی جو دین کے اس درخت میں لگنے والی معاصی کی دیمک کو جلا کر ختم کر دے۔

اس کے لئے استاذ کو حروفِ نبوت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ طالب علم کے لئے نورِ نبوت جو سینہ در سینہ منتقل ہوتا ہے اُس کا بھی اہتمام کرنا ہوگا۔

؎ جو آگ کی خاصیت وہ عشق کی خاصیت
اک خانہ بہ خانہ ہے، ایک سینہ بہ سینہ ہے
کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں
آدمی آدمی بناتے ہیں
لکھ لکھ کے ہوئے پتھر پڑھ پڑھ کے ہوئے چور
جس پڑھنے سے مولا ملے، وہ پڑھنا ہی کچھ اور

جب حروفِ نبوت سے نورِ نبوت ملے گا تو معلومات معمولات بن جائینگی نفوس میں ثبات پیدا ہوگا نہ صرف نیکی پر جمیں گے بل کہ "إِنَّ مِنْ جَزَاءِ الْحَسَنَةِ حَسَنَةٌ بَعْدَهَا" کی حقیقت سامنے آئیگی کوئی چوک ہو جائے تو بغیر توبہ کے چین نہ آئے گا۔

اجتماعی گناہ یا تنہائی کی معصیتوں سے بھی نجات ملے گی، برے اور مخالف ماحول میں جمنا آئے گا، برادری کے طعنوں کو راہِ سنت پر گامزن یہ شخص پھر گلے کا ہار سمجھے گا، جان دے دینے پر راضی ہوگا مگر دینِ حق کی اتباع سے نہیں ہٹے گا۔

یہ فکر تو ہر اُستاذ کو خود اپنے لئے بھی اور اپنے پاس آنے والے طلبہ کے لئے بھی کرنا ہوگی، حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ "فَقِيهٌ أَشَدُّ عَلَى الشَّيْطَانِ مِنْ أَلْفِ عَابِدٍ"[1] کی تشریح میں فرماتے ہیں "کہ اس سے صرف کتابی عالم مراد نہیں اور نرا کورا فقیہ مراد نہیں، بل کہ عارف فقیہ مراد ہے۔"[2]

یعنی جو سمندر کے طوفان کی ہلاکت خیزیاں جانتا ہو، لہروں کے اُتار چڑھاؤ سے واقف ہو اور خود طوفان سے ساحل تک آیا ہو، وہی دراصل صالح اور مصلح ہوگا۔ ایسا شخص پھر آگے لاکھوں کو بحکمِ الٰہی راہ پار کروائے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ایسا باصفت عالم جو ابھی استاذ کے سامنے صرف طالب بن کر موجود ہے، اس طالب کو یہ صفات مکمل طور پر اُس وقت تک نہیں مل سکتیں، جب تک وہ طالب اس حقیقت کو نہ سمجھ لے کہ مجھے بھی ان صفات کی ضرورت ہے، مجھے وہ علم چاہیے جو قلب پر اثر کرے جس سے زندگی میں عمل آئے، ورنہ کتاب کا محض زبانی علم جو دل پر اثر نہ کرے وہ تو اس آدمی پر اللہ پاک کی حجت ہے۔[3]

اے اساتذہ کرام کی مبارک جماعت! آپ کی طرف سے ایسی شاندار تربیت ہو کہ آپ پڑھا رہے ہوں، ظاہر کے مسائل اور تزکیہ ہو رہا ہو باطن کا خود اپنا بھی اور طلبہ کا بھی۔

طالب علم بھی سمجھ جائے کہ میرے معاصی اور دین سے دوری، خواہ میری اپنی ذاتی لاپرواہی سے ہو یا گھر، برادری یا معاشرے کے بُرے اور مخالف ماحول سے ہو یہ سب برائیاں میرے حافظہ، استعداد اور صلاحیتوں پر کاری ضرب لگاتی ہیں۔ میں تدابیر اختیار کر رہا ہوں حافظہ صحیح ہونے کی، مگر اصل تدبیر اختیار کرنے پر توجہ ہی نہیں۔

[1] ترمذي، كتاب العلم، باب ماجاء في فضل الفقه على العبادة: ۲/۹۷

[2] اشرف الاحکام: ص ۴۰ [3] فيض القدير، حرف العين: ۴/۵۱۲، رقم: ۵۷۱۷

امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں:

شَكَوْتُ إِلَى وَكِيعٍ سُوءَ حِفْظِي
فَأَرْشَدَنِي إِلَى تَرْكِ الْمَعَاصِي
لِأَنَّ الْحِفْظَ فَضْلٌ مِنْ إِلٰهِي
وَفَضْلُ اللهِ لَا يُعْطَى لِعَاصِي[1]

ترجمہ: "میں نے اپنے اُستاذ وکیع (رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی) سے اپنا حافظہ اچھا نہ ہونے کی پریشانی ذکر کی تو "اُستاذ نے" مجھے گناہوں سے بچتے رہنے کی وصیت کی اور فرمایا: چوں کہ قوت حافظہ اللہ کا ایک خاص فضل ہے اور گناہ گار پر وہ فضل ہوا نہیں کرتا (لہٰذا تمام گناہوں سے مکمل بچو تو حافظہ بھی صحیح ہوگا اور صحیح علم بھی نصیب ہوگا)۔"

اے محترم اساتذہ کرام! جب یہ حقیقت آپ کے سمجھانے سے وہ طلبہ جان لیں کہ ایک طرف تو وہ خود ذمہ دار ہیں کہ اس خوبی کو اپنے اندر لائیں، دوسری طرف ایک بھاری اہم ذمہ داری آپ پر بھی عائد ہوگئی، وہ ذمہ داری یہ ہے کہ آپ کو صرف اس بچے/ طالب/ شاگرد ہی کی فکر نہیں۔

بل کہ اس کے والدین کے دین کی بھی فکر کرنی ہے۔ کہیں ہم نے یا آپ نے پڑھا، یا سُنا کہ سرورِ کائنات حضرت محمد مصطفیٰ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے مسجدِ نبوی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ میں صرف چند سو بچوں کی کلاس لگائی اور ان کے بڑے صرف کھیتی باڑی، تجارت یا سفر وغیرہ میں مشغول رہے، ہرگز ہرگز ایسا نہیں، بل کہ اصل تو پہلے بڑوں کو لیا اور جن ظاہری و باطنی صفات کو اُجاگر کرنے کی اہمیت پر اُوپر کچھ ذکر ہوا وہ اُن بڑوں میں آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے پیدا کیں تو جب گھروں کے بڑے سدھرتے گئے، اور آخرت کے دھیان والے ہوگئے پھر ہر ہر گھر انسانیت کی تعمیر گاہ بن گیا۔ آپ کے پاس جو

[1] تعليم المتعلم: ص ۹۶

بچے آرہے ہیں اُن سے اُن کی نمازوں کے حال کے ساتھ اُن کے والدین کی نمازوں کا حال پوچھنا، کمی کوتاہی کی اطلاع آئے تو ذہن سازی کے لئے ترغیبی مضامین پر مشتمل کوئی کتاب اُس بچے کے ذریعے روانہ کرنا، اپنی بساط کے موافق چند اساتذہ کرام کا مل کر مثلاً ہر پندرہ دن میں نشست وار کسی دس بچوں کے والد حضرات کو چائے پانی پر بُلا کر بہترین دینی ماحول نمونے کے طور پر پیش کرنا، اُن کو دین کی دعوت کی مبارک محنت میں لگنے کی ترغیب دینا، مدارس میں جا کر علماء، مفتی صاحبان سے رابطہ کرتے رہنا، سنت کے موافق تجارت کرنے اور گھریلو معاشرت دین والی بنانے کے لئے ترغیب دینا۔

دین سے دوری کے نقصانات صرف نظریاتی طور پر ہی نہیں، بل کہ جو اُس کا مشاہدہ ہو رہا ہے اس کی مذمت کرنے کے ضمن میں کوئی حکیمانہ نصیحت کرنا، ظاہر و باطن کی مکمل اصلاح کے لئے اللہ والوں کے بیانات کی محفلوں میں گاہے بگاہے جاتے رہنے کی ترغیب دینا اور جن خوش نصیبوں کو اس سے فائدہ ہو رہا ہے اور ان کی زندگیاں صحیح رُخ پر آرہی ہیں، اُن کے خوش کن حالات سُنانا وغیرہ یہ بھی آپ کے ذمے ہے۔

اے اساتذہ کرام کی مبارک جماعت! یہ طرز اختیار کرنے کو آپ اپنے اوپر کوئی اضافی بوجھ نہ سمجھیے، بل کہ یہ آپ اپنے پاس آنے والے شاگردوں ہی کا دین بنانے اور دین بچانے کے لئے کر رہے ہیں، وگرنہ کوئی شاگرد آپ سے نورانی باتیں سیکھ کر جب گھر کے یہودیت سے بھرپور ماحول میں جاتا ہوگا تو وہاں اشاعت دین تو ایک طرف خود حفاظتِ دین میں اُس کو کس قدر مشکلات پیش آتی ہوں گی، جب کہ شرعی مسئلہ بھی یہ ہے کہ حفاظتِ دین مقدم ہے اشاعت دین پر۔[1]

یادرہے کہ مخالف ہواؤں کے جھکڑوں میں اس بے توشہ مسافر کا ہاتھ تھامنے کو

[1] دیکھئے فتاویٰ محمودیہ، کتاب العقائد، باب التکفیر والرسوم: ۱۱۵/۱۰

اگر آپ تیار ہیں تو آپ نے اس سلسلے میں کیا اقدامات کئے ہیں۔ اور اگر اب تک نہیں کئے تو یہی توجہ اس تحریر سے دلائی جارہی ہے کہ اس کے بڑوں کی زندگی کو بھی دینی زندگی بنانے کی فکر فرمالیں، خواہ ذریعے کے طور پر اس شاگرد ہی کی ذات کو استعمال کریں۔ یہ بچہ/ شاگرد اپنے پورے خاندان کا نمائندہ بن کر آپ کے پاس آیا ہے یہ سارے گھر کو فجر کی پابندی اور دوسری نمازوں کا اہتمام کرواسکتا ہے۔ سب کو ذکر کی چاشنی دلواسکتا ہے۔

پھر سارا گھر گانے بجانے کی شیطانی آوازوں سے لذت ملنے کے دھوکے سے بچ جائے گا، سب کے قرآن پاک کی تجوید صحیح ہونے لگے گی، یہ بچہ ٹھان لے تو ماں باپ کا ذہن بنوا کر بہنوں کو مخلوط تعلیم کے اداروں سے ہٹوا دے گا۔ یہ خدمت پر آئے گا تو والد اور والدہ اس کی اس ادا پر دل و جان سے نچھاور ہوجائیں گے کہ آج اتوار کی چھٹی والے دن والد کی گاڑی یا موٹر سائیکل کے ٹائر کس نے دھوئے اور گھر میں رکھا ہوا فریج کس نے مکمل طور پر صاف کیا اور اسٹور اور گودام میں رکھا ہوا مال اور سامان کس نے سلیقے سے رکھا۔ آپ اس بچے پر اور اس کے ذریعے اس کے بڑوں پر محنت کر کے تو دیکھیے ان شاء اللہ تعالیٰ آپ کے پیچھے یہ پورا خاندان ساتھ ساتھ جنت میں جائے گا۔

آپ اس کے والد کا ذہن بنوانے میں جتنی تدابیر اختیار کرسکتے ہیں کریں، اچھا اخلاقی نمونہ پیش کرنے اور خدمت کرنے اور گڑگڑا کر دعائیں مانگنے اور سارے گھر کو دعاؤں والا بنانے اور علماء حقانی، علماء ربانی کی بہترین کتب سے عملی زندگی میں فائدہ اُٹھانے والا بنا سکتے ہیں۔

یادرکھیے کہ حضور اقدس ﷺ کی محنت کا میدان صرف اطفال (بچے) ہی نہیں رہے، بل کہ آپ کی محنت کا میدان اطفال کے ساتھ ساتھ رجال ونساء (بڑے) بھی رہے ہیں۔

جب رجال ونساء پر محنت ہوجاتی ہے تو اطفال خود بخود تعلیم وتربیت حاصل کرلیتے ہیں، کیوں کہ بالعموم گھر میں جب خیر کا ماحول غالب ہوجاتا ہے تو شر کا زور ضرور ٹوٹ جاتا ہے۔ پھر بارہ افراد کے سامنے اکیلا بیٹھ کر پانی اور چائے پینے والا جھینپتا نہیں، بل کہ گیارہ بیٹھ کر پینے والوں کے سامنے بارواں اکیلا کھڑے ہوکر پینے والا خود کو قصوروار اور مجرم سمجھتا ہے، پھر ماں اور سیانی عمر کی بہنیں، دھوبی، نائی، قصائی، ڈرائیور، بجلی والا، ٹیوشن ماسٹر، چوکیدار وغیرہ کے سامنے بلا شرعی حجاب آنے سے کترائیں گی۔

لہٰذا آج ہی سے محنت کا دائرہ وسیع کیجیے، اطفال (بچوں) کے ساتھ ساتھ رجال (بڑوں) پر بھی محنت کیجیے، صبح ۸ تا ظہر یا ۵ بجے شام تک اطفال کے لئے وقت ہے تو عصر تا عشاء محلے کے رجال کو دین دار بنانے اور بچوں کے والدین کو دین دار بنانے کی فکر فرمایئے، اور ایک فرد کو پورا خاندان سمجھنا، ایک ایک بچے کے سنورنے کو پورے کنبے کا سنورنا جیسے خیالات کو ذہن نشین، بل کہ دل نشین کیجیے، اور محنت کا میدان وسیع سمجھ کر مبارک قدم اُٹھایئے اللہ تعالیٰ آپ کا حامی وناصر ہوگا۔

بچوں میں سخاوت کی عادت ڈلوایئے

علم کی دولت تقسیم کرنے سے بڑھ کر اور کیا سخاوت ہوگی، لیکن خود اس علم کا مزید نور مل جائے، اس کے لئے اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے مال ہی میں سے اللہ تعالیٰ ہی کے بندوں کے کام آنا، اور دعائیں لینا، خود علم پر عمل کرنے کے ثمرات کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کروائے گا۔

اس کے لئے ہر اُستاذ خود اپنی کل آمدن کا کچھ حصہ انفاق فی سبیل اللہ کے لئے ضرور الگ کرلے اور ایک تھیلی یا بیگ اس مد کی رقم رکھنے کے لئے خاص کرلے اور بقول استاذ العلماء فقیہ اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے

وہ تھیلا یا بیگ اپنی رقم سمیت آپ کو خود یاد دلائے گا کہ اس رقم کو کہاں خرچ کرنا ہے؟ اور دوسرا اہم فائدہ یہ ہوگا کہ جب کوئی صحیح بہتر مصرف سامنے آئے گا تو اُس کے لئے رقم کے بندوبست اور انتظام کا سوچنا نہیں پڑے گا۔[1]

یہ طرزِ عمل تو اساتذہ کرام کے لئے ہو، اسی ترغیب کا ایک اہم نکتہ یہ کہ بزرگ فرماتے ہیں: کم خرچ کرنے کی استطاعت والی نوعیت میں کوئی دل چھوٹا نہ کرے کیوں کہ اولاً تو یہ حقیقت سب پر عیاں ہے کہ اخلاص کے ساتھ تھوڑا سا عمل بھی اللہ پاک کے یہاں سے اجرِ عظیم دلانے کا باعث ہے، دوسرے یہ کہ کتنا دیا اللہ کے یہاں (یہ تطوعات یعنی نفلی عبادات میں) نہیں دیکھا جاتا، بل کہ کتنے میں سے کتنا دیا یہ دیکھا جاتا ہے۔ لہٰذا کھلے دل سے اور دل جمعی کے ساتھ اساتذہ کرام خرچ کریں اسی طرح شاگردوں کو بھی یہ ترغیب دی جائے کہ وہ بھی سخاوت اور ایثار کا شیوہ اپنائیں۔ سخاوت کے فضائل سنائے جائیں کہ "سخاء" جنت میں ایک درخت ہے اس کی شاخیں زمین پر ہیں[2] سخی شخص اللہ کا دوست ہوتا ہے[3] اور شیطان بھی سخی سے بہت ڈرتا ہے۔ بچوں سے یہ کہا جائے کہ جیسے اللہ تعالیٰ اپنی بے پایاں رحمت کی وجہ سے بلا استحقاق مخلوق کو دیتے ہیں تو تم بھی اللہ کے بندوں کے ساتھ ضروری عدل کے علاوہ ان پر مہربانی کے دروازے کھولو تو گویا اللہ کی رحمت اور عطا والی صفت ہم نے اختیار کر کے اُسی کے بندوں پر اُسی کی دی ہوئی نعمتوں کے ذریعے عطا اور نوازش کردی اور چوں کہ ساری مخلوق اللہ کی عیال ہے اور اللہ پاک کو وہ لوگ بہت پسند ہیں جو اُس کی عیال پر عطاؤں کا دروازہ کھولیں۔

لہٰذا اس عمل کی وجہ سے یہ شخص اللہ کا محبوب بن جاتا ہے۔ اسی طرح بچوں کو یہ

[1] ماخذہ "میرے والد میرے شیخ"، صفحہ ۱۵۵
[2] مشکوٰۃ، کتاب الزکاۃ، باب الإنفاق وکراھیۃ الإمساک: ۱/۱۶۷
[3] ترمذي، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء في السخاء: ۲/۱۷

بھی سمجھایا جائے کہ جو مال اللہ کی راہ میں دے دیا وہ گویا محفوظ ہوگیا۔ دوسرے یہ کہ اس ڈر سے نہ دینا کہ پھر ہمارے پاس کہاں سے آئے گا۔ دل کے خیالات کی خوبی کے خلاف ہے، کیوں کہ آگے اس ڈر سے نہ دینا کے اب دوبارہ کہاں سے ملے گا اللہ کے ساتھ اچھے گمان کے خلاف ہے، جس کو بزرگ یوں فرماتے ہیں:

”موجود کے ساتھ بخل، معبود کے ساتھ بدگمانی ہے“ بل کہ اس طرح سوچ کر دے کہ میرا رب مجھے اپنے خزانوں سے بہت برکت والا مال اور اسباب دے گا۔ یہ حقیقت بھی سمجھائی جائے کہ برکت کا مدار کثرت پر نہیں، برکت کی تشریح تو یہ ہے کہ تھوڑی چیز میں اللہ کی مدد سے زیادہ فائدہ ہو، جس کا ہر مؤمن سے وعدہ ہے۔

شاگردوں کو یہ ترغیب بھی دی جائے کہ سال کے ختم ہونے پر اپنی کتابیں اپنے والدین سے پوچھ کر ایسے ضرورت مند اور نادار ساتھیوں کو یا عزیزوں کو دے دی جائیں، جن کے کام آسکیں۔ اسی طرح گھر والوں کی جانب سے جو جیب خرچ ملتا ہے اُس میں سے بھی اپنے چھوٹے بہن بھائیوں اور دوسرے غریب بچوں پر مثلاً ماسی اور چوکیدار وغیرہ کے غریب بچوں پر بھی خرچ کرتا رہے۔

ہاں اساتذہ کرام کو یہ چاہیے کہ بچوں کے والدین کو یہ مسئلہ سمجھا دیں کہ اپنے نابالغ بچوں کو جو بھی چیزیں دیں مثلاً نقدی یا کوئی اور چیز وہ عاریۃً دیں یعنی ان کو ان اشیاء اور رُقوم کا مالک نہ بنائیں، تاکہ والدین پھر ان چیزوں میں اپنی مرضی سے تصرف کرواسکیں، اس معنی میں کہ اُن بچوں کے استعمال کے بعد یا استعمال کے ساتھ ساتھ انہیں کے دوسرے بہن بھائیوں یا دوسرے بچوں کو وہ چیزیں استعمال کرواسکیں اور اس طرح وہ بچے اپنے نقدی اور جیب خرچ میں سے خود بھی دوسرے کو دے سکیں کیوں کہ وہ چیزیں ان کی ملکیت نہیں، بل کہ والدین کی ملکیت ہیں۔

یہ تفصیل اس لئے ذکر کر دی کہ سب کو یہ مسئلہ معلوم ہوجائے کہ نابالغ بچے کی ذاتی مملوکہ اشیاء یا نقدی تو خود والدین کو اساتذہ کو یا کسی اور کو بھی لینا اور استعمال کرنا

جائز نہیں اگرچہ نابالغ اس پر راضی بھی ہو جائے، کیوں کہ شرعاً اُس کی رضا مندی یا معافی بھی معتبر نہیں۔[1]

اسی طرح بچوں کو سخاوت کا یہ طریقہ بھی سکھایا جائے کہ جو علم آپ نے سیکھا ہے وہ دوسروں کو بھی سکھائیں مثلاً: آپ نے سورۂ فاتحہ اور دوسری سورتیں صحیح تجوید کے ساتھ سیکھ لی ہیں اور اَلتَّحِیَّاتُ اور ضروری دعاؤں میں الفاظ کی ادائیگی صحیح طرح سیکھی تو والدہ......، دادی اماں......، چھوٹے بہن بھائی...... وغیرہ کو بھی الفاظ کی ادائیگی کا صحیح طریقہ سکھائیں۔ اسی طرح گھر میں رہنے والے دوسرے بچوں یا آنے والے مہمانوں کے بچوں کو بھی وقتاً فوقتاً صحیح تجوید، لکھنا پڑھنا اور دوسرے آداب و دعائیں بھی سکھائیں۔

انسان کے پاس جو کچھ ہے اسی میں سے خرچ کرنے کا حکم ہے۔ آپ کے پاس علم کی دولت ہے تو علم کو خرچ کیجیے، علم خرچ کرنے سے گھٹتا نہیں، بل کہ بڑھتا ہے، گھر میں آنے والے خادموں کے بچوں کو بھی یہ بچے علم سکھائیں، نماز سنیں...... ناظرہ قرآن سکھلائیں...... بنیادی اُردو...... عربی، انگریزی اور حساب سکھائیں۔

امورِ اختیاریہ اور غیر اختیاریہ کی تمنا کرنا

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سورۂ نساء کی آیت:

﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾[2]

کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں:

اس آیت میں ان غیر اختیاری فضائل کی تمنا کرنے سے منع کیا گیا ہے، جو دوسروں کو حاصل ہوں، وجہ یہ ہے کہ انسان جب اپنے آپ کو دوسروں سے مال و دولت، آرام وعیش، حسن وخوبی، علم وفضل وغیرہ میں کم پاتا ہے تو عادتاً اس کے دل

[1] تفصیل بہشتی زیور: حصہ ۵ ص ۴۶ [2] سورہ نساء: آیت ۳۲

میں ایک مادہ حسد کا ابھرتا ہے، جس کا تقاضہ کم سے کم یہ ہوتا ہے کہ میں بھی اس کے برابر یا زیادہ ہو جاؤں، اور بسا اوقات اس پر قدرت نہیں ہوتی۔

کیوں کہ بہت سے کمالات ایسے ہیں، جن میں انسان کے سعی وعمل کو کوئی دخل نہیں، وہ محض قدرت کے انعامات ہوتے ہیں، جیسے کسی شخص کا مرد ہونا، یا کسی اعلیٰ خاندان نبوت میں یا خاندان حکومت میں پیدا ہونا، یا حسین وخوب صورت پیدا ہونا، (ناظم تعلیمات بنا، طلبہ کا زیادہ متوجہ ہونا) وغیرہ کہ جس شخص کو یہ انعامات حاصل نہیں، وہ اگر عمر بھر اس کی کوشش کرے کہ مثلاً مرد ہو جائے ...... یا خاندانی سیّد بن جائے ...... اس کا ناک نقشہ، قد وقامت حسین ہو جائے، تو یہ اس کی قدرت میں نہیں، نہ کسی دوا اور علاج یا تدبیر سے وہ ان چیزوں کو حاصل کر سکتا ہے، اور جب دوسرے کی برابری پر قدرت نہیں ہوتی تو اب اس کے نفس میں یہ خواہش جگہ پکڑتی ہے کہ دوسروں سے بھی یہ نعمت چھن جائے، تاکہ وہ بھی اس کے برابر یا کم ہو جائیں، اسی کا نام حسد ہے، جو انسانی اخلاق میں انتہائی شرمناک اور مضر خصلت ہے، اور دنیا کے بہت سے جھگڑوں اور فسادات، قتل وغارت گری کا سبب ہے۔

چناں چہ مذکورہ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتقاضائے حکمت ومصلحت جو کمالات وفضائل لوگوں میں تقسیم فرمائے ہیں، کسی کو کوئی وصف دے دیا کسی کو کوئی، کسی کو کم، کسی کو زیادہ، اس میں ہر شخص کو اپنی قسمت پر راضی اور خوش رہنا چاہیے، دوسرے کے فضائل وکمالات کی تمنا میں نہ پڑنا چاہیے کہ اس کا نتیجہ اپنے لئے رنج وغم اور حسد کے گناہ عظیم کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

جس کو حق تعالیٰ نے مرد بنا دیا وہ اس پر شکر ادا کرے، جس کو عورت بنا دیا وہ اسی پر راضی رہے اور سمجھے کہ اگر وہ مرد ہو جاتی تو شاید مردوں کی ذمہ داریوں کو پورا نہ کر سکتی، اور گناہگار ہو جاتی، جس کو اللہ تعالیٰ نے خوب صورت پیدا کیا ہے، وہ اس پر شکر گزار ہو کہ اس کو ایک نعمت ملی، اور جو بدصورت ہے وہ بھی رنجیدہ نہ ہو اور سمجھے کہ

میرے لئے اسی میں کوئی خیر مقدر ہوگی، اگر مجھے حسن وجمال ملتا تو شاید کسی فتنہ اور خرابی میں مبتلا ہو جاتا۔

جو شخص نسب کے اعتبار سے سیّد، ہاشمی ہے وہ اس پر شکر کرے کہ یہ نسبت اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، اور جس کو یہ نسبت حاصل نہیں وہ اس فکر میں نہ پڑے اور اس کی تمنا بھی نہ کرے، کیوں کہ یہ چیز کسی کوشش سے حاصل ہونے والی نہیں، اس کی تمنا اس کو گناہ میں مبتلا کر دے گی، اور بجز رنج وغم کے کچھ حاصل نہ ہوگا، بجائے نسب پر افسوس کرنے کے اعمالِ صالحہ کی فکر میں زیادہ پڑے، ایسا کرنے سے وہ بڑے نسب والوں سے بڑھ سکتا ہے۔

بعض آیاتِ قرآنی اور ارشاداتِ نبوی میں مسابقت فی الخیرات، یعنی نیک کاموں میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کا حکم یا دوسروں کے فضائل وکمالات کو دیکھ کر ان کی تحصیل کے لئے سعی وعمل اور جدوجہد کی ترغیب آئی ہے تو وہ ان اعمال وافعال سے متعلق ہے، جو انسان کے اختیار میں ہیں، اور کسب واکتساب سے حاصل ہو سکتے ہیں، مثلاً علمی فضائل اور عملی واخلاقی کمالات کسی کے دیکھ کر ان کے حاصل کرنے کی جدوجہد مستحسن اور پسندیدہ عمل ہے، یہ آیت اس کے منافی نہیں، بل کہ آیت کا آخری حصہ اس کی تائید کر رہا ہے، جس میں ارشاد ہے:

﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ﴾ [1]

یعنی جو کوئی چیز مردوں نے کسب وعمل کے ذریعہ حاصل کی، ان کو اس کا حصہ ملے گا، اور جو عورتوں نے سعی وعمل کے ذریعہ حاصل کی ان کو اس کا حصہ ملے گا۔

اس میں یہ اشارہ موجود ہے کہ فضائل کمالات کی تحصیل میں کسب واکتساب اور جدوجہد بیکار نہیں، بل کہ ہر مرد وعورت کو اس کی سعی وعمل کا حصہ ضرور ملے گا۔

[1] سورہ نساء: آیت ۳۲

اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ کسی شخص کے علمی، عملی، اخلاقی فضائل کو دیکھ کر ان کی تمنا اور پھر تمنا پوری کرنے کے لئے سعی وعمل اور جدّ وجہد کرنا مطلوب اور مستحسن ہے۔

یہاں ایک مغالطہ بھی رفع ہوگیا، جس میں بہت سے ناواقف مبتلا ہوا کرتے ہیں، بعض تو غیر اختیاری فضائل کی تمنا میں لگ کر اپنے عیش و آرام اور سکون و اطمینان کو دنیا ہی میں برباد کرلیتے ہیں، اور اگر نوبت حسد تک پہنچ گئی، یعنی دوسرے کی نعمت کے زوال کی تمنا ہونے لگی تو آخرت بھی برباد ہوئی، کیوں کہ حسد کے گناہ عظیم کا ارتکاب ہوا۔

بعض وہ لوگ بھی ہیں جو اپنی سستی، کم ہمتی، بل کہ بے غیرتی سے اختیاری فضائل حاصل کرنے کی بھی کوشش نہیں کرتے، اور کوئی کہے تو اپنی کم ہمتی اور بے عملی پر پردہ ڈالنے کے لئے قسمت وتقدیر کے حوالے دینے لگتے ہیں۔

اس آیت نے ایک حکیمانہ اور عادلانہ ضابطہ بتلا دیا کہ جو کمالات وفضائل غیر اختیاری ہیں اور ان میں انسان کا کسب وعمل مؤثر نہیں، جیسے کسی کا عالی نسب یا حسین وخوب صورت پیدا ہونا وغیرہ، ایسے فضائل کو تو حوالۂ تقدیر کرکے جس حالت میں کوئی ہے اسی پر اس کو راضی رہنا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔

اس سے زائد کی تمنا بھی لغو، فضول اور نقد رنج وغم ہے، اور جو فضائل وکمالات اختیاری ہیں جو کسب وعمل سے حاصل ہوسکتے ہیں ان کی تمنا مفید ہے، بشرطیکہ تمنا کے ساتھ کسب وعمل اور جدوجہد بھی ہو، اور اس میں اس آیت نے یہ بھی وعدہ کیا کہ سعی وعمل کرنے والے کی محنت ضائع نہ کی جائے گی، بل کہ ہر ایک کو بقدر محنت حصہ ملے گا مرد ہو یا عورت۔

تفسیرِ بحرِ محیط میں ہے کہ اس آیت سے پہلے ﴿لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ

بِالْبَاطِلِ﴾[1] اور ﴿لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾[2] کے احکام آئے تھے، جن میں کسی کا مال ناحق استعمال کرنے اور کسی کو ناحق قتل کرنے کی ممانعت ہے، اس آیت میں ان دونوں جرموں کے سرچشمہ کو بند کرنے کے لئے یہ ہدایت دی گئی ہے کہ دوسرے لوگوں کو جو مال و دولت یا عیش وعشرت یا عزت و جاہ وغیرہ میں تم پر تفوق خداداد حاصل ہے، تم اس کی تمنا بھی نہ کرو۔

اس میں غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ چوری، ڈاکہ اور دوسرے ناجائز طریقوں سے کسی کا مال لینا، یا قتل وغارت گری کرنا، ان سب جرائم کا اصل منشاء یہی ہوتا ہے کہ ایک انسان جب دوسرے انسان کو مال و دولت وغیرہ میں اپنے سے فائق اور بڑھا ہوا پاتا ہے تو اوّل اس کے دل میں اس کی برابری یا اس سے برتری کی خواہش و تمنا پیدا ہوتی ہے۔

پھر یہ تمنا ہی ان سب جرائم تک پہنچا دیتی ہے، قرآنی ہدایت نے ان تمام جرائم کے سرچشمہ کو بند کردیا کہ دوسروں کے فضائل وکمالات کی تمنا ہی کو روک دیا۔

آیت میں اس کے بعد ارشاد ہے ﴿وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ﴾[3]

اس میں یہ ہدایت ہے کہ جب تم کسی کو کسی کمال میں اپنے سے زائد دیکھو تو بجائے اس کے کہ اس خاص کمال میں اس کے برابر ہونے کی تمنا کرو، تمہیں کرنا یہ چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل وکرم کی درخواست کرو، کیوں کہ فضلِ خداوندی ہر شخص کے لئے جدا جدا صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے، کسی کے لئے مال ودولت فضلِ الٰہی ہوتا ہے، اگر وہ فقیر ہوجائے تو گناہ وکفر میں مبتلا ہوجائے اور کسی کے لئے تنگی اور تنگدستی ہی میں فضل ہوتا ہے، اگر وہ غنی اور مالدار ہوجائے تو ہزاروں گناہوں کا شکار ہوجائے، اسی طرح کسی کی عزت وجاہ کی صورت میں فضلِ خداوندی ہوتا ہے،

---

[1] سورۃ النساء: آیت ۲۸ [2] سورۃ النساء: آیت ۲۹

[3] سورۃ النساء آیت: ۳۲

کسی کے لئے گمنامی اور کسمپرسی ہی میں اس کے فضل کا ظہور ہوتا ہے، اور حقیقت حال پر نظر کرے تو معلوم ہو جائے کہ اگر اس کو عزت و جاہ ملتی تو بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا۔

اس لئے اس آیت نے یہ ہدایت دی کہ جب اللہ تعالیٰ سے مانگو تو کسی خاص وصفِ معین کو مانگنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کا فضل مانگو، تا کہ وہ اپنی حکمت کے مطابق تم پر اپنے فضل کا دروازہ کھول دے۔

آخرِ آیت میں فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا﴾[1] یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے، اس میں اشارہ فرما دیا کہ حق تعالیٰ کی تقسیم عینِ حکمت اور عینِ عدل و انصاف ہے، جس کو جس حال میں پیدا کیا اور رکھا ہے، وہی مقتضائے حکمت و عدل تھا، مگر چوں کہ انسان کو اپنے اعمال کے عواقب کا پورا پتہ نہیں ہوتا، اس کو اللہ تعالیٰ ہی خوب جانتے ہیں کہ کس کو کس حال میں رکھنا اس کے لئے مفید ہے۔[2]

لہٰذا اساتذہ کرام کو چاہئے کہ دوسروں کی اضافی مراعات، جاہ و منصب کی طرف حسد کی نگاہوں سے دیکھنے کی بجائے اپنی خداد صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کی فکر کریں اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہر وقت مانگیں:

"اَللّٰهُمَّ اٰتِنِيْ أَفْضَلَ مَا تُؤْتِيْ عِبَادَكَ الصَّالِحِيْنَ"[3]

ترجمہ: "اے اللہ! جو بڑے سے بڑے انعامات تو نے اپنے نیک بندوں پر فرمائے ہیں وہ مجھ کو بھی عطا فرما۔"

انسانیت کی تعمیر

دنیا میں تعمیر و ترقی کے جتنے اسباب ہیں، وہ فکر، سوچ اور محنت سے وجود میں

[1] سورۃ النساء آیت: ۳۲ [2] معارف القرآن: ۳۹۰/۲ تا ۳۹۲

[3] عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی: ص ۴۶

آتے ہیں۔ اگر مناسب طریقے سے محنت ہوگی تو وہ اسباب بڑھیں گے اور ان سے فائدہ اٹھایا جا سکے گا۔ دوسری طرف تخریب کے لئے کسی خاص محنت کی ضرورت نہیں، کیوں کہ تعمیر مشکل ہے اور تخریب نہایت آسان۔

معمار سے پوچھیے کہ اس نے کتنے مہینے محنت کی جب عمارت تیار ہوئی۔ دروازے کھڑکیاں بنانے کے لئے کتنی محنت کی گئی، جنگل سے لکڑیاں کاٹی گئیں۔ ان کو مناسب انداز سے کاٹا گیا، پھر اسے کتنی محنت سے شہر پہنچایا گیا۔ جہاں شب و روز محنت کر کے بڑھئی نے کھڑکیاں اور دروازے تیار کئے۔ جب مکان تیار ہو جاتا ہے تو اس کی چار دیواری اور سائے میں انسان نہایت آرام وسکون سے برسوں وقت گزارتے ہیں۔ نسلوں کی نسلیں اس مکان میں پرورش پاتی ہیں۔

ایک انسان کے کردار کی تعمیر دنیا کے سارے تعمیری کاموں سے اہم ہے۔ یہ ایسی تعمیر ہے کہ اس سے عدم توجہی ساری انسانیت کی تباہی کا سبب بن سکتی ہے۔ اگر انسان، انسان ہے تو وہ دوسرے انسانوں کے لئے بھلائی اور رحمت کا ذریعہ بنتا ہے ورنہ آدمی بغیر انسانیت کے "اَسْفَلَ السَّافِلِيْنَ" کی طرف لڑھکنے والا وہ وجود ہے جو سیکڑوں ہزاروں کی زندگیاں برباد کر سکتا ہے۔

اس انسان کی تعمیر کی ابتدا جن کے ہاتھوں انجام پاتی ہے، ان کو ایسی صفات کا حامل ہونا ضروری ہے کہ وہ گفتار سے زیادہ کردار کے غازی ہوں۔ ان کے عمل کی جگمگاہٹ سے آنکھیں نہیں، بل کہ دل خیرہ ہو جاتے ہوں۔

ماں باپ کے ساتھ ساتھ فقط اُستاذ ہی وہ شخصیت ہے کہ بچوں کی تربیت کا ذمہ دار ہے۔ ایک اچھے اور برے استاذ کی مثال وہی ہے جو ان دو کسانوں کی ہے کہ جن کو زمین، کھاد، بیج، پانی اور زرعی آلات کی ایک جیسی سہولیات حاصل تھیں۔ ایک نے بہتر طریقہ استعمال کیا اور اللہ کے حکم سے اس نے اچھی فصل حاصل کی اور اس کے برعکس دوسرے نے اصل بیج بھی ضائع کر دیئے۔

لہٰذا اے جماعت اساتذہ! خوب اہتمام اور فکر سے اس حقیقت کو سمجھیں کہ بے شمار انسانوں کے ننھے بچے بصورت ننھے ننھے بیج آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔ انہی بیجوں نے آگے جا کر گھنا درخت بننا ہے، جن کے سائے سے انسان فائدہ اُٹھائیں گے۔

اگر ان کی صحیح تربیت ہوگئی تو یہ بن جائیں گے ورنہ بگڑ جائیں گے۔ ان کے بننے اور بگڑنے میں آپ کے طرزِ تربیت کو بہت دخل ہے۔ اگر آپ کا دل ان بچوں کی محبت سے لبریز ہے، اگر وہ سب کچھ جو آپ جانتے ہیں، وہ علم جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمایا ہے، ان کو منتقل کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو اپنے اور ان بچوں کے درمیان حائل خلیج کو ہٹانا ہوگا۔

بچوں کو تعلیم دیتے ہوئے سب سے اہم بات یہ ہے کہ آپ کے اندر سب بچوں کی برابر اہمیت ہو، کسی بچے کا ذاتی عمل اسے آپ سے دور نہ کروائے۔ اگر کوئی بچہ آپ کا کہنا نہیں مانتا تو آپ اسے علم سے محروم نہیں کریں گے، بل کہ اس کی توجہ حاصل کرنے کی از خود کوشش کریں گے۔

خاص الخاص بات یہ ہے کہ آپ کے دل میں کسی بچے کے لئے کینہ نہ ہو۔ آپ بزعم خود یہ فرض نہ کرلیں کہ یہ بچہ تو پڑھ ہی نہیں سکتا، کیوں کہ یہ بڑا بدتمیز ہے، اسے تو اُستاذ کی قدر ہی نہیں ہے، یہ تو میری بات ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اُڑا دیتا ہے۔

یاد رکھیے! اگر آپ نے اپنے دل میں کسی بچے کے لئے کینہ کا فیصلہ فرمالیا تو نہ صرف یہ کہ وہ بچہ آپ سے علم حاصل نہ کر سکے گا، بل کہ آپ بھی عند اللہ مجرم ٹھہریں گے۔

بحیثیتِ روحانی طبیب آپ کا فرض ہے کہ طلبہ کی اصلاح کی فکر فرمائیں، تدبیریں کریں، دعائیں مانگیں اور ساتھ ہی اپنی بھی فکر کریں کہ کہیں آپ کی اپنی ذاتی

خامی کی وجہ سے بچوں کا نقصان نہ ہوجائے۔ ہماری تمنا ہے کہ آپ ایک انتہائی کامیاب استاذ ثابت ہوں اور اس مقصد کے حصول کے لئے عمدہ تدابیر اختیار کرنے والے ہوں۔

یاد رکھیے! پہلے کسی چیز کے حصول کی فکر پیدا ہوتی ہے، اس کے بعد ہی آدمی اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ فکر پیدا کرنے کا آسان نسخہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنا ہے، کیوں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اُستاذ بنایا ہے تو وہی ہمیں ایک اچھا اُستاذ بھی بنا سکتا ہے۔

بچوں کو معاف کرنا سکھایئے: آپ بچوں کو یہ درس تو اکثر دیتے ہیں کہ بچو! غیبت نہ کرو...... چغلی نہ کرو...... اور اچھے کام کرو۔ مگر کبھی آپ نے عملاً ان کی تربیت بھی کی ہے، ان کے سامنے کوئی عملی نمونہ بھی پیش کیا ہے؟

یاد رکھیے! قول سے زیادہ ہمارا فعل بچوں پر اثر انداز ہوتا ہے۔

ذرا سوچئے! بچوں کی غلطیوں پر آپ نے کئی دفعہ بچوں کو سزائیں دی ہیں۔ کیا آپ کو کوئی ایسا واقعہ بھی یاد ہے، جس میں کسی بچے کی کسی بڑی غلطی پر آپ کو بہت غصہ آیا ہو اور آپ نے اسے معاف کر دیا ہو، بچے کی غلطی پر اگر آپ نے اسے معاف کر دیا، سمجھا بجھا کر چھوڑ دیا تو اس کے بعد اگر آپ بچوں کو دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرنے کا درس دیں گے تو آپ کی یہ تلقین کہیں زیادہ کارگر ہوگی۔

کسی بچے کو اپنا مخالف مت سمجھیں، آپ سمجھتے ہیں کہ کلاس کے دو تین بچے آپ کے مخالف ہیں، جان بوجھ کر آپ کو تنگ کرتے ہیں، شور شرابہ کرتے ہیں اور پڑھائی میں خلل ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

محترم! اگر آپ نے ان بچوں کو قطعی طور پر ایسا ہی فرض کرلیا تو شاید یہ بڑی ناانصافی ہوگی۔ بچے آپ کی توجہ کے طلب گار ہیں، آپ کی آنکھ کے اشارے کے منتظر ہیں اور آپ کی خوشنودی کے طلب گار ہیں۔ فقط شرط یہ ہے کہ آپ ان کو اپنا

سمجھیں، دل سے ان سے محبت کریں اور ان کا بھلا چاہیں۔ اپنے طرزِ عمل پر بھی غور کریں کہ کہیں آپ کسی بچے پر بے جا غصہ تو نہیں ہوتے، اس کی چھوٹی سی غلطی کو بہت بڑا تو نہیں بنا دیتے۔ کہیں آپ نے یہ تو نہیں سوچ لیا کہ فلاں بچے کو ہر قیمت پر کلاس سے نکالنا ہے؟ نہیں! یہ آپ کے شایانِ شان نہیں ہے۔ آپ یقیناً ایک اچھے اُستاذ ہیں، جو سارے بچوں کو ایک نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کی نگاہ میں سب بچے برابر ہوتے ہیں۔

مدرسے یا اسکول میں بچے پڑھتے ہیں، جیتے جاگتے بچے جن کی رگوں میں خون گردش کرتا ہے جو سوچتے بھی ہیں اور سمجھتے بھی ہیں۔ کھیل کود کے میدان میں شرارت ان کی رگوں میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ آپ ان کو سدھارنا چاہتے ہیں یا ان کو اپنی مرضی پر چلانا چاہتے ہیں؟

اگر آپ چاہتے ہیں کہ بچے سدھر جائیں، اپنی تعلیم میں دل چسپی لیں، دل لگا کر پڑھیں، وقت ضائع نہ کریں اور فضول کاموں سے بچیں تو آپ کو ان کا دل موہ لینا پڑے گا۔

کبھی ایسا بھی کیجیے کہ کسی بچے نے (جو آپ کی ناک میں دم کیے رہتا ہے، ہر وقت کلاس میں اُدھم مچاتا ہے) کوئی اچھا کام کیا، مثلاً: گھر کا کام یہیں وقت پر کر کے دکھلا دیا تو سب کے سامنے اس کی خوب تعریف کیجیے، کبھی کسی شرارتی بچے نے کلاس میں آپ کے سوال کا جواب دیدیا تو اسے کوئی چھوٹی سی چیز انعام میں دیدیں۔ جب اس طرح آپ بچوں کا لحاظ کریں گے تو ان کے دلوں میں بھی آپ کے لئے جگہ پیدا ہو جائے گی، پھر وہ آپ کی باتوں کو غور سے سنیں گے اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں گے، یہاں تک کہ آپ کی اپنی رائے بھی ان بچوں کے بارے میں بدل جائے گی اور آپ ان بچوں کے اعلیٰ کردار واخلاق کا دل سے اعتراف اور زبان سے اقرار اور اظہار کریں گے۔

فوراً استعفیٰ نہیں دینا چاہیے

یہ آپ کا امتحان ہے کہ کبھی ناظم تنگ کرے گا تو کبھی مہتمم اور کبھی طلبہ، کبھی عوام تنگ کرے گی تو کبھی کمیٹی ...... جذبات میں آکر فوراً استعفیٰ دینے کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً﴾[1]

ترجمہ: ”اور ہم نے تم میں سے ہر ایک کو دوسرے کی آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے۔“

اس آیت کے تحت صاحبِ اغاثۃ اللہفان فرماتے ہیں: ”وَهٰذَا عَامٌّ فِيْ جَمِيْعِ الْخَلْقِ“ کہ آزمائش اور امتحان تمام مخلوق کو عام ہے ”اُمْتُحِنَ الْعُلَمَاءُ بِالْجُهَّالِ“ علماء کا امتحان عوام کے ذریعے سے ہوتا ہے۔

اسی طرح ”اُمْتُحِنَ الْاٰمِرِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ بِمَنْ يَّاْمُرُوْنَهُمْ، وَاُمْتُحِنَ الْمَاْمُوْرِيْنَ بِهِمْ.“ نیکی کا حکم دینے والے کی آزمائش ان کے ذریعے ہوتی ہے، جن کو نیکی کا حکم دیا جائے، اور نیکی کا حکم دیئے جانے والے کا امتحان ان کے ذریعے ہوتا ہے، جو نیکیوں کا حکم دیتے ہیں۔[2]

حلال روزگار کی قدر کرنی چاہیے، جب تک آپ کو خود نکالا نہیں جا رہا تب تک جس ادارہ میں اللہ خدمت لے رہے ہیں، صبر وشکر کے ساتھ لگے رہیے، آپ کو ناظم یا مہتمم تنگ کرتے ہیں تو شیطان اس وقت دھوکہ دیتا ہے، ادارہ کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے۔

ناظم صاحب نے جن امور پر تنبیہ کی ہیں۔ ان امور پر غور کرنا چاہیے کہ آیا واقعۃً اس میں میری غلطی ہے یا نہیں۔

[1] سورۂ فرقان: آیت ۲۰ [2] اغاثۃ اللہفان: ۲/۴۲

اگر غلطی ہے تو تسلیم کر لینا چاہیے، ایسے وقت میں جب مہتمم یا ناظم نے کوئی سخت بات کہہ دی تو شیطان استاذ کو یہ دھوکہ دیتا ہے کہ اصل چیز عزت ہے، اس ادارہ میں عزت نہیں ہے۔ ہمیں طلبہ کے سامنے ذلیل کیا جاتا ہے...... خدام کے سامنے ذلیل کیا جاتا ہے...... نئے استاذوں کے سامنے ذلیل کیا جاتا ہے...... ہمارے شاگرد جو ابھی نئے استاذ بنے ہیں، ان کے سامنے ہمارا خیال نہیں رکھا جاتا...... دس سال سے جو یہاں خدمت کر رہا ہے، اس کو جمعہ، جمعہ آٹھ دن ہوئے ہوں کے برابر رکھا جاتا ہے...... چلو اس ادارہ سے کہیں اور چلتے ہیں۔ اس شیطانی دھوکہ سے بچنے کے لئے اس اصول کو سامنے رکھیں کہ اگر مہتمم، ناظم، امیر نے ہمیں کوئی ہماری روحانی بیماری بتلائی ہے تو اس پر ہمیں ناراض ہونے کے بجائے خوش ہونا چاہیے کہ اس بیماری کے ساتھ میں آخرت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہوا تو کتنی ذلت اٹھانی پڑے گی، مہتمم نے یہی تو تنبیہ کی، نہ کہ ادارہ کے اوقات میں آپ نے فون کیوں کیا؟

ادارے کے اوقات میں اخبار آپ نے کیوں پڑھا؟ صبح دیر سے کیوں پہنچے؟ کاپیاں صحیح طرح چیک نہیں کیں۔

حضرت مولانا محمد سہول عثمانی صاحب حضرت شیخ الہند رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے ممتاز شاگردوں اور دارالعلوم دیوبند کے ان مقبول اساتذہ میں سے تھے، جن کو بیک وقت حدیث اور فقہ دونوں میں اللہ تعالیٰ نے کمال عطا فرمایا تھا۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ انہوں نے حضرت شیخ الہند رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے سوال کیا کہ حضرت! ہم دینی علوم پڑھاتے ہیں اور ان پر تنخواہ بھی لیتے ہیں تو کیا ایسی تدریس پر کچھ ثواب بھی ملے گا؟

حضرت شیخ الہند نے فرمایا: ”مولوی صاحب! ثواب کی بات کرتے ہو؟ اس تدریس میں جو کچھ کوتاہیاں ہم سے ہوتی ہیں اگر ان پر مواخذہ نہ ہو تو اس کو غنیمت

سمجھو۔“

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد تشریحاً فرماتے ہیں: حضرت رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کا مقصد یہ نہیں تھا کہ تنخواہ لینے کے بعد ثواب کی کوئی امید نہیں، کیوں کہ اگر نیت بخیر ہو تو ان شاء اللہ تعالیٰ اس میں بھی ثواب کی امید ہے، لیکن یہ اس وقت ہے جب کہ تنخواہ کا حق پورا پورا ادا کیا ہو۔ اور اگر مقررہ وقت سے کم پڑھایا غیر حاضریاں کیں اور پڑھانے کے لئے جس محنت اور مطالعہ کی ضرورت ہے، اس میں کوتاہی کی تو تنخواہ کا حلال ہونا بھی مشکوک ہے۔ حضرت شیخ الہند رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔[1]

بریلی کے مولوی محمد احمد رضا خان صاحب نے اکابرین دیوبند کی تکفیر اور ان پر سب وشتم کا جو طریقہ اختیار کیا تھا، وہ ہر پڑھے لکھے انسان کو معلوم ہے، ان فرشتہ خصلت اکابر پر گالیوں کی بوچھاڑ کرنے میں انہوں نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، لیکن حضرت گنگوہی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے جو اس دشنام طرازی کا سب سے بڑا نشانہ تھے، ایک روز اپنے شاگرد رشید حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ سے فرمایا: ان کی تصنیفیں ہمیں سنا دو۔

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے عرض کیا: حضرت! ان میں گالیاں ہیں، اس پر حضرت گنگوہی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا: اجی دور کی گالیوں کا کیا ہے پڑی (یعنی بلا سے) گالیاں ہوں، تم سن سناؤ، آخر اس کے دلائل تو دیکھیں، شاید کوئی معقول بات ہی لکھی ہو تو ہم ہی رجوع کر لیں۔“[2]

اس واقعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امیر، ناظم، مہتمم اساتذہ کی کسی غلطی، کوتاہی کی نشاندہی کرے تو اساتذہ کرام کو چاہیے کہ اس غلطی کو تسلیم کرلے اور اس سے رجوع کر لینا چاہیے۔

---

[1] اکابر دیوبند کیا تھے: ۱/۲۷ [2] اکابر دیوبند کیا تھے: صفحہ ۱۱۲

اپنے خلاف اصلاحی تنقید برداشت کیجیے

انسان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو عاجز اور حقیر سمجھے اور یہ تنقید کے بغیر نہیں ہوسکتا، جب آدمی تنقید کے بجائے نیاز مندی کی باتوں کو پسند کرنے لگتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اس خطرے میں ڈالتا ہے کہ عجز کے بجائے کبر اس کے نفس کی غذا بن جاتی ہے، وہ ایک مصنوعی فضا میں زندگی گزارنے لگتا ہے۔ اس کی ظاہری تواضع اس کو اور دوسروں کو اس غلط فہمی میں رکھتی ہے کہ وہ نہایت متواضع ہے۔ حالاں کہ وہ نفسیاتی طور پر پوری طرح کبر کا مریض ہو چکا ہوتا ہے، اس کی ظاہری تواضع تو صرف دوسروں کی نیاز مندی کا جواب ہے۔

ہر شخص کے اندر کمزوریاں ہوتی ہیں، کمزوریوں سے کوئی شخص خالی نہیں۔ اسی طرح ہر آدمی غلطیاں کرتا ہے، کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس سے غلطیاں سرزد نہ ہوتی ہوں، ان کمزوریوں اور غلطیوں پر دوسروں کی نگاہ پڑتی ہے اور اس کا دوسرا نام تنقید ہے، پھر آدمی جب صرف اپنی تعریف سننا چاہتا ہو اور تنقید سننے کا مادہ اس کے اندر نہ ہو تو اس کی کمزوریوں اور غلطیوں کی اصلاح کس طرح ہوگی۔

تنقید کو برداشت کرنا، بیک وقت بہت سی صفات کا مجموعہ ہوتا ہے، بل کہ اس میں ساری صفات کا عکس آجاتا ہے۔ تنقید برداشت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ آدمی نفس پرستی کا مریض نہیں ہے، کیوں کہ نفس پرستی میں آدمی اپنی ذات اہم بن جاتی ہے اور جو چیز اپنی ذات کو داغدار ظاہر کرے اس کو ایسا آدمی کیونکر برداشت کرے گا۔ تنقید کو برداشت کرنے سے آدمی کے اندر کبر وغرور باقی نہیں رہتا، کیوں کہ کبر وغرور سب سے زیادہ تنقید کو سننے میں مانع ہوتا ہے اسی طرح تنقید کو برداشت کرنے والا یہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنی اصلاح کا بے حد مریض ہے۔

کیوں کہ جو شخص اپنی اصلاح کا مریض ہو وہ تنقید کو سن کر خوش ہوگا، نہ کہ وہ الٹا

ناقد (تنقید کرنے والے) کے اوپر خفا ہونے لگے، تنقید کو برداشت کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی کو آخرت کی بہت زیادہ فکر ہو، کیوں کہ جس کو آخرت کی فکر ہو، وہ تنقید سن کر تڑپ اٹھے گا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے اندر واقعی کوئی غلطی ہو، اس لئے مرنے سے پہلے اس کی اصلاح کر لینی چاہیے۔ پھر تنقید کو برداشت کرنے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ آدمی خالصۃً حق کا طالب ہے، کیوں کہ طلب حق کا جذبہ صحیح طور پر موجود ہو تو آدمی دوسری کسی بات میں نہیں الجھے گا۔ وہ تو صرف یہ سوچے گا کہ کیا چیز حق ہے اور جو چیز حق ہوگی، اس کو دل وجان سے قبول کرے گا۔ خواہ وہ اس کے موافق ہو یا اس کے خلاف۔ اپنے خلاف تنقید سننا انسان کی اعلیٰ ترین خصوصیت ہے، جس کے اندر یہ خصوصیت موجود ہے اس کے اندر دوسری تمام خصوصیتیں موجود ہوں گی اور جو شخص اس خصوصیت سے محروم ہو اس کے متعلق شبہ ہے کہ دوسری کوئی خصوصیت اس کے اندر موجود ہے بھی یا نہیں۔

ایک بزرگ اپنے عیوب بتلانے والے شخص کو دعا دیا کرتے تھے۔ "رَحِمَ اللّٰهُ امْرأً نَبَّهَ عَلَى عُيُوبِي" "کہ اللہ اس شخص پر رحم وکرم فرمائے جس نے میرے عیوب بتلائے۔"

تبلیغی جماعت کے بزرگ حضرت مولانا سعید احمد خان صاحب رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ نے ایک مرتبہ اپنے ایک پرانے تبلیغی ساتھی سے فرمایا: آپ بہت اچھے ہیں اور اوصاف حمیدہ کے حامل ہیں، لیکن آپ کے اندر ایک عیب ہے، اگر وہ ختم ہو جائے تو بڑے کمال کے آدمی بن سکتے ہو۔ انہوں نے پوچھا: حضرت! وہ کون سا عیب ہے۔ حضرت رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ نے فرمایا: کل آجائیں میں بتلا دوں گا۔ چناں چہ وہ صاحب اگلے دن تشریف لائے تو حضرت رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ نے فرمایا: تم میں یہی عیب ہے کہ ایک عیب کے بارے میں پوچھتے ہو۔

یعنی حضرت رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ کا منشا یہ تھا کہ ہم اپنے آپ کو عیوب کا مجموعہ

خیال کریں اور جس کو یہ احساس ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہر وقت متوجہ ہوگا اور اپنی اصلاح کے لئے فکر مند ہوگا۔

حضور اکرم ﷺ کی ایک بہترین دعا ہے:

"اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ صَبُوْرًا وَاجْعَلْنِيْ شَكُوْرًا وَاجْعَلْنِيْ فِيْ عَيْنِيْ صَغِيْرًا وَفِيْ أَعْيُنِ النَّاسِ كَبِيْرًا."[1]

اگر آپ کو ملازمت سے ہٹا دیا جائے

ذہنی طور سے آپ اس کے لئے تیار رہیئے کہ آپ کو کبھی بھی اس ادارے سے نکالا جا سکتا ہے یا خود ایسے حالات پیدا ہو سکتے ہیں کہ آپ استعفیٰ دے دیں۔ یا کمیٹی والے یا اہل محلہ، اپنی زمین آپ کو چھوڑنے کے لئے کہہ دیں جو انہوں نے عاریۃً آپ کو استعمال کے لئے دی تھی، ان دونوں حالتوں میں آپ کا ردعمل کیا ہونا چاہیئے۔ آپ کی ذہنی حالت کیسی ہونی چاہیئے، آپ رضا بالقضا پر کتنے راضی یا جزا سزا کر کے کتنے شاکی رہیں گے۔ آپ کی زبان مبارک سے نکلنے والے کلمات اور آپ کے لہجے سے ٹپکنے والے جذبات کیسے رہتے ہیں؟

سخت بدبودار غیبت اور الزام تراشی سے پُر یا اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے پر راضی رہتے ہیں۔ اس سوال کے جواب کے لئے ہم ایک بات آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں امید ہے کہ آپ سنجیدگی سے اس پر غور فرمائیں گے۔

وہ یہ کہ آپ یہ سوچیں کہ میں نے اس تدریس کی نعمت کا شکر ادا کیا ہے یا نہیں؟ یعنی اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں نے اس ادارے میں اتنے ماہ، اتنے سال گزارے ہیں، اس وقت میں میں نے اس نعمت کی قدر کی ہے یا ناقدری؟

اگر قدر کی ہے شکر کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

[1] کنزالعمال، کتاب الأذکار: ۸۲/۲ رقم الحدیث ۳۶۷۲

﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ﴾[1]

ترجمہ: "اگر تم نے نعمتوں کا شکر ادا کیا تو میں ضرور اس میں اضافہ کروں گا۔"

اب اس آیت مبارکہ کو پڑھ کر سوچیے کہ یہ أَحْكَمُ الْحَاكِمِيْنَ ذُوالْجَلَالِ وَالْإِكْرَام رَبُّ الْعَالَمِيْن کا وعدہ ہے اور وہ وعدے کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔

اگر آپ نے شکر ادا کیا ہے تو ضرور آپ کو اس ادارے سے بہتر ادارہ ملے گا اس ادارے کی سہولیات سے بہتر سہولیات ملیں گی۔ اس ادارے سے بہتر طلبا ملیں گے۔ الغرض ہر اعتبار سے آپ پر نعمت کی فراوانی ہوگی۔ اسی لئے حدیث میں نعمت کے زوال سے حفاظت کی دعا مانگی گئی ہے۔ وہ دعا بھی ہمیں مانگتے رہنا چاہیئے:

"اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ أَعُوْذُبِكَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِكَ وَتَحَوُّلِ عَافِيَتِكَ وَفُجَآءَةِ نِقْمَتِكَ وَجَمِيْعِ سَخَطِكَ."[2]

ترجمہ: "اے اللہ! میں تیری پناہ لیتا ہوں اس بات سے کہ تیری موجودہ نعمت جاتی رہے اور تیری عافیت مجھ سے اپنا رخ پھیر لے، اور تیرے ناگہانی عذاب سے (کہ پہلے توبہ کی توفیق نہ ملے) اور تیرے تمام غصے کے اسباب سے۔"

دوسری مختصر دعا بھی اساتذہ اور ہر ایک کو مانگنی چاہیئے کہ تدریس اور روزگار صحت اہل وعیال کی نعمت ہم سے چھین نہ لی جائے:

"اَللّٰهُمَّ لَا تَكِلْنِيْ إِلٰى نَفْسِيْ طَرْفَةَ عَيْنٍ وَلَا تَنْزِعْ مِنِّيْ صَالِحَ مَآ أَعْطَيْتَنِيْ."[3]

[1] سورۃ ابراھیم: آیت ۷

[2] مسلم، کتاب الذکر والدعاء، باب اکثر أهل الجنة الفقراء: ۳۵۲/۲

[3] مجمع الزوائد، کتاب الادعیۃ، الادعیۃ المأثورۃ: ۲۱۰/۱۰، رقم: ۱۷۴۰۹

ترجمہ: ”اے اللہ! تو مجھے پلک جھپکنے بھر بھی میرے نفس کے حوالہ نہ کرنا اور جو عمدہ بات تو نے مجھ کو عطا فرما دی ہے اس کو مجھ سے نہ چھیننا۔“

اور خدا نہ کرے اگر اس نعمت کی ناقدری ہوئی ہے، وقت پر پہنچے نہیں، بغیر مطالعہ (اور پلاننگ) کے پڑھایا، طلبا کو صحیح سمجھانے کا حق ادا نہیں کیا، امیر (پرنسپل، مہتمم) کی اطاعت نہیں کی، اوقاتِ تدریس میں اخبار وغیرہ کا مطالعہ کیا، طلبا کو جرم سے زیادہ سزائیں دے کر ان معصوموں کی بددعائیں لیں۔

خود ناظم تعلیمات یا وائس پرنسپل ہو کر اساتذہ پر ظلم کیا، کڑوی کسیلی باتوں سے ان کی عزتِ نفس کو مجروح کیا، ان کے جائز عذروں کی بھی رعایت نہ کر کے، ان کی تنخوائیں کٹوائیں یا کسی بھی طریقے سے ان کو تکلیف پہنچائی، ان کی تنخواہیں اور ان کی سہولیات کے اضافے میں مانع بنے، جذبہ انتقام کی رعایت کرتے ہوئے انتظامیہ اور عملے کے درمیان جھگڑے کا سبب بنے۔

ان سب ناقدریوں کا نتیجہ مکافاتِ عمل کے طور پر ملتے ہے، آج سے نہیں ہزاروں سال سے یہی ہو رہا ہے اور ہر عبرت کی آنکھ دیکھ رہی ہے اور تاریخ کے صفحات بھرے ہوئے ہیں:

”مَنْ حَفَرَ لِأَخِيْهِ حَفِيْرًا أَوْقَعَهُ اللّٰهُ“ [1]

ترجمہ: ”جو شخص اپنے بھائی کے لئے گڑھا کھودتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو اس میں گراتا ہے۔“

اس کے لئے اہل علم حضرات ”اِتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُوْمِ“ کتاب کا مطالعہ کریں اور عربی نہ جاننے والے حضرات اس کا ترجمہ ”مظلوم کی آہ“ کا مطالعہ کریں۔ جو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ بیت العلم ٹرسٹ کے عالم فاضل مولانا خلیل صاحب فاضل جامعۃ العلوم

[1] تذکرۃ الموضوعات للفتنی: ص۲۰۴، (بیروت)

الاسلامیہ نے ترجمہ کیا ہے اس ڈاک کے پتہ سے منگوائی جا سکتی ہے۔

لہٰذا خلاصہ یہ نکلا کہ ہر استاذ، معلمہ، ناظم، ناظمہ، مہتمم، پرنسپل روزانہ اپنا جائزہ لے کہ ہم اس نعمت کا شکر کر رہے ہیں یا ناشکری۔ اور دونوں کا انجام سامنے رکھیں پھر ان شاء اللہ نکالے جانے پر یا استعفیٰ دینے پر مہتمم، کمیٹی، چیئرمین کی غیبت، ان پر الزام تراشی، بہتان وغیرہ کے گناہوں میں ملوث ہونے کے بجائے توبہ واستغفار کی توفیق ہوگی۔ اور فوراً یا تو معافی نامہ لکھنے کا خیال آئے گا کہ ادارہ کو جو مجھ سے تکلیف پہنچی ہے، اس پر بندہ معذرت کا طالب ہے۔

اور جو ادارہ نے اور انتظامیہ نے مجھ سے امید رکھی تھی، اس پر جو میں پورا نہ اتر سکا تو وہ مجھے کمیاں کوتاہیاں بتلا دی جائیں، آئندہ کے لئے ادارہ کو شکایت نہیں ملے گی اور مجھے ایک اور موقع دیا جائے، یا پھر اس استخارہ اور مشورہ سے اس خط کو جو ملازمت سے سبکدوشی کا دیا گیا تھا اس کو قبول فرما کر کہ طرفین کے لئے عافیت ایک دوسرے سے جدائی ہی کا ہو تو دوسری جگہ کوشش کی جائے گی۔

ہم سب کو یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ نعمت کی ناقدری کا وبال بہت سخت ہوتا ہے، اس لئے نعمت کی ناشکری ناقدری نہ ہو جائے اس کی فکر کرتے رہنا چاہیئے۔

مہتمم ہو یا ناظم، استاذ ہو یا چپراسی، ہر شخص کو ہر حال میں شکر ادا کرتے رہنا چاہیئے، اور جو امورِ مفوضہ ہے اس کو اچھی طرح ادا کرنے رہنا چاہیئے، ورنہ نعمت سلب ہو جاتی ہے یا چھین لی جاتی ہے یا اہل محلہ، کمیٹی، حکومت مخالفت شروع کر دیتی ہے، اس لئے کہ جس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے نعمت دی تھی، اس میں استعمال نہیں ہو رہی۔

اور علماء پڑھے لکھے لوگ، جاننے والے لوگ جب نعمت کی ناقدری کرتے ہیں تدریس کا حق ادا نہیں کرتے، وقت پر نہیں پہنچتے، طلبہ کو خریدا ہوا غلام تصور کیا جاتا ہے تو ان پڑھے لکھوں پر دوگنا عذاب وبال آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت

فرمائے۔

سورۂ احزاب آیت نمبر۳۰ کی تفسیر میں صاحب مدارک فرماتے ہیں:

لِأَنَّ النِّعْمَةَ كُلَّمَا عَظُمَتْ كَانَ كُفْرَانُهَا أَعْظَمَ فِيمَا يُسْتَحَقُّ بِهِ مِنَ الْعِقَابِ إِذْ كَانَ اسْتِحْقَاقُ الْعِقَابِ عَلٰى حَسَبِ كُفْرَانِ النِّعْمَةِ وَلِذَا كَانَ الذَّمُّ لِلْعَاصِي الْعَالِمِ أَشَدَّ مِنَ الْعَاصِي الْجَاهِلِ وَأَنَّ الْمَعْصِيَةَ مِنَ الْعَالِمِ أَقْبَحُ.[1]

وَسَبَبُ تَضْعِيفِ الْعَذَابِ أَنَّ الذَّنْبَ مِنْهُنَّ أَقْبَحُ فَإِنَّ زِيَادَةَ قُبْحِهِ تَابِعَةٌ لِزِيَادَةِ فَضْلِ الْمُذْنِبِ عَلَيْهِ وَتِلْكَ ظَاهِرَةٌ فِيهِنَّ وَلِذٰلِكَ جُعِلَ حَدُّ الْحُرِّ ضِعْفَ حَدِّ الرَّقِيقِ وَعُوتِبَ الْأَنْبِيَاءُ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ بِمَا لَا يُعَاتَبُ بِهِ الْأُمَمُ وَكَذَا حَالُ الْعَالِمِ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْجَاهِلِ فَلَيْسَ مَنْ يَعْلَمُ كَمَنْ لَا يَعْلَمُ.[2]

(علماء اور خواص پر بمقابلہ عوام امت کے گرفت زیادہ سخت ہوگی اور اسی طرح ان کا اجر وثواب بھی عوام سے کہیں زیادہ ہے) اس لئے کہ نعمت جتنی بھی بڑی ہوتی ہے اسی طرح اس کی ناشکری بھی بڑی ہوتی ہے کہ جس میں ناشکری کرنے والے کو سزا بھی اسی حساب سے دی جاتی ہے اس لئے کہ سزا کا مستحق ہونا نعمت کی ناشکری کے بقدر ہوتی ہے، جتنی نعمت بڑی، اس کی ناقدری پر سزا بھی بڑی اسی بنیاد پر یہ بات کہی گئی ہے کہ گناہ نافرمان عالم کا سخت ہوتا ہے جاہل نافرمان کے مقابلے میں اور گناہ کا کسی جاننے والے سے صادر ہونا زیادہ برا۔

اور جاننے والوں کے لئے عذاب کے دوگنا ہوئے۔ سبب یہ ہے کہ گناہ ان سے ہونا زیادہ برا ہے، اس لئے کہ گناہ کی برائی یہ تابع ہے گناہ کرنے والے کی فضیلت کی زیادتی کے اعتبار سے اور اس پر نعمتوں کے ہونے کی وجہ سے اور یہ

[1] ماخذہ تفسیر ماجدی: ۸۴۶/۲ [2] روح المعانی: ۱۸۴/۱۱

چیزیں ان میں ظاہر ہیں اسی وجہ سے آزاد کی حد دوگنی قرار دی گئی غلام کے مقابلے میں اور انبیاء پر ان کاموں کی وجہ سے عتاب کیا گیا کہ جن کاموں پر امت کو عتاب نہیں کیا گیا، یہی حال عالم کا بنسبت جاہل کے ہے اس لئے کہ درجے کے اعتبار سے عالم غیر عالم کے برابر نہیں ہے۔

دوسری گزارش یہ ہے کہ انسان کو چاہیے کہ وہ کسی سے توقع نہ رکھے۔ جب بھی یہ انسان اللہ تعالیٰ کے غیر سے امید باندھ لیتا ہے تو آزمائش میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے اپنے بیٹے کو جو نصیحتیں لکھی تھیں، ان میں ایک یہ تھی:

"وَكِلْ نَفْسَكَ فِي أُمُورِكَ كُلِّهَا إِلَى اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ، فَإِنَّكَ تَكِلُهَا إِلٰى كَهْفٍ حَرِيزٍ وَمَانِعٍ عَزِيزٍ، وَاخْلِصِ الْمَسْأَلَةَ لِرَبِّكَ، فَإِنَّ بِيَدِهِ الْعَطَآءَ وَالْحِرْمَانَ"[1]

تَرْجَمَہ: "اپنے سارے کاموں (سارے مسائل، تمام پریشانیاں) کو اللہ عزوجل کے سپرد کر دو۔ تم نے ایسا کیا تو سارے غموں سے بے فکر ہو جاؤ گے اور جو کچھ مانگنا ہے تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو، اس لئے کہ اسی کے قبضہ میں دینا اور روکنا ہے۔"

اس لئے ادارہ سے، کمیٹی والوں سے، طلبہ سے یہاں تک کہ اپنے بیوی بچوں سے بھی امید نہ رکھیں، کسی قسم کی توقع نہ رکھیں، امید اور خوف صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے رکھیں، نیک کاموں کا بدلہ ان لوگوں سے نہ مانگیں، جس اللہ کے لئے آپ نے ادارہ کی خدمت کی ہے اس کی طرف سے اعلان ہے:

﴿أَنِّي لَآ أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثٰى ج﴾[2]

تَرْجَمَہ: "میں ضائع نہیں کرتا محنت کسی محنت کرنے والے کی، تم میں

[1] مواعظ الصحابۃ: ص۱۳۵ [2] سورۃ آل عمران: آیت ۱۹۵

سے مرد ہو یا عورت ہو۔"

یعنی جب کسی عمل کرنے والے کا چھوٹا موٹا عمل بھی رایگاں نہیں جاتا تو مردان خدا کا تو پوچھنا ہی کیا۔[1]

لہٰذا ہمیں یقین رکھنا چاہیے کہ جو ہم نے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے محنت کی ہے، وہ ضرور قبول ہوگی اور اس کا اجر ہمیں دنیا وآخرت دونوں میں ملے گا۔

اسی طرح یہ بھی یقین رکھنا چاہیے کہ مہتمم، پرنسپل، کمیٹی یہ سب محتاج ہیں فقراء، ہیں۔

محتاج اور فقیر دوسرے محتاج کا کیا مسئلہ حل کرے گا۔ یہ حقیقت آپ کو ماننا ہوگی کہ یہ دنیا والے کسی سے اتنی وفا بھی نہیں کرتے جتنا کوئی پرندہ کسی ہری بھری شاخ سے یا کوئی جانور کسی چراگاہ سے۔ وفا کی ضامن اور باقی رہنے والی محبت صرف اللہ اور اس کے رسول کی ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ زندگی ہمیں بہت بڑے مقصد کے لئے دی ہے، ہماری زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا اور اس کے دین کو اپنی اور دوسروں کی زندگیوں میں لانے کی کوشش کرنا ہے، اس زندگی کے ایک ایک لمحے کا ہمیں بروز قیامت حساب دینا ہوگا، اس زندگی کا ایک ایک سیکنڈ آخرت کی کروڑوں، اربوں کھربوں بل کہ لامتناہی زندگی پر اثر انداز ہو رہا ہے، اسے خوشگوار یا ناگوار بنا رہا ہے۔

لہٰذا ایسی قیمتی زندگی، ایسا قیمتی وقت اور اپنے قیمتی دل کو اللہ تعالیٰ کے غیر کے حوالے کرنا بڑی حماقت ہے، یہ آخرت ہی کی بربادی نہیں، دنیا کی بھی تباہی کا ذریعہ ہے۔

کسی ادارے سے نکال دیئے جانے کے بعد، کمیٹی ...... پرنسپل ...... انتظامیہ ...... کے خلاف تشہیر کرنا، انتقام لینے کی فکر کرنا، غیبتیں کرنا ...... وغیرہ امور میں اپنا

[1] معارف القرآن: ۱۲۱/۲

وقت ضائع نہ کریں ہرگز ہرگز کسی فتین کی بات نہ مانئے، جو کام جو قربانیاں آپ نے ادارہ میں اللہ کی رضا کے لئے کی ہیں، اس پر اللہ تعالیٰ آپ کو ضرور اجر عطا فرمائیں گے، مایوس نہ ہوں، بندوں سے انتقام لینے کی فکر نہ کریں، ہاں اپنا جائز حق جو مطلوب ہو، اس حق کے لئے درخواست دے دیں، اگر انتظامیہ حق نہیں دیتی تو دعائیں مانگتا رہے، لیکن علم کے مقدس وقار کو ہر حال میں خیال رکھے۔

اللہ کا نام لے کر اسے راضی کرنے کے لئے کچھ کرنے کا جذبہ لے کر اٹھ کھڑے ہوں، کسی اللہ والے عالم سے رہنمائی بھی لیتے رہیں۔ خود کو اعلیٰ مقاصد کے لئے اتنا تھکا دیں کہ تلخ ماضی کا خیال بھی نہ آنے پائے، شاہین کی بلند پروازی کو باغ کے پھولوں کا حسن یا زمین پر بکھرے ہوئے کانٹے نہیں روک سکتے۔

رجوع الی اللہ

ملازمت سے سبکدوش ہونے کی صورت میں منفی سوچ میں نہ رہیں یہ آپ کے لئے نقصان دہ ہے، بل کہ رضاء بالقضاء ہوکر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف رجوع کریں۔ اللہ تعالیٰ کوئی نہ کوئی بہتر حل ان شاء اللہ نکال دیں گے۔

حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ نے ایمان کی جو دولت اور اسلام کی جو نعمت انسان کو عطاء کی ہے اس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ انسان پر اس کے بے شمار انعامات ہیں۔ جنہیں بلاشبہ ہم اپنے احاطۂ حساب میں لانے کی قدرت نہیں رکھتے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ارشاد ہے: "اگر تم اللہ کی نعمتوں کا حساب لگانے بیٹھو تو (اپنے ارادہ کی تکمیل سے عاجز آکر) ان کا حساب کتاب نہیں کر سکو گے" ...... ان بے حساب انعامات میں "اسلام" سب سے بڑی نعمت اور سب سے عظیم دولت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اپنے خالق و رازق کی ذات کے تعارف کا ایک ناگزیر وسیلہ ہے۔ اس کے بغیر اللہ تعالیٰ کی

معرفت کا حصول ناممکن ہے۔ اس نعمت کے قبول کر لینے سے انکار و اعراض کے نتیجہ میں جو لوگ اللہ تعالیٰ کی معرفت سے محروم ہیں، ان کی بدقسمتی کی کوئی حد نہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دوری اور دین سے مجبوری مصائب و آلام میں مزید اضافہ کا سبب بنتی ہے۔ ہمارے دین و مذہب میں اس بحران سے نکلنے کا صرف ایک ہی علاج ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے دست کش ہو جائیں، اس کے ساتھ تعلق جوڑ کر اسلام کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں۔

جب اللہ کی یاد سے غفلت، اور گناہ بکثرت ہوں تو اس کا وبال مصیبتوں اور پریشانیوں کی صورت میں آپڑتا ہے۔ دل بے چین رہتا ہے، کسی پل چین نہیں آتا، قرار حاصل نہیں ہوتا، ایک بے کلی کی سی کیفیت طاری رہتی ہے جسے نہ دواؤں سے رفع کیا جا سکتا، نہ دنیاوی جاہ و جلال سے، نہ دولت کے انبار اور سہولتوں و آسائشوں کے ہجومِ کار سے۔ بس اللہ کی طرف رجوع و انابت اختیار کی جائے کہ ہر درد کا درماں اسی میں ہے اور ہر مرض کا علاج اسی کی بارگاہ میں۔ وہ خود کہتا ہے اگر تم ایک بالشت میرے قریب آؤ تو میں ایک ہاتھ آگے بڑھوں۔" وہ خود کہتا ہے تم مجھ سے مانگو تو تمہاری مرادیں پوری کر دوں۔

لیکن آج پوری امتِ مسلمہ پر غفلت کی مہیب چادر پھیلی ہوئی ہے، جس کے نام لیواؤں کو اس بے ثبات دنیا کی ہنگامہ خیزیوں کی وجہ سے دین کی لازوال تعلیمات پڑھنے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع اختیار کرنے کے لئے فرصت نہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہمارا حال امم سابقہ کی طرح ہوتا جا رہا ہے، جو دنیا کی لذت کشی اور لطف اندوزی میں بدمست ہو کر خدا کو بھول گئیں تو ان سے زمین کی سیادت سلب کر لی گئی، انہیں خطرات نے آ گھیرا اور مصیبتیں اور پریشانیاں اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ ان پر برس پڑیں۔ یوں انہیں اپنے کئے دھرے کا مزہ دنیا ہی میں چکھنا پڑا۔ امتِ مسلمہ کی موجودہ صورتِ حال کا سابقہ امم سے موازنہ کیا جائے تو

دونوں کے درمیان ان کے اعمالِ بد کے نتیجہ میں دی گئی سزاؤں، بربادیوں اور تباہ حالیوں کے لحاظ سے کئی مماثلتیں سامنے آتی ہیں۔ آج کے مسلمان انفرادی اور اجتماعی سطح پر اندر سے ٹوٹ پھوٹ، اختلاف و انتشار اور تشتت و افتراق کا شکار ہے۔

اگرچہ زندگی کے معمولات کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے آج مختلف زاویوں اور مختلف پہلوؤں سے تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں۔ مسلمانوں کو دین سے قریب لانے کے لئے علماءِ ربانیین نے دنیا بھر میں مدارس و جامعات اور دینی قلعوں کا نیٹ ورک قائم کیا ہے۔ تبلیغ کی محنت اور جدوجہد بھی قابلِ قدر ہے۔ اہلِ ثروت میں سے بیشتر مخیّرینِ اسلام اللہ کی راہ میں اپنا سرمایہ صرف کر رہے ہیں۔ اس کے باوجود نتائج سود مند نہیں۔

مختلف حوالوں سے جاری جدوجہد کے جن ثمرات کے برآمد ہونے کی توقع اور امید تھی، مسلمانوں کے کردار اور قول و عمل کے مظاہر میں ان کا پرتو نظر نہیں آتا۔ اس کی کلیدی اور بنیادی وجہ یہ ہے کہ انابت الی اللہ اور تعلق مع اللہ میں غیر معمولی کمی ہے۔ نتیجتاً اپنی حاجت براری کے لئے بارگاہِ ایزدی میں دستِ سوال دراز کرنے اور اپنی کوتاہیوں پر استغفار اور توبہ کرنے کے نیک عمل کے لئے دل آمادگی ظاہر نہیں کرتا۔ اس لئے کہ اس پر غفلت و شقاوت کی دبیز تہیں جم چکی ہیں۔

ہم مسلمانوں کی رہبری کے لئے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا اُسوہ ہی کامیابی کا ضامن ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مبارک اپنی نگاہوں کے سامنے رکھیں۔ اگلی پچھلی کوتاہیوں کی معافی کی نوید سنانے کے باوجود آپ کی شب زندہ داری اور آہِ سحر گاہی میں کمی نہیں آئی۔ پوری رات عبادت میں مشغول رہتے۔

روایت میں آتا ہے کہ نماز اس قدر طویل فرماتے کہ پاؤں میں ورم آ جاتا۔ آپ کو جو کامیابیاں اور کامرانیاں عطا کی گئیں اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ آپ ہر مشکل کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ فرماتے اور اس قدر گڑگڑا کر روتے کہ صحابہ کرام

رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ترس آنے لگتا۔ غزوۂ بدر کے اعصاب شکن ماحول میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی رقت آمیز دعا فرمائی کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی ترس آیا۔ عرض کی "حَسْبُكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ"، بس کریں بس کریں یا رسول اللہ! اتنا کافی ہے۔ آپ زار و قطار روتے رہے اور اللہ سے مانگتے رہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انابت اور رجوع کا تو یہ حال تھا، لیکن ان کے نام لیوا امتیوں کے لئے آج دعا ایک رسم بن گئی ہے۔ انہماک اور استغراق کی وہ کیفیت باقی نہ رہی جو دعا کی قبولیت کے لئے شرط ہے۔ پوری امت ذلت وخواری میں مبتلا ہے۔

حالاں کہ یہ ذلت وخواری یہود کے حصہ میں آنی چاہیے تھی۔ قرآن میں تو یہود کے بارے میں آیا کہ وہ اللہ کے غضب میں مبتلا ہیں، جس کے سبب وہ ذلت و خواری کی زندگی بسر کریں گے، لیکن آج صورت حال اس کے برعکس ہے۔ ذلت و خواری ہمارا مقدر بنی، اس لئے کہ ہم نے ادھورے مسلمان رہنے کو ترجیح دی۔ اپنی حالت بدلنے اور مؤمن کامل بننے کی کوشش نہیں کی۔ ہمارے اعمال رسم بن گئے ہیں، ان میں نفسانیت آگئی ہے۔

ہمارے اسلاف کے لئے اللہ تعالیٰ نے دین پر چلنا نہایت سہل بنا دیا تھا، کیوں کہ انہوں نے محنت ومشقت کر کے اپنے اندر فنائیت للہ کی صفت پیدا کی تھی۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہما اللہ تعالیٰ کے صاحبزادے بالترتیب محمد احمد اور حکیم مسعود احمد، حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مقیم تھے۔ محمد احمد ان کے شاگرد اور حکیم مسعود ان کے مرید تھے، شیخ الہند رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو چارپائی پر بٹھایا اور خود زمین پر تشریف فرما ہوئے۔ اسی مجلس میں آپ نے ان سے فرمایا: محمد احمد! آپ میرے استاذ کے صاحبزادے ہیں اور حکیم مسعود احمد میرے مربی کے بیٹے ہیں، میں نے آپ کا حق ادا نہیں کیا۔

آپ سے معذرت چاہتا ہوں، اگر آپ کے والدین میرے رویہ کے بارے میں دریافت کریں تو خدا کے لئے میری رعایت رکھنا اور مجھے رسوا نہ کرنا ......، اپنے شاگردوں کے ساتھ ادب واحترام کی انتہا!! سبحان اللہ! اس کی ایک ہی وجہ تھی، ان کا دل اللہ کی معرفت سے معمور تھا۔ وہ فنا فی اللہ تھے، انہیں اپنی حیثیت معمولی اور ہیچ نظر آتی تھی۔ ہمارے ہاں یہ کردار اور یہ عمل ناپید ہے۔ قابلیت اور لیاقت اور زبان کی جادوگری کا طلسم تو ہر طرف چھایا ہوا ہے، لیکن اندر سے کھوکھلے ہیں، دل اللہ کی معرفت سے خالی ہیں۔

معرفتِ الٰہی کے حصول کے لئے اہل اللہ کی مجالس میں پابندی سے حاضری اور ان کی صحبت اختیار کرنا ضروری ہے۔ گناہوں کے ارتکاب سے اجتناب واستغفار کا اہتمام سے التزام کیا جائے اور اپنے ظاہری اور باطنی اعمال اور امور میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کا اہتمام کیا جائے کہ جو کچھ ملتا ہے، وہیں سے ملتا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے، اسی کے حکم سے ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔[1]

مہتمم (پرنسپل) صاحبان

ہمیں چاہیئے کہ ہم ظلم کرنے سے بہت ہی زیادہ بچنے کی کوشش کریں، ہماری طرف سے کسی استاذ، کسی خادم، کسی طالب علم، کسی والد، پر کسی قسم کا بھی ظلم نہ ہو حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک گورنر کو خط میں لکھا:

"أَمَّا بَعْدُ فَقَدْ أَمْكَنَتْكَ الْقُدْرَةُ مِنْ ظُلْمِ الْعِبَادِ، فَإِذَا هَمَمْتَ بِظُلْمِ أَحَدٍ فَاذْكُرْ قُدْرَةَ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَاعْلَمْ أَنَّكَ لَا تَأْتِيْ إِلَى النَّاسِ شَيْئًا إِلَّا كَانَ زَائِلًا عَنْهُمْ بَاقِيًا عَلَيْكَ

[1] بشکریہ ماہنامہ "الوفاق"

وَاعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَخَذَ لِلْمَظْلُوْمِيْنَ مِنَ الظَّالِمِيْنَ، وَالسَّلَامُ"۔[1]

ترجمہ: "حمد وصلوۃ کے بعد تمہیں بندوں پر ظلم کرنے کی قدرت حاصل ہوگئی ہے، لیکن جب بھی کسی شخص پر ظلم کرنے کا ارادہ کرو تو یہ سوچ لیا کرو کہ اللہ تعالیٰ کو تم پر کتنی قدرت حاصل ہے! اور یاد رکھو کہ تم عام لوگوں پر جو آفت بھی مسلط کرو گے وہ ان سے تو ایک نہ ایک دن ٹل جائے گی، لیکن تمہارے اعمال نامے میں ہمیشہ باقی رہے گی۔ اور یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ ظالموں سے مظلوموں کا حق لے کر رہے گا۔ والسلام۔[2]"

کسی کی صلاحیت اور قابلیت سے فائدہ اُٹھانا اس کی صلاحیتوں کے معترف (اعتراف کرنے والا) ہونے کی بھی دلیل ہے، کوئی بھی پرنسپل یا ادارے کا بڑا کسی استاذ/ استانی کو ہائی لیول کی کلاس ذہین اور قابلِ استعداد طلبہ کا گروپ اونچے معیار کی کتاب پڑھانے یا سمجھانے کے لئے ایسے ہی نہیں دے دیتا، بل کہ اپنی گوہر شناس طبیعت ہی کی وجہ سے کسی استاذ یا کسی شخص کو اس کام کا اہل سمجھ کر ہی دیتا ہے کہ اس میں وہ اس قابلیت کو پاتا ہے، اب یہ بات ان استاذ اور استانی پر رہ جاتی ہے کہ وہ اس ذمہ داری کو کس درجہ پورا کرتے/ کرتی ہیں۔

گاہے گاہے یوں ہوتا ہے کہ جب اچھی پڑھائی کا چرچہ ہوتا ہے تو ان استاذ/ استانی کے اردگرد طلبہ/ طالبات کا اکثر مجمع بھی لگا رہتا ہے، دارالمطالعہ یا لائبریری میں، کھانے پینے کے وقفے میں بھی یہ شاگرد، ان قابل شخصیت سے مختلف سوالات کے جوابات اور کسی کتاب کا کوئی حل نہ ہونے والا مضمون یا اس کے کچھ جملوں کی تفسیر اور تفصیل یا تشریح پوچھتے رہتے ہیں۔

[1] احیاء العلوم للغزالی، بحث توبہ: ٥/٤

[2] ماخوذ از تراشے: ص ۱۰۶

یہ سب باتیں اور امور ادارے کا بڑا خود بھی مشاہدے میں رکھتا ہے اور اپنے باقاعدہ تنخواہ دار مخبروں (خبر دینے والوں) کے ذریعہ ملنے والی خبر سے بھی اس کو 90% (نوے فیصد) تو اندازہ ہوتا ہی ہے کہ میرا مقرر کیا ہوا ٹیچر کس بلند معیار پر پہنچ رہا ہے اور خواہ اسکول، کالج اور ادارے اور جامعہ کی حد تک ہی سہی، مرجع الخلائق بن رہا ہے (یعنی جس کی طرف لوگ مائل ہو رہے ہوں) خود وہ پرنسپل اور مہتمم صاحب بھی اس پر اس درجہ میں تو خوش رہتے ہیں کہ ان بچوں/ شاگردوں کے ذریعہ ان کے دوسرے ہم پیالہ وہم نوالہ لڑکوں/ لڑکیوں عزیزوں رشتہ داروں میں اور دوسرے اسکولوں کے طلبہ میں بھی یہ بات پہنچے گی کہ فلاں اسکول یا ادارے میں فلاں مضمون کے استاذ/ معلّمہ وغیرہ، بڑی صلاحیتوں کے حامل ہیں، کتاب بہت اچھی طرح سمجھاتے/ سمجھاتی ہیں، اشکالات کے جوابات بھی اطمینان بخش دیتے ہیں۔ بڑی بھاری کتاب سالانہ امتحان سے بھی کچھ ماہ قبل آسان طریقوں پر پوری کرادیتے ہیں اور پھر ضروری مضامین کی اس طرح راہنمائی کر دیتے ہیں کہ امتحانات کے جوابات بھی آسان ہوجاتے ہیں۔

دوسرا یہ ہوتا ہے کہ ان مذکورہ استاذ/ استانی سے خوش ہوکر صرف پڑھائی کی حد سے بڑھ کر بھی ان استاذ/ استانی کو مزید بھی کوئی اہم ذمہ داری دے دی جاتی ہے کہ طلبہ/ طالبات کا فلاں .... فلاں اور فلاں اعتبار سے بھی اب آپ ہی کو خیال رکھنا ہے، مثلاً کمزور بچوں کو الگ سے وقت دینا ہے، یا کسی نفسیاتی الجھن یا گھریلو آزمائش کا شکار طالب علم/ طالبہ سے صحیح پڑھائی نہیں ہو پا رہی تو اس کا مناسب حل پیش کرنا ہے، تاکہ وہ ان نامناسب حالات کے پیش آنے کے باوجود اپنی صلاحیت اور قابلیت کو زنگ آلود ہونے سے بچائیں۔

اب ادھر یہ استاذ/ استانی بھی خوش کہ میں ادارے کے بڑوں کو اس قدر منظورِ نظر ہو چکا/ چکی ہوں کہ پڑھائی کے علاوہ بھی ڈھیروں اہم ذمہ داریاں مجھے مل رہی

ہیں۔ جب کسی شاگرد/ شاگردہ کی طرف سے نظم ونسق کی شکل دیکھنا ہو کہ اس شاگرد/ شاگردہ کو مہتمم کے سامنے بار بار پیش کرنے لے جانا، یا وہ نہیں سدھر رہا تو اس کے والدین کو مطلع کرنا وغیرہ، جیسے امور میں لگنا.... گویا اب یہ مذکورہ استاذ/ استانی اپنے منصب اور ذمہ داری اور بہترین کارکردگی (یعنی بہترین پڑھائی کرانا اور دیگر ذمہ داریاں بھی علی وجہ الکمال بنانے) کی وجہ سے اس ادارے کا ایسا چڑھتا سورج ہو جاتے ہیں کہ طلبہ اور غیر تدریسی عملے کے افراد (معمولی کام انجام دینے والے) تو ایک طرف بسا اوقات خود حضرت پرنسپل اور مہتمم صاحب بھی اس کی ہر بات بغیر تصدیق کے بات مان لیتے ہیں۔

طلبہ وطالبات کو کوئی مشکل ہو تو ہر بات پر ایک ہی اعلان ہوتا ہے کہ فلاں استاذ یا معلّمہ سے رابطہ کر لو جیسے وہ کہے ویسا کر لو............

محترم پرنسپل صاحبان اور دینی یا دنیوی تعلیمی اداروں کے ذمہ داران......! ہم نے یہ سارا نقشہ گذشتہ سطور میں کیوں کھینچا ہے؟ آپ نے غور فرمایا کہ یہ سب ہو رہا ہے، ہمارے بعض تعلیمی اداروں میں چلیں یہاں تک بھی گزارہ ہو گیا، گاڑی گھسٹ بھی گئی۔ مگر اب کیا ادارے ہی کے کسی دوسرے شخص استاذ مولانا، استانی، معلّمہ، ہاتھ بٹانے والے/ والی، نائب مہتمم کو وسوسہ آیا کہ ہائے یہ کیا؟ منصب تو میرا اونچا سرکاری کاغذات میں بھی اور فلاں منصب کی شہرت زبان زد عام ہونے کی بنا پر بھی مگر یہ فلاں/ فلانی مہتمم/ میڈم کے لئے اتنا یا اتنی نور نظر کیوں ہو رہا/ رہی ہے۔

یہ پرنسپل کا دائیں بازو کیوں بن گیا/ گئی، یہ کہیں میرے منصب تک تو پہنچنے کی تیاری نہیں......اب خدشات اور وساوس اور خطرات اور دل ہلانے والے خیالات کا ختم نہ ہونے والا سلسلہ چل پڑا، اب اسی اُدھیڑ بن میں لگ گئے، یہ نائب مہتمم صاحب یا وائس پرنسپل صاحبہ کہ فلاں کو ایسا کیوں چڑھا دیا گیا ہے کہ خود میرے قدموں کے نیچے کی دری کھسکنے لگی۔

اب کہیں اس کا کمزور پہلو اور اس کا (قصور) پکڑواتا/ پکڑواتی ہوں...... پھر اصل مہتمم سے ایک مشورے کی مجلس رکھی اور ایسا کوئی کام اس قابل استاذ/ استانی کے ذمہ لگانے پر بھرپور زور دیا کہ جو اس وقت اس سے نہ سنبھل پاتا اس کو زبردستی کرنے کو کہا اور (مثلاً) اس سے کچھ کوتاہی ہو ہی گئی تو رائی کا پہاڑ بنا کر ڈھنڈورا پیٹنا شروع کیا کہ دیکھا اس فلاں/ فلانی کو آپ نے کیا بنا رکھا تھا، ان کی حقیقت تو یہ ہے اب ایسا پس انداز کرنا شروع کیا، ایسا مقام سے نیچے گرانا شروع کیا کہ کچے کان کے مہتمم، ہیڈ ماسٹر بھی سارے پہلوؤں کا مکمل جائزہ لئے بغیر اُس آفتاب ماہتاب میں سینکڑوں داغ دھبے دکھوانے اور گنوانے لگے۔

ہماری اپنی بھی کوئی رائے ہے یا نہیں؟ اُس وقت ہم غلطی پر تھے جب اتنے منصب اس کو دیئے تھے یا اب غلطی پر ہیں؟

جب ایسا نظر انداز کیا ہے کہ جیسے اس شخصیت کے کوئی احسانات ہی نہیں ہیں اس ادارے پر، ان بچوں ہی سے پوچھ لیں، جن کو اس کی ذات سے فائدہ ہو رہا تھا شاید "گھر والے ہی کی گواہی" ہماری آنکھیں کھول دے جتنا بڑا آپ کا منصب ہے، اتنا بڑا اور وسیع قلب اور ذہن بھی تو رکھیں، بڑے لوگ اوروں کو چلاتے ہیں یا دوسرے لوگ ان بڑوں کو چلاتے ہیں مہتمم...... پرنسپل...... ڈائیریکٹر......حضرات کو کانوں کا اتنا کچا تو نہیں ہونا چاہیے۔ چلیں کان میں غلط بات پڑ بھی جائے تو آنکھوں دیکھی حقیقت جھٹلانے کے کیا معنی، آج اس قابل استاذ/ استانی کی ساری صلاحیتوں کا اعتراف کہاں گیا؟

یا تو یہ اعتراف کرنا ہوگا کہ وہ سابقہ اعتراف غلط تھا، یا یہ اقرار کرنا ہوگا کہ اب اس کو راندۂ درگاہ کرنے کا طرز عمل غلط ہے، کہیں تو ہم (یعنی ذمہ دار لوگ) بھی قصور والے ہو ہی گئے، خوب سمجھ لیں کہ یہ اعتراف ہوگا اس بات کا کہ ہم میں یہ کوتاہی ہے کہ ہم بلا استحقاق کسی کو اچھا منصب بغیر استخارہ و استشارہ کہ سپرد کر دینے کی بھول

کرسکتے ہیں تو اب کیا اطمینان کہ جس کو ادارے کا نائب مہتمم، ناظم، کورڈینیٹر بنایا ہوا ہے، جس کے کہے میں آکر نہ جانے دینی اور دنیوی صلاحیتوں والے کن کن اساتذہ کرام اور قابل استانیوں کو ہم چٹکیوں میں اڑا رہے ہیں، جلد یا بدیر سہی کیا معلوم یہ بات ہمارے سامنے آئے کہ ہمارا یہ انتخاب بھی غلط ہے، پھر پچھتانا پڑے کہ جس کو اپنا قائم مقام بنایا تھا، یا جس کو ناظم بنایا تھا اُس نے رُسوا کردیا اُسی نے مجھے ورغلا کر کتنوں کو دُکھ دلوائے کس کس کی ہائے لگوائی، میری آنکھوں پر ایسی پٹی باندھی کہ میں اس انجان نابینا کی طرح ہوگیا جو چوں کہ خود چراغ کی روشنی نہیں دیکھ سکتا تھا تو جہالت میں اُسی چراغ کو پھونکیں مار مار کر "بجھا رہا تھا" تو خدائے پاک نے وہ چراغ ہی یہاں سے اُٹھوا کر وہاں رکھوا دیا، جہاں اُس روشنی اور اُن کرنوں کی قدر ہے، جہاں اس سے فائدہ اُٹھانے والے موجود ہیں، اب یہ نابینا لاکھ اُچھلے کودے کہ آہا! چراغ بجھا دیا ہٹا دیا، تو یہ حقیقت نہ ہوگی بل کہ حقیقت یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ناقدری کی وجہ سے اور چراغ کی توہین کی وجہ سے تمہیں ہی چراغ سے محروم کردیا۔

"اَللّٰهُمَّ احْفَظْ جَمِيْعَ إِخْوَانِنَا وَأَخَوَاتِنَا مِنْ هٰذِهِ الْبَلِيَّةِ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنْهُمْ يَا كَرِيْمُ"

محترم مہتمم صاحبان، اسکولوں کے ڈائریکٹر صاحبان، پرنسپل صاحبان، اور مساجد کی کمیٹی کے ارکان! مردم شناسی سیکھیں، اپنی رائے اور سوچ رکھیں حقیقت شناس بنیں، صلاحیت والوں کو ٹھوکریں نہ ماریں اور پھر یہ شکوہ نہ کریں کہ کام کے لوگ نہیں ملتے اور صلاحیت والے نہیں ملتے۔ قحط الرجال ہوچکا ہے (یعنی ذہین افراد نہیں ہیں) حقیقت بالعموم کبھی مانی نہیں جاتی، حقیقت خود کو منوا لیتی ہے، پھر کسی پس وپیش کی گنجائش نہیں رہتی، اے پرنسپل صاحبان! عملہ آپ کی کئی باتیں سہہ لیتا ہے آپ کے ٹیکس کی ادائیگی کے معاملے کی وجہ سے کتنے اساتذہ کرام کو بعض مرتبہ اصلی تنخواہ مثلاً ساڑھے تین ہزار روپے Rs.3500 ماہوار کی بجائے ساڑھے آٹھ ہزار

Rs:8500 والے جھوٹے واؤچر پر دستخط کرنے پڑتے ہیں، آپ مزدوروں کے لئے طے شدہ قوانین کے خلاف بھی بعض چھٹیوں کے پیسے ناحق بچاتے ہیں، آپ کے ادارے میں (مثلاً ماہ رمضان کی طے شدہ تعطیلات) اور اسکولوں میں (جون جولائی کی طے شدہ تعطیلات) کے سوا کوئی کیسی ہی مجبوری میں ہنگامی چھٹی کرے، اُس پر بھی بسا اوقات آپ اس کی تنخواہ کاٹتے ہیں، کیا اللہ تعالیٰ کا سارا نظام بھی (معاذ اللہ) آپ کے ادارے کے قوانین کے تابع ہوگیا، کسی کے عزیز کی بیماری، یا موت یا خود اس ملازم کی اچانک شدید بیماری یا گھریلو نوعیت کی شدید مصروفیت کسی کو نہیں پیش آسکتی سوائے جون جولائی یا رمضان شعبان کی طے شدہ چھٹیوں کے؟

کیا کسی استاذ یا استانی کو کوئی مجبوری پیش نہیں آسکتی؟

خود کو اس ملازم کی جگہ رکھ کر سوچیں کہ کیا کبھی کوئی بے قراری والی ایسی نوعیت سامنے نہیں آسکتی کہ کوئی ہنگامی چھٹی لینی پڑے، سوچیے! کہ اس طرح انسانوں کی ناقدری، پھر مسلمانوں کی ناقدری پھر ان میں مسلمانوں کے شرفاء وکرماء اساتذہ و معلّمات کی ناقدری کہ دُودھ میں گری مکھی کی طرح جب چاہا نکال کر باہر پھینک دیا تو مکافاتِ عمل کے طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھر ناگواری کے حالات نہیں آئیں گے تو اور کیا ہوگا؟

پھر وہ قادرِ مطلق جس کے یہاں دیر تو ہے اندھیر نہیں، دل بے چین کردینے کی عجیب وغریب سزا دیتا ہے یعنی ضروری نہیں کہ وہ منصب اور اسباب راحت چھین لے، بل کہ وہ ساری کائنات کا بادشاہ پھر اس سوا پانچ فٹ کے بدن کے بادشاہ یعنی "دل" کی پکڑ کرتا ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ کسی ملک کا بڑا جب دوسرے ملک پر حملہ کرتا ہے اور مع فوج اور اسلحہ کے اندر گھستا ہے تو وہاں کے بڑوں پر پہلے ہاتھ ڈالتا ہے، تاکہ رعایا بے بس ہو جائے، ایسے ہی دل پورے بدن کے بادشاہ کی طرح ہے، جب بگڑتا ہے تو

کائنات کا بادشاہ یعنی اللہ پاک پہلے اس نافرمان باغی بادشاہ "دل" کو جکڑتا ہے اور اس بے چینی کا پھر کہیں علاج نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہوش کے ناخن لیں حقیقت فراموش نہ بنیں، اپنے منصب کی لاج رکھیں اور خدا کی مرضی دیکھ کر چلیں اور فکرِ آخرت رکھنے والوں سے مشورہ کرلیں۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ.

لہٰذا مؤدبانہ گزارش ہے کہ اساتذہ کی قدر کریں، جس استاذ میں جو بھی جوہر ہو اس کی قدر کریں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بنیاد بنا کر ان کو چلتا نہ کریں اور جو بڑے بڑے فوائد ان کی ذات سے حاصل ہوسکتے ہیں اس سے نئی نسل کے نونہالوں کو محروم نہ فرمائیں۔ کسی استاذ کو یہ موقع ہی نہ دیں کہ وہ دوسرے استاذ کی آپ کے پاس آکر غیبت کرے، یا ان کے چھوٹے چھوٹے عیوب بار بار پرنسپل صاحبان کو بتلا کر اس سے بدظن کرے، اور اساتذہ سے درخواست کریں کہ کسی کا کوئی عیب سامنے آئے تو اخلاقی تعلیمات کے موافق تین کام کریں۔

① دو رکعت نفل پڑھ کر دعا مانگیں کہ اے اللہ! فلاں بھائی / بہن میں یہ عیب ہے اس کی اصلاح فرما دیجئے، یہ عیب طلبہ / طالبات / ادارے کے لئے نقصان دہ ہے، اس کو دور فرما دیجئے، اسی طرح فرض نمازوں کے بعد بھی دعا کیجئے۔

② بغیر نام لکھے ان ہی صاحب کو خط یا پرچی لکھ دیں کہ مثلاً جناب تاخیر سے آتے ہیں، جس سے یہ نقصان ہوتا ہے وغیرہ

③ اللہ تعالیٰ کے سپرد فرما دیں، کیوں کہ دنیا کی اصلاح مکمل طور سے ہوجانے کا ٹھیکہ ہم نے اور آپ نے نہیں لیا۔

اس طرح مہتمم صاحبان کا اگر کسی سے مزاج نہیں بنتا تو ضروری نہیں ہے کہ پھر اس شخص کو ادارے میں ضرور ہی رکھیں مثلاً کتنا ہی قابل شخص ہو، لیکن اگر وہ امیر کی اطاعت نہیں کرتا تو ایک ادارے میں دو امیر نہیں چل سکتے، پھر اس قابل شخص کو چاہیئے کہ وہ خود ہی دوسرے ادارہ کا مہتمم بن جائے، اس ادارے

میں رہ کر فساد نہ مچائے۔

ہاں مہتمم صاحب ان کی جائز رائے پر ضرور غور فرمائیں، اپنی رائے بعض اوقات ختم کرنی پڑے تو اس سے بھی گریز نہ کریں کہ ایک قابل شخص ہمارے ہاتھ سے نہ جائے، لیکن پھر بھی اتحاد و اتفاق نہ ہوسکے تو ان کو ادارے سے نکالنے سے پہلے خوب اچھی طرح استخارہ کریں، کم از کم تین دن یا سات دن تک استخارہ کریں پھر مشورہ کریں خوب ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بعد اگر یہی فیصلہ کرنا ہے کہ اب ﴿هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ﴾[1] کے اصول پر عمل کرنا ہے کہ اب جدائی ہی بہتر ہے۔ تو احسن طریقے سے جدائی اختیار کی جائے اور اس کے لئے تین تدبیریں اختیار کی جائیں۔

① سال کے بیچ میں نوٹس نہ دیا جائے۔ سال کے اخیر میں چھٹیوں کی تنخواہ کے ساتھ نوٹس دیا جائے، تاکہ دو ماہ کی چھٹیوں میں وہ اپنے مناسب حال اگلا لائحہ عمل بنا سکیں۔

② خوب حوصلہ افزائی کی جائے کہ جناب کی جو بھی خدمات ادارے کے لئے ہیں وہ ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی، جناب کے لئے صدقۂ جاریہ رہیں گی، ہم سب اس کے معترف ہیں، اب شدید مجبوری کی بنا پر مزاج نہیں مل سکتا، لہٰذا اب ہم معذرت خواہ ہیں۔

③ ادارہ صاحبِ حیثیت ہو تو دل جوئی کے لئے ان کے گذشتہ سالوں کی خدمات کے بقدر کوئی ہدیہ یا تحفہ دے دیں یا کمیٹی اور شوریٰ کے ممبران کے مشورے سے یا مخیّر حضرات کو ترغیب دلا کر اُن پر کوئی ایسا احسان کر دیا جائے کہ ان کا دل نہ ٹوٹنے پائے اور اسی محبت کے ساتھ ساتھ دوبارہ ملتے جلتے رہیں اور آپس میں یہ معاہدہ ہوجائے کہ طرفین اب کسی تیسرے شخص کی بات پر کان نہیں

[1] سورۃ الکہف آیت ۷۸

داری سپرد کی گئی، ہو پھر اس نے کوئی عہدہ کسی شخص کو محض دوستی و تعلق کی بنا پر بغیر اہلیت معلوم کیے ہوئے دے دیا اس پر اللہ کی لعنت ہے، نہ اس کا فرض مقبول ہے نہ نفل، یہاں تک کہ وہ جہنم میں داخل ہو جائے۔“[1]

بعض روایات میں ہے کہ جس شخص نے کوئی عہدہ کسی شخص کے سپرد کیا، حالاں کہ اس کے علم میں تھا کہ دوسرا آدمی اس عہدہ کے لئے اس سے زیادہ قابل اور اہل ہے تو اس نے اللہ کی خیانت کی اور رسول ﷺ کی اور سب مسلمانوں کی۔[2]

آنے والوں کا اکرام کرنا چاہیئے

جو بھی شخص مدرسہ/ اسکول میں آئے اس سے بشاشت سے ملیں، پانی پلائیں اور جو ممکن ہو اکرام کریں اس سے آنے والے کے دل میں آپ کے لئے محبت پیدا ہوگی اور اس سے ادارہ کی عظمت و وقار ان کے دل میں پیدا ہوگا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ: حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھ کر انہوں نے وہ تکیہ حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے رکھ دیا۔

حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) نے سچ فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: اے ابوعبداللہ! اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کا وہ فرمان ذرا ہمیں بھی سنائیں، حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ایک مرتبہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ ایک

[1] المستدرك، كتاب الاحكام: ٤/١٩١، رقم: ٧١٠٢

[2] ایضًا رقم: ٧١٠٣

تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے تھے، آپ ﷺ نے وہ تکیہ میرے لئے رکھ دیا، پھر مجھ سے فرمایا: اے سلمان! جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے پاس جاتا ہے اور وہ میزبان اس کے اکرام کے لئے تکیہ رکھ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت ضرور فرما دیتے ہیں۔[1]

حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضور ﷺ ایک گھر میں تھے، جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھرا ہوا تھا۔

حضرت جریر دروازے پر کھڑے ہو گئے انہیں دیکھ کر حضور ﷺ نے دائیں بائیں جانب دیکھا، آپ کو بیٹھنے کی کوئی جگہ نظر نہیں آئی، حضور ﷺ نے اپنی چادر اٹھائی اور اسے لپیٹ کر حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف پھینک دیا، اور فرمایا: اس پر بیٹھ جاؤ۔

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چادر لے کر سینے سے لگا لی اور اسے چوم کر حضور ﷺ کی خدمت میں واپس کر دیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ آپ کا ایسا اکرام فرمائے، جیسے آپ نے میرا اکرام فرمایا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: جب تمہارے پاس کسی قوم کا قابلِ احترام آدمی آئے تو تم اس کا اکرام کرو۔[2]

مہتمم لوگوں سے ملا کرے

مہتمم/ پرنسپل سے بچوں کے والد/ سرپرست اسی طرح کوئی خیر خواہ ملنا چاہے تو وہ ان سے مل لیا کرے، ہو سکتا ہے کہ ادارہ کی مفاد کے متعلق کوئی مشورہ دے اور یہ ادارہ کی ترقی کا ذریعہ بنے۔ جب تک مہتمم بچوں کے والد سے ملے گا نہیں پوری صورت حال سامنے نہیں آسکتی، اور مدرسہ اسکول کا مقصد مکمل اس وقت ہوگا جب

[1] المستدرك، كتاب معرفة الصحابة: ٤/٢٦ رقم: ٦٦٣١

[2] سير اعلام النبلاء، بقية كبراء وسادة الصحابة: ٤/١٤٢، رقم: ٢٠٤

بچوں کے ساتھ ان کے والدین کو بھی تربیت وتعلیم کی فکر ہو یومیہ روزانہ ملاقات کا وقت متعین رکھے کہ ہر بچے/ بچی کا والد مہتمم سے آکر مل سکے۔

امام راغب اصفہانی اپنی کتاب "محاضرات الأدباء" میں بیان کرتے ہیں کہ میمون بن مہران عمر بن عبدالعزیز رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ کے پاس بیٹھے تھے۔ اتنے میں باہر سے آواز سنائی دی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ نے اپنے دربان سے کہا: دیکھو دروازے پر کون ہے؟

جواب ملا: جس شخص نے ابھی ابھی اپنا اونٹ بٹھایا ہے، اس کا دعویٰ ہے کہ وہ مؤذنِ رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کا بیٹا ہے۔ حکم ہوا کہ اسے اندر بلایا جائے۔ جب وہ اندر آئے تو فرمائش کی گئی کہ حدیثِ رسول صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بیان کریں۔

ابنِ بلال نے عرض کیا: مجھ سے میرے والد گرامی نے بیان کیا: انہوں نے رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

"مَنْ وَلِيَ مِنْ أُمُوْرِ النَّاسِ شَيْئًا فَاحْتَجَبَ، حَجَبَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ."

تَرْجَمَہ: "جو شخص لوگوں کے کسی معاملے کا نگراں ہو، اور وہ خود کو ان سے چھپالے تو اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اس سے پردے میں ہو جائیں گے (یعنی ایسے شخص کو دیدارِ الٰہی نصیب نہ ہوگا)۔"

حضرت عمر بن عبدالعزیز رَحِمَهُ اللهُ تَعَالىٰ نے اسی وقت اپنے دربان سے فرمایا: آج سے ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے، اپنے گھر چلے جاؤ۔ اس کے بعد ان کے دروازے پر کوئی دربان نہیں دیکھا گیا۔

اہتمام کی ذمہ داری میں اللہ سے ڈرتے رہنا چاہیے

جب آدمی فکر مند ہوتا ہے اور دعائیں مانگتا رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ مدد فرماتے ہیں

اسی لئے حدیث میں غفلت سے پناہ مانگی گئی ہے۔

"(اَللّٰهُمَّ) لَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْغَافِلِيْنَ"[1] ایک بزرگ کی دعا تھی کہ اے اللہ! امورِ مفوضہ کو اچھی طرح ادا کرنے کی توفیق نصیب فرما۔

ایک ایک لمحے کا حساب دینا ہوگا۔ ادارہ کے چھوٹے بڑے معاملے کی فکر کرنی چاہیے۔

حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ کے ہاتھ پر بیعت خلافت کرنے کے لئے مختلف علاقوں کی طرف سے جماعتیں پے درپے مدینہ پہنچ رہی تھیں، ایک روز صبح کو اہلِ بحرین کی ایک جماعت بعض دوسرے قبائل کے وفود کے ساتھ بیعت کے لئے حاضر ہوئی۔ حضرت عمر فاروق رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ ہر جماعت کی بات بڑے غور اور دل چسپی سے سنتے، اس خیال سے ممکن ہے کہ ان کی گفتگو میں انہیں کوئی عمدہ نصیحت...... کوئی مفید مشورہ...... کوئی سوچنے کا پہلو...... یا دین اور عام مسلمانوں کے لئے خیر وفلاح اور ہمدردی کی کوئی بات مل جائے۔

چناں چہ انہوں نے حاضرین میں سے متعدد لوگوں کو گفتگو کے لئے اپنے پاس بلایا، لیکن ان میں سے کسی نے بھی کوئی خاص اور اہم بات نہیں کہی۔

تب وہ ایک ایسے شخص کی طرف متوجہ ہوئے، جس کے چہرے پر خیر وبرکت کے آثار نظر آرہے تھے، جس سے وہ اندازہ کر چکے تھے کہ اس سے کوئی ضرور کوئی مفید اور قیمتی بات مل سکے گی اسے اشارے سے اپنے پاس بلایا اور اس سے فرمایا آپ بھی کچھ ارشاد فرمائیں۔

خلیفہ رَضِيَ اللهُ تَعَالىٰ عَنْهُ کی اجازت پا کر اس شخص نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی تعریف کی اور ارشاد فرمایا:

---

[1] اتحاف السادة المتقين، كتاب الاذكار والدعوات الباب الخامس في الادعية المأثورة: ٥/٣٨٠

"إِنَّكَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ! مَا وُلِّيتَ أَمْرَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ إِلَّا ابْتِلَاءً
مِنَ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ابْتَلَاكَ بِهٖ
فَاتَّقِ اللّٰهَ فِيمَا وُلِّيتَ، وَاعْلَمْ أَنَّهُ لَوْ ضَلَّتْ شَاةٌ بِشَاطِئِ
الْفُرَاتِ لَسُئِلْتَ عَنْهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ."

تَرجَمَہ: "اے امیر المؤمنین! اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے امت کے معاملات کی ذمہ داری سپرد کر کے آپ کو ایک زبردست امتحان میں ڈالا ہے تو آپ خلافت کی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں ہمیشہ اس سے ڈرتے رہیے۔ اور یہ جان لیجئے کہ اگر دریائے فرات کے کنارے پر ایک بکری بھی ضائع ہوگئی تو قیامت کے دن اس کے متعلق آپ سے پوچھا جائے گا۔"

حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اس شخص کی یہ بات سن کر رو پڑے، ان کی آواز بلند ہوگئی اور پھر اس کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"مَا صَدَقَنِي أَحَدٌ مُنْذُ اسْتُخْلِفْتُ كَمَا صَدَقْتَنِي- فَمَنْ أَنْتَ؟"

تَرجَمَہ: "خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالنے کے بعد سے اب تک کسی نے مجھ سے ایسی کھری اور صاف بات نہیں کہی، جیسی کہ تم نے کہی ہے۔ تم کون ہو؟"

اس شخص نے جواب دیا: "میں ربیع بن زیاد حارثی ہوں۔"

حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے دریافت کیا۔ مہاجر بن زیاد کے بھائی؟

حضرت ربیع رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا: جی ہاں۔

اس کے بعد جب مجلس ختم ہوئی تو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو بلایا اور ان سے تاکید کرتے ہوئے

فرمایا: ربیع بن زیاد کے حالات کا اچھی طرح جائزہ لو، اگر یہ اپنی اس بات میں واقعی مخلص اور بے لوث ہیں، جو انہوں نے مجھ سے کہی ہے تو یہ بڑی خوبیوں کے مالک اور بڑے کام کے آدمی ہیں، اور حکومت کے سلسلے میں ہمیں ان سے بہت زیادہ تعاون و مدد کی امید ہے، تم کوئی ذمہ داری ان کے سپرد کر کے ان کے حالات سے مجھے برابر آگاہ کرتے رہنا۔[1]

اساتذہ کرام کے درمیان عدل وانصاف قائم کریں

مہتمم/ پرنسپل کو چاہیئے اساتذہ کرام کے درمیان عدل وانصاف قائم کریں اور ان کے حقوق کی رعایت کریں اور ایسا کام نہیں کرنا چاہیئے کہ جس سے ان کی حق تلفی ہو اور وہ ظلم وستم کا شکار ہو جائیں۔

ایک رات سلطان محمود غزنوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سو رہا تھا کہ یکایک آنکھ کھل گئی، پھر لاکھ چاہا کہ دوبارہ نیند آجائے، مگر نیند کوسوں دور نکل چکی تھی، بستر پر تڑپتا اور کروٹیں بدلتا رہا۔

جب کوشش کے باوجود کسی طرح آنکھ نہ لگی، تو خدا ترس بادشاہ کو خیال آیا کہ کوئی مظلوم فریاد لایا ہے، یا کوئی فقیر بھوکا آیا ہے، اسی لئے میری نیند اچٹ گئی ہے۔

غلام کو حکم دیا: باہر جا کر دیکھو کون ہے؟

غلام نے باہر جا کر دیکھا تو کوئی نہ تھا، واپس آکر کہا: جہاں پناہ، کوئی شخص نہیں۔

محمود نے چاہا کہ سوئے رہے مگر نیند نہ آنی تھی، نہ آئی، وہی بے چینی اور گھبراہٹ پیدا ہوگئی، غلاموں کو دوبارہ کہا: اچھی طرح دیکھ کر آؤ، کون داد خواہ آیا ہے؟

غلام دوڑے ہوئے گئے اور ادھر ادھر دیکھ بھال کر واپس آکر بولے: حضور کوئی نہیں۔

[1] کنز العمال، کتاب الفضائل، السابع: ۱۶۹/۱۳ رقم: ۳۷۰۴۲

سلطان کو شبہ ہوا کہ شاید غلام تلاش کرنے سے جی چراتے ہیں، غصے میں خود اُٹھ کھڑا ہوا اور تلوار ہاتھ میں لئے ہوئے باہر آ گیا، بہت تلاش کی، مگر کوئی شخص نظر نہ آیا، قریب ہی ایک مسجد تھی، اس کے دروازے میں آکر اندر کی طرف جھانکا تو آہستہ آہستہ کسی کے رونے کی آواز آئی، قریب پہنچ کر دیکھا تو ایک شخص فرش پر پڑا ہوا نظر آیا، اس کا منہ زمین سے لگا ہوا تھا، آنکھوں سے آنسو جاری تھے، آہیں بھر رہا تھا اور چپکے چپکے کہہ رہا تھا:

اے کہ از غم ندیدۂ خواری
از غم ما کجا خبر داری
خفتہ ماندی چو بخت ماہمہ شب
تو چہ دانی ز رنج بیداری

سلطان کا دروازہ بند ہے تو کیا ہے، سبحان کا دروازہ کھلا ہے، اگر محمود دلی سو رہا ہے، تو کوئی حرج نہیں محمود ازلی جاگ رہا ہے۔

محمود یہ سن کر اس کے بالکل قریب پہنچ کر بولا: محمود کی شکایت کیوں کرتا ہے؟ وہ تو ساری رات تیری تلاش میں بے چین رہا، یہ بتا تجھے کیا تکلیف ہے، کس نے ستایا ہے، اُٹھ کہاں سے آیا ہے اور کس غرض سے آیا ہے؟

یہ سن کر وہ شخص اٹھ کھڑا ہوا، اور پھوٹ پھوٹ کر روتا ہوا بولا: حضور کے ایک درباری کے ہاتھوں ستایا ہوا آیا ہوں، مگر اس کا نام نہیں جانتا، اس نے میری عزت خاک میں ملا دی ہے، آدھی آدھی رات کو مستی کے عالم میں میرے گھر آتا ہے، اور میری شریک زندگی کی عصمت کو داغ دار کر جاتا ہے، اگر آپ نے اپنی اس تلوار کی آب سے اس داغ کو نہ دھویا تو کل قیامت کے دن میرا ہاتھ ہوگا اور آپ کا گریبان۔

یہ سن کر محمود کو مذہبی غیرت اور شاہی حمیت سے پسینہ آ گیا، بتا کیا اس وقت بھی وہ ملعون وہیں ہوگا؟

اس شخص نے جواب دیا: اب تو بہت رات گزری ہے، شاید چلا گیا ہو، لیکن مجھے ڈر ہے کہ کل پرسوں پھر آئے گا۔

سلطان نے کہا: اچھا اس وقت تو جاؤ، کل پرسوں جس وقت وہ آئے مجھے فوراً اطلاع کرو۔

اس شخص نے سلطان کو دعا دی اور رخصت ہو کر چلا ہی تھا کہ سلطان نے ٹھہرنے کا حکم دیا، اور پہرے داروں سے کہا: دیکھو یہ صاحب جس وقت بھی آئیں، خواہ میں سوتا ہوں یا جاگتا ہوں، فوراً ان کو مجھ تک پہنچاؤ اتنا کہہ کر محمود اندر اور وہ شخص اپنے گھر چلا گیا۔

تیسری رات وہ شخص شاہی محل سرا کے دروازے پر پہنچا، پہرے داروں نے اس کی شکل دیکھتے ہی سلطان کی خدمت میں پہنچا دیا، سلطان جاگ رہا تھا، تلوار لے کر اٹھ کھڑا ہوا، اور بولا: چلو! راتوں کو اس شکار کرنے والی لومڑی تک مجھے لے چلو۔

یہ سن کر وہ شخص آگے ہولیا اور سلطان اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ گھر پہنچ کر اس شخص نے سلطان کو وہ جگہ بتائی جہاں وہ ظالم خزانے کا سانپ بنا ہوا سو رہا تھا، سلطان نے تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ ایسا جمایا کہ تمام فرش پر انصاف کا لالہ زار کھل گیا، اس کے بعد سلطان مڑا اور مظلوم صاحب خانہ کو بلا کر فرمایا: اب تو محمود سے خوش ہوا؟

یہ کہہ کر محمود نے مصلی منگوایا، اور ایک طرف بچھا کر دو رکعت نماز شکرانے کی پڑھی، پھر اس شخص کو مخاطب کر کے پوچھا: گھر میں کچھ کھانے کو ہو تو لاؤ۔

اس شخص نے جواب دیا، ایک چیونٹی، سلیمان کی کیا خاطر کر سکتی ہے؟

غریب کھانے میں حضور کے لائق کوئی چیز نہیں ہے، جو کچھ ہے حاضر کرتا ہوں، یہ کہہ کر وہ دستر خوان ڈھونڈ کر سوکھی روٹی کے کچھ ٹکڑے لئے ہوئے آیا، اور سلطان کے سامنے رکھ دیئے، سلطان نے اس درجے شوق اور رغبت سے یہ ٹکڑے کھائے کہ شاید عمر بھر میں کبھی کوئی لذیذ غذا اس طرح نہ کھائی ہوگی۔

کھانے سے فارغ ہوکر سلطان نے اس شخص سے کہا: معاف کرنا کہ میں نے تمہیں کھانے کے لئے تکلیف دی۔

لیکن سنو بات یہ ہے کہ جس روز تم ملے اور تم نے مجھے اپنا دکھڑا سنایا اس وقت میں نے قسم کھائی تھی، کہ جب تک اس خبیث کے سر کو شانے سے جدا کر کے تمہارے گھر کو پاک نہ کردوں گا رزق کو حرام سمجھوں گا، میری شکرانے کی دو رکعت نماز پر تم کچھ حیران ہورہے تھے، اس کی وجہ یہ ہے کہ اس شخص کے متعلق مجھے اندیشہ تھا کہ میرے بیٹوں میں سے کوئی ہوگا، میں اپنے دل میں کہتا تھا کہ میرے درباریوں اور مصاحبوں کو اتنی جرأت نہیں ہوسکتی کہ وہ میرے مزاج سے واقف ہوتے ہوئے ایسی حرکت کریں۔

چناں چہ میں جس قدر زیادہ سوچتا گیا اسی قدر میرا یقین بڑھتا گیا کہ اتنی بڑی گستاخی کی ہمت صرف بادشاہوں کی اولاد کو ہوسکتی ہے، کیوں کہ یہ عام طور پر غرور کے نشے سے مست رہتے ہیں، چناں چہ میں تمہارے ساتھ یہاں اپنے کسی فرزند کو قتل کرنے کے ارادے سے آیا تھا، لیکن قتل کرنے کے بعد جب میں نے اس کی صورت دیکھی تو معلوم ہوا کہ یہ میرا فرزند نہیں، بل کہ کوئی غیر شخص ہے، اس لئے میں نے خدا کا شکر ادا کیا۔[1]

والدین کو معاون بنایئے

مہتمم کی ذمہ داری ہے کہ والدین کو وقتاً فوقتاً فکرمند رکھیں، والدین ہر طرح سے آگاہ ہوں، والدین کو معاون بنانے سے تربیت کے کاموں میں بہت آسانی ہوجائے گی۔ یہ ایک گوشوارہ ہمارے جامعہ دارالعلوم کراچی کے بزرگوں نے تیار کیا ہے۔ ہر مہتمم سال میں تین مرتبہ یا کم از کم سال میں ایک مرتبہ ہر بچے کے والد کے نام پر ڈاک

[1] مکارم و اخلاق رحمت دو عالم: ص ۵۵۹ تا ۵۶۳

سے یہ گوشوارہ بھیجیں، ان شاء اللہ تعالیٰ اس سے آپ بہت زیادہ فائدہ دیکھیں گے۔

تاریخ

کوائف نامہ طالب علم جامعہ مدرسہ/ اسکول/ اکیڈمی

محترم جناب .... صاحب زید مجدکم .... السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے آپ بخیر وعافیت ہوں۔

آپ کے عزیز .... ولد .... داخلہ نمبر .... تعلیمی سال ـــــھ میں جامعہ مدرسہ/ اسکول ..... اکیڈمی میں مرحلہ ..... سال ..... میں زیر تعلیم رہے آپ کی آگاہی کے لئے ان کی تعلیمی، اخلاقی اور عملی کیفیت مختصر طور پر ارسالِ خدمت ہے۔

آپ اس میں جو اچھائی پائیں تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں اور بچے کی حوصلہ افزائی کریں، اور بچے کے اساتذہ اور ادارہ کے لئے دعائیں کریں۔

اور خدا نہ کرے نتیجہ اچھا نہ ہو تو آپ اپنی دعاؤں کی طاقت کو بڑھا دیجئے، خوب رو رو کر اصلاح کی دعا مانگیں۔ اور مناسب تدبیر کے ذریعہ حکمت و پیار محبت سے بچے کو سمجھائیں، بچے کی والدہ اور دوستوں کو بھی معاون بنائیں۔ اور مکمل نگرانی اور پوچھ گچھ سے بہرحال فائدہ ہوتا ہے۔

① تعلیمی کیفیت:

	اعلیٰ	متوسط	ادنیٰ	فیل	مجموعی کیفیت
(الف) نتائج امتحان سہ ماہی	......	......	......		پسندیدہ مناسب نامناسب
(ب) نتائج امتحان ششماہی	......	......	......		
(ج) نتائج امتحان سالانہ	......	......	......		

② دوران سال اسباق میں حاضری کی کیفیت:

(الف) رخصت اتفاقیہ .... (ب) رخصت علالت .... (ج) غیر حاضری ....

۴ اخلاقی کیفیت:

	متعلقہ نگران صاحب کی رائے	متعلقہ اساتذہ کی رائے
(الف) نماز باجماعت	....	....
(ب) اطاعت شعاری	....	....
(ج) ادب واحترام	....	....
(د) ضوابطِ جامعہ کی پابندی	....	....
(ھ) تعلیمی شوق ومحنت	....	....
(و) صفائی ستھرائی	....	....

دستخط نگران صاحب .... دستخط استاذ جماعت ....

مذکورہ بالا کیفیت قابلِ اطمینان/ قابلِ اصلاح ہے، امید ہے کہ آپ دورانِ تعطیل ان کی مزید اصلاح کی کوشش فرمائیں گے اور زمانۂ تعلیم میں بھی متعلقہ اساتذہ سے رابطہ فرما کر ان کی خبر گیری کرتے رہیں گے۔ والدین کی تھوڑی سی توجہ، نگرانی اور رورو کر دعا مانگنے سے بچے کی زندگی میں انقلاب آجاتا ہے۔ نفلی روزہ رکھ کر، اعتکاف میں بیٹھ کر، صلوٰۃ التسبیح پڑھ کر، والدین اپنی اولاد کے لئے دعا مانگیں اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ اولاد کی تربیت بھی ہوگی اور اولاد دین کی خدمت کے لئے قبول بھی ہوگی۔

اسی طرح اولاد کی تربیت کے لئے ہر والد کو ''مثالی باپ'' کتاب کا مطالعہ کرنا ان شاء اللہ مفید ہوگا اور والدہ ''مثالی ماں'' کتاب کا مطالعہ کرے، یہ دونوں کتابیں بیت العلم ٹرسٹ سے مل سکتی ہیں۔

....

دستخط محرر تعلیمات — مہر جامعہ — دستخط حضرت ناظم تعلیمات

مسلمانوں کے مال کی حفاظت

مہتمم اور اساتذہ، ادارہ کمیٹی کے یا اہلِ مخیر کے اموال کو احتیاط کے ساتھ مدرسہ میں استعمال کریں، جتنی ضرورت ہو اس کے بقدر استعمال کریں، باقی محفوظ کر لیا جائے۔ تاکہ خیانت والے گناہ سے بچا جاسکے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ تعالیٰ اپنے عدل اور پرہیزگاری کے لحاظ سے نمایاں شخصیت کے مالک تھے، انہوں نے خلفاءِ راشدین کی سیرت اور سنت کو دوبارہ زندہ کیا اور دنیوی مال ودولت کو ہمیشہ ٹھکراتے تھے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ مالِ غنیمت میں بہت سا مشک آیا اور ان کے سامنے تقسیم کیا جانے لگا، مشک کی تقسیم شروع ہوئی تو آپ نے ناک پر کپڑا رکھ لیا، تاکہ اس کی خوشبو دماغ میں نہ جاسکے، کسی نے پوچھا امیر المؤمنین نے ناک کیوں بند کرلی؟ جواب دیا: مشک کا فائدہ اس کی خوشبو ہے اور چوں کہ یہ مشک مسلمانوں کا مال ہے، اس لئے مجھے اس مال سے فائدہ اٹھانے کا کوئی حق نہیں ہے۔

اسی طرح ایک دن بیت المال سے بہت سے سیب لا کر ان کے سامنے تقسیم کئے جارہے تھے، امیر المؤمنین کا بچہ ان کے پاس کھیل رہا تھا، کھیلتے کھیلتے سیبوں کے پاس آگیا، اور ہاتھ بڑھا کر ایک سیب اٹھا لیا، امیر المؤمنین نے جھپٹ کر سیب جو چھینا تو بچے کا منہ زخمی ہوگیا اور وہ روتا ہوا اماں کے پاس پہنچا اور سارا حال کہہ سنایا، ماں نے اسی وقت بازار سے سیب منگوا کر بچے کو دیئے تو اس کا رونا بند ہوا۔

جب امیر المؤمنین گھر آئے تو بیوی کے پاس سیب پڑے دیکھے تو پوچھا یہ سیب کہاں سے آئے؟

بیوی نے منہ بنا کر جواب دیا: کہیں سے بھی آئے ہوں، بیت المال سے نہیں آئے، غضب خدا کا ایک سیب کے لئے میرے بچہ کا منہ توڑ دیا۔

امیر المؤمنین نے کہا: ٹھیک کہتی ہو مجھے بھی اس وقت تکلیف ہوئی، مگر میں کس طرح برداشت کرسکتا تھا کہ ایک سیب کی خاطر میں انصاف کے ثواب سے محروم ہو جاؤں اور میرا نام نیکوں کی فہرست سے کاٹ دیا جائے۔[1]

امیر اسمٰعیل سامانی کی نیک عادتوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ برف اور بارش کے دن میدان میں آ کھڑا ہوتا کہ اگر کسی مظلوم یا حاجت مند کو کچھ کہنا سننا ہو تو امیر تک پہنچنے میں وقت نہ ہو، اس کے بعد وہ غریبوں کو صدقہ دیتا اور محل میں پہنچ کر دو رکعت نماز ادا کرتا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرکے کہتا کہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ" آج کا دن میں نے اپنی بساط کے مطابق رعایا کی خدمت کرنے میں بسر کردیا۔

ایک دن کسی نے اس سے پوچھا حضور برف باری اور برسات کے دن لوگ گھروں سے باہر نہیں نکلتے اور امیر ان دنوں میں میدان میں جاکر کھڑے ہوتے ہیں اور تکلیف اٹھاتے ہیں، اس کا کیا سبب ہے؟

امیر نے جواب دیا: اس کی وجہ یہ ہے کہ برف و باراں کے دنوں میں غریبوں اور مسکینوں کو تکلیف کا احساس زیادہ ہوتا ہے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ امیر برف اور بارش کے موسم میں مرو کے کھیت میں گھوم رہا تھا کیا دیکھتا ہے کہ ایک کھیت میں ایک اونٹ چر رہا ہے یہ دیکھ کر امیر نے غلام کو حکم دیا: پیادہ جاؤ اور اونٹ کے پاس جاکر دیکھو کہ اس کے جسم پر کس کا نشان (داغ) بنا ہے؟

غلام نے قریب جاکر دیکھا تو امیر کا نشان نظر آیا، اس نے امیر کو اطلاع دی، امیر نے حکم دیا: اونٹ کو پکڑ کر ادھر لے آ، دوسرے سوار سے کہا: وہ جاکر ساربان کو پکڑ لائے، خود گھوڑے سے اتر پڑا اور ساربان کے انتظار میں وہیں کھڑا ہوگیا۔

سوار ساربان کی تلاش میں تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ ساربان نظر آگیا، وہ ایک

[1] رحمت دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی اخلاق: ص ۵٤٢

اونٹ پر سوار امیر کے اونٹ کو آوازیں دیتا ہوا، جنگل میں گھوم رہا تھا، سوار اسے ساتھ لے کر امیر کی خدمت میں حاضر ہوا، امیر نے اس سے پوچھا: میرا اونٹ اس کھیت میں کیا کر رہا تھا؟

ساربان نے جواب دیا: یہ اونٹ رات کو بھاگ گیا تھا، صبح ہونے پر مجھے اطلاع ملی تو میں اونٹ پر چڑھ کر تلاش میں نکلا اور اب تک اسی کو ڈھونڈتا پھر رہا تھا۔

امیر نے ساربان سے کہا: تیرا عذر معقول ہے اور سوار کو حکم دیا: کھیت کے مالک کو بلاؤ۔

جب وہ آیا تو امیر نے اس سے کہا: ہمارا اونٹ تیرے کھیت میں چلا گیا تھا، دیکھ کر بتا کہ کتنا نقصان کیا ہے؟

کسان نے نقصان کا اندازہ بتایا تو امیر نے اسی وقت غلہ کا موجودہ بھاؤ دریافت کرکے، اسے نقد دام دے دیئے، اور حاضرین سے مخاطب ہوکر کہا، اگر میں خود انصاف نہ کروں تو دوسرے مسلمانوں سے انصاف کی توقع کیوں کر کرسکتا ہوں؟[1]

مہتمم، ناظمِ تعلیمات اور صدر مدرس کی عموی ذمہ داریاں

اساتذہ، خدام، غیر تدریسی عملہ، ان سب کی تربیت کا اہتمام ہونا چاہیے۔
تربیت کے لئے چند تجاویز یہ ہیں:

1 ہفتہ ہفتہ ان میں کسی کا بیان، مذاکرہ رکھوائیں، جس میں اپنے مقصد کا تعین، احساسِ ذمہ داری، اہتمام سے کام کرنے کے فوائد اور آخرت کے فضائل وغیرہ بیان کیے جائیں۔ احساسِ ذمہ داری، کامیاب اساتذہ/معلمات کی خصوصیات میں شامل ہے۔ اپنے کام کی فکر اور اس کے احساس کے باعث اساتذہ/ ناظمِ تعلیمات، طلبہ اور

[1] رحمت دو عالم اور اسلامی اخلاق: ص ۵٤٧

ادارے کی ترقی کے لئے دن ہو یا رات سوچتے ہیں، لوگوں سے رابطہ قائم کرتے ہیں۔ اور انتظامیہ ان بیانات، ورک شاپ کے ذریعہ اساتذہ کو احساس دلاتے ہیں کہ وہ بھی ان کے ساتھ جاگ رہے ہیں۔ یہ احساس وقیادت کے تاثر، معلومات کی فراہمی، مستقبل کے شاندار ہونے کا احساس اور عمومی جائزہ کے ذریعے پیدا ہوتا ہے۔ اساتذہ وعملہ کو وہ حدود بتادی جائیں جہاں وہ خودمختار ہیں۔

۲ ہر شعبہ کا نگران اپنے ماتحتوں کے اختیارات اور ذمہ داریاں متعین کرے اور پھر انہیں کام حوالہ کرے۔ اور پھر ان کے کاموں کا جائزہ لیتے رہنے، کارگزاری پوچھتے ہوئے اُکتا نہ جائیے۔

بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ بار بار پوچھنے کے بعد کام کرکے دیتے ہیں لہٰذا ان سے بار بار پوچھتے رہیۓ۔

آپ کا کمال یہ ہوگا کہ آپ نے ان کو جو کام دیا ہے وہ پورا کروالیں، پھر کام کے پورا ہونے کے بعد ان کی اصلاح کیجئے اور خوش اسلوبی سے کام ہوا ہو تو حوصلہ افزائی کیجئے۔

بعض اداروں میں صبر دعاء اور نرمی کے ذریعہ محبت اور ہم آہنگی کی ایسی فضا پیدا ہوجاتی ہے کہ اساتذہ کو حاضری کے رجسٹر پر ٹائم نوٹ کرنے اور ٹائم کارڈ پنچ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسٹورز، مکتبہ، دفتر سے چوری نہیں ہوتی، لوگ اپنے ذاتی کاموں اور بچوں کے لئے دفتر کی اسٹیشنری استعمال نہیں کرتے۔ اساتذہ میں اگر اس بات کا احساس پیدا ہو جائے کہ وہ جو کام کر رہے ہیں یہ ان کا اپنا کام ہے تو پھر غلطیاں کم ہوتی ہیں، اور ذمہ داری کا احساس بڑھتا رہتا ہے۔ اگر لوگوں کو یہ احساس ہو کہ ان کا کام آگے والا بھی چیک کرے گا تو پھر وہ ذمہ داری کو ٹالنے کی کوشش کریں گے، لیکن اگر ان میں یہ احساس پیدا ہو جائے کہ یہ ان ہی کا کام ہے تو پھر غلطیوں اور کوتاہیوں کے امکانات کم ہوں گے۔ نتیجتاً یہ ہوگا کہ غیر حاضری کا رجحان کم ہوتا

جائے گا، اس احساس کو اجاگر کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اساتذہ کو اپنی کارکردگی دیکھنے کا موقع دیا جائے۔

۳ اساتذہ وعملہ کو حاضری اور کارکردگی کے فرق کو سمجھایئے۔ کم وقت میں بہتر طریقے استعمال کرکے زیادہ اور موثر کام کیسے کیا جاسکتا ہے۔ مدرسہ/اسکول کے اندر صرف جسمانی طور سے حاضر ہوجانا طلبہ کی تربیت کے لئے ناکافی ہے، حاضر ہونے کے بعد وقت سے زیادہ فائدہ کیسے اٹھایا جاسکے گا یہ سوچنا ہوگا، اس پر محنت کرنی ہوگی۔

۴ مہتمم اور انتظامیہ کی ذمہ داری ہونی چاہیئے کہ وہ اساتذہ وعملہ کو "وقت کی اہمیت" پر کورس کروائیں، یا ان کو کتابیں لاکر دیں کہ وہ پہلے باخبر ہوں تو باعمل بھی بن سکیں گے۔

امام رازی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے اپنی تفسیر میں بعض سلف کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے سورۂ عصر کا مطلب ایک برف فروش سے سمجھا جو بازار میں آوازیں لگا رہا تھا "اِرْحَمُوْا مَنْ يَّذُوْبُ رَأْسُ مَالِهٖ اِرْحَمُوْا مَنْ يَّذُوْبُ رَأْسُ مَالِهٖ"[1] کہ "رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ گھلا جارہا ہے" رحم کرو اس شخص پر جس کا سرمایہ گھلا جارہا ہے۔ اس کی بات سن کر میں نے کہا یہ ﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ﴾[2] کا مطلب ہے کہ عمر کی جو مدت انسانوں کو دی گئی ہے وہ برف کے گھلنے کی طرح تیزی سے گزر رہی ہے۔ اس کو اگر ضائع کیا جائے یا غلط کاموں میں صرف کرڈالا جائے تو انسان کا خسارہ ہی خسارہ ہے۔

محمد بشیر جمعہ صاحب اپنی کتاب "شاہراہ زندگی پر کامیابی کا سفر" کے صفحہ ۲۹ میں لکھتے ہیں: اگر آپ سے یہ معلوم کیا جائے کہ ایک سال کے کل آٹھ ہزار سات سو ساٹھ (۸۷۶۰) گھنٹوں کو آپ نے کہاں صرف کیا ہے تو امکان ہے کہ اس میں سے

[1] تفسیر کبیر: ۸۱/۱٦ [2] سورة العصر: آیت ۱

تقریباً ستر فیصد وقت کا آپ حساب دیں گے جیسے دفتر کاروبار، نیند، آمدورفت وغیرہ وغیرہ۔ باقی گھنٹوں کے حساب کے لئے آپ کو ذہن پر زور دینا ہوگا، لیکن اگر آپ سے کہا جائے کہ اس سال کے کل گھنٹوں میں سے آپ نے کتنا وقت بامقصد استعمال کیا اور کتنا بے مقصد اور فضول ولغو باتوں میں تو اس کا جواب یقیناً مشکل ہے۔ وقت اور دولت میں جو فرق ہے، اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے ایک ہی سائز کی دو ٹنکیاں پانی سے بھری ہوئی ہوں، ایک ٹنکی میں ٹونٹی لگی ہو، آپ اسے حسبِ ضرورت کھول سکتے ہیں اور جب چاہیں بند کر سکتے ہیں، جب کہ دوسری ٹنکی میں ٹونٹی نہیں ہے، مگر اس کے پیندے میں ایک سوراخ ہے۔ آپ اس سوراخ کو بند بھی نہیں کر سکتے۔ دونوں ٹنکیاں آپ کو استعمال کرنے کے لئے دے دی جائیں، ہم غیر ارادی طور پر دوسری ٹنکی کے پانی کو استعمال کرنے کی کوشش کریں گے جب کہ پہلی ٹنکی کی ٹونٹی بند کر دیں گے۔ دولت پہلی ٹنکی کی مانند ہے اور وقت دوسری ٹنکی کی مانند۔

۵ مہتمم، صدر مدرس کو چاہیئے کہ اپنے ساتھ جماعت بنا کر کام کرے، جماعت کے کام کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ شہد، اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے اور اس میں شفا ہے، مگر شہد کی تیاری ایک بے حد محنت طلب کام ہے نصف کلوگرام کے قریب شہد تیار کرنے کے لئے شہد کی مکھیوں کو مجموعی طور پر بعض اوقات تین لاکھ میل سفر طے کرنا پڑتا ہے۔

مشاہدہ بتاتا ہے کہ ایک مکھی کی عمر چند مہینے سے زیادہ نہیں ہوتی، اس لئے کوئی ایک مکھی تنہا ایک پونڈ شہد تیار نہیں کر سکتی، خواہ وہ اپنی عمر کا ہر لمحہ پھولوں کا رس جمع کرنے میں لگا دے۔

یہ مشکل اس لئے آسان ہوئی کہ مکھیوں نے اجتماعی کوشش کی۔ یہ قدرت کا سبق ہے، شہد کی تیاری کو اللہ تعالیٰ نے ایک بے حد پیچیدہ نظام سے وابستہ کر دیا ہے، اس حیرت انگیز نظام کے اندر انسان کے لئے بے شمار سبق ہیں۔ وہ سبق ہے "ٹیم ورک"

انسانی زندگی میں کچھ کام ایسے ہیں، جن کو ہر آدمی کم وقت میں اپنی ذاتی کوشش سے سرانجام دے سکتا ہے، مگر کچھ کام ایسے ہوتے ہیں، جن کو کوئی شخص تنہا انجام نہیں دے سکتا، ایسے کاموں کو واقعہ بنانے کی واحد ممکن شکل وہی ہے جو شہد کی مکھی کی مثال میں نظر آتی ہے، یعنی بہت سے لوگ مل کر انہیں انجام دیں۔

درحقیقت ہمیں زندگی کے ہر شعبے میں اجتماعی ہم آہنگی اور ٹیم ورک کی ضرورت ہے۔ مل کر کام کرنا ایک قربانی کی قیمت پر ہوتا ہے اور وہ قیمت صبر ہے، فرد کے اندر اٹھنے والے باغیانہ جذبات کو کچلنا ہی وہ چیز ہے، جو اجتماعی عمل کو ممکن بناتی ہے، اس قربانی کے بغیر کبھی اجتماعی عمل ظہور میں نہیں آتا، کوئی بھی بڑا مقصد کوئی شخص تنہا حاصل نہیں کر سکتا، طلبہ کی تعلیم وتربیت بہت بڑا مقصد ہے، ہر بڑے مقصد کے لئے بہت سے آدمیوں کی متحدہ کوشش ضروری ہوتی ہے، مل کر کام کرنے میں اصل رکاوٹ یہ ہے کہ افراد کی انفرادی شخصیت اس میں نہیں ابھرتی، جس قوم کے افراد میں اپنی انفرادی شخصیت بنانے کا مزاج ہو وہ قوم کبھی متحدہ عمل میں کامیاب نہیں ہو سکتی اور اسی لئے وہ کوئی بڑی ترقی بھی نہیں کر سکتی، بڑی ترقی حاصل کرنے کا سب سے آسان طریقہ اتحاد ہے۔ اتحاد ایک کو کئی بنا دیتا ہے وہ کوشش کی مقدار کو کئی گنا زیادہ کر دیتا ہے۔ لوگ درست کہتے ہیں کہ ایک اور ایک مل کر دو نہیں ہوتے، بل کہ گیارہ ہوتے ہیں۔

۶ مہتمم/صدر مدرس/ انتظامیہ کمیٹی، اساتذہ اور معلمات کو سمجھائیں کہ تساہل، تکاسل سست روی، تاخیر، اور پھر کبھی ...... ہمارے دشمن ہیں، ہمارے مستقبل کے لئے انتہائی تباہ کن ہیں۔ یہ نشہ آور چیزوں سے زیادہ نقصان دہ ہیں۔ جو شخص نشہ کرتا ہے وہ معاشرے سے کافی حد تک کٹ جاتا ہے، مگر تساہل اور سست روی کا شکار معاشرے کے لئے نقصان دہ ہوتا ہے۔ لہٰذا تساہل اور سست روی چھوڑ کر آنے والا دن جو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس کو غنیمت جان کر بروئے کار لائیں۔

کسی بزرگ کا قول ہے: ”جب بندہ صبح کے فریضے سے فارغ ہو جائے تو چاہیئے کہ کچھ دیر اپنے دل کو فارغ کرے اور اپنے نفس سے شرائط طے کرے اور کہے: اے نفس! میرے پاس سرمایہ صرف زندگی ہے، اگر میرا یہ سرمایہ فنا ہوگیا تو تجارت اور منافع سے مایوسی ہو جائے گی۔ اور یہ ایک نیا دن ہے جس میں اللہ نے مجھے مہلت دی ہے اور میری موت کو مؤخر کر کے مجھ پر احسان کیا ہے اگر وہ مجھے دنیا سے اٹھالیتا تو میں تمنا کرتا کہ زندگی کی کچھ مہلت اور عطا کر دے تاکہ میں کوئی نیک عمل کرلوں۔

تو اے نفس! یہی سمجھ کہ تو فوت ہو چکا ہے اور پھر تجھے واپس کیا گیا ہے۔ اس دن کو ضائع کرنے سے بچ جا اور جان لے کہ دن رات میں چوبیس گھنٹے اور یوں سمجھ لے کہ بندے کے لئے ہر روز چوبیس الماریاں قطار در قطار رکھی ہیں۔ قیامت کے دن یہ الماریاں کھولی جائیں گی اور اللہ کمائی ہوئی نیکیوں کو دیکھے گا۔ اگر یہ نیکیوں کے نور سے بھری ہوں گی تو اسے اتنی خوشی ہوگی کہ اگر وہ دوزخیوں پر تقسیم کی جائے تو حیرانی کی وجہ سے ان کو آگ کی تکلیف کا احساس نہ رہے اور اگر بدقسمتی سے صورت حال دوسری ہوئی یعنی کوئی شخص نیکیوں کے بجائے برائیوں میں پھنسا رہا تو نور کی جگہ اندھیرا اور بدبو پھیلے گی اور ہر گھنٹہ جس میں اس نے اللہ کی نافرمانی کی ہوگی اسے عذابِ الیم سے ہمکنار کر دے گا۔ اسے ایسی گھبراہٹ اور ذلت محسوس ہوگی کہ اگر وہ تمام جنتیوں پر تقسیم کر دی جائے تو ان کی نعمتیں مکدر ہو جائیں۔

مہتمم/صدر مدرس کو چاہیئے کہ اپنے کاموں کی منصوبہ بندی بنالیں۔

منصوبہ بندی درحقیقت ہماری زندگی کی حالت بیداری کے خوابوں کی ایک تصویر ہے۔ جو ہم اپنے مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور وسائل کو استعمال کر کے بنانا چاہتے ہیں منصوبہ بندی درحقیقت کامیاب انسانوں کی عادتِ ثانیہ اور ناکام انسانوں کی کمزوری ہے جو شخص منصوبہ بندی کے ذریعے کامیابی حاصل نہیں کرسکتا

درحقیقت وہ ناکامی کی منصوبہ بندی کر رہا ہوتا ہے۔ بحیثیتِ مسلمان دیکھا جائے تو منصوبہ بندی اس لحاظ سے ضروری ہے کہ قیامت کے روز ہم سے ہمارے اوقات، اعمال، وسائل اور معاملات سب کا حساب لیا جائے گا۔ اسی طرح منصوبہ بندی درحقیقت ذہنی تیاری کا نام ہے، مقابلہ کی اس دنیا میں کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ آپ میدان میں اتریں تو پوری تیاری کر کے اتریں اگر آپ کم تر تیاری کے ساتھ زندگی کے میدان میں داخل ہوگئے تو آپ کے لئے ناکامی کے سوا کوئی اور چیز مقدر نہیں۔ آپ کی تیاری دو پہلوؤں کے اعتبار سے ہونی چاہیئے۔

ایک یہ کہ وہ باقاعدہ ہو، دوسرے یہ کہ وہ زمانہ کے تقاضوں کے مطابق ہوں۔

لہٰذا مہتمم/صدر مدرس اساتذہ اور عملہ کو ادارہ اور طالب علموں کے لئے ایسا لائحہ عمل اور منصوبہ بندی کرے جس سے ادارہ کی ترقی ہو اور طالب علموں میں صلاحیت پیدا ہو۔

اور اپنے ساتھیوں کو ایک ذہن کرے، اہداف، منزل، متعین کرے اساتذہ/معلمات کو ایک پرچہ لکھ کر دے کہ ہمارے اس ادارہ کے کیا اہداف ہیں......؟

ہم روزانہ صبح پڑھانے آتے ہیں ہمارا کیا مقصد ہے......؟ ہم ان طلبہ/طالبات سے کیا چاہتے ہیں......؟

ایک بچہ چار سال کا ہمارے پاس آتا ہے بارہ (۱۲) سال کے بعد وہ میٹرک کرتا ہے تو بارہ سال میں ہم اسے کہاں پہنچانا چاہتے ہیں......ہم اسے علمی استعداد میں کہاں دیکھنا چاہتے ہیں......؟

یہ تو طویل المیعاد منصوبے ہوگئے، لیکن مختصر اہداف بھی اساتذہ/معلمات سے لکھوائیں کہ اس بچہ نے درجہ اولیٰ میں ہمارے پاس داخلہ لیا ہے۔ سال کے آخر تک اس کی استعداد کہاں تک پہنچنی چاہیئے......تین ماہ میں کہاں تک......؟

پھر ان اہداف کو متعین کرنے کے بعد اساتذہ کو ہم خیال بنائیں کہ ہفتہ بھر میں کیا کیا کام ہوا......کتنا ہم منزل تک پہنچے ہیں......اور کتنا ہم منزل سے دور ہیں؟

کسی بزرگ کا قول ہے: ”جب بندہ صبح ... ارے غافل ہیں۔
چاہیئے کہ کچھ دیر اپنے دل کو فارغ کرے او... ”تو بہت جلد
کہے: اے نفس! میرے پاس سرمایہ صرف ...
تجارت اور منافع سے مایوس ہو جائے ...
مجھے مہلت دی ہے اور میری موت کو ...
سے اٹھالیتا تو میں تمنا کرتا کہ زندگی ...
عمل کرلوں۔

تو اے نفس! یہی سمجھ ...
دن کو ضائع کرنے سے ...
لے کہ بندے کے لئے ... چاہیئے
دن یہ الماریاں کھولی ... ت اس میں
نور سے بھری ہوں ... پرد کر کے ہم دیگر
حیرانی کی وجہ ... ان وہ ہے جو لوگوں کی
حال دوسری ... دے سکتا ہے اور پھر انہیں اعلیٰ
اندھیرا اور ... ہے۔ اور پھر ان کے لئے دعا بھی کرتا
عذاب ...
تمام ...

... رکھے یا ہر شخصیت اپنی ”ت“ کا خیال رکھیں، کہتے
... اپنی شخصیت میں ۱۴ ”ت“ جمع کرنی چاہیئے جب یہ چودہ
... ہوں گی تو آپ کو ادارہ/طلبہ/والدین سے شکایت نہیں رہے گی۔
... ت میں ① توازن ہو ② ترتیب ہو ③ تسلسل ہو۔ ④ آپ تفکر
... ہوں ⑤ آپ کے طریقے میں تسہیل (آسانی) ہو ⑥ آپ کے ساتھیوں
کے ساتھ کام کرنے اور کام لینے میں تواضع (انکساری) ہو۔ ⑦ آپ اپنے ساتھیوں

کی بہترین تربیت کر سکتے ہوں ⑧ ترغیب دے سکتے ہوں ⑨ تنبیہ کر سکتے ہوں۔ ⑩ اپنے معاملات کا تجزیہ کر سکتے ہوں ⑪ اساتذہ/معلمات/غیر تدریسی عملہ کے تزکیہ کی فکر ہو۔ فوراً کسی کی بات سن کر دوسرے کے خلاف فیصلہ نہ کریں، کچے کان کی نہ سنیں ⑫ ان کو وسیع تناظر میں دیکھ سکتے ہوں ⑬ آخر کار کامیابیوں ⑭ غلطیوں پر توبہ کر سکتے ہوں۔ درحقیقت یہ بہت سے ”ت“ ہیں جو کہ ادارہ ... دار کی شخصیت میں ہونے چاہئیں۔

⑨ مہتمم خود بھی ڈائری کلینڈر استعمال کریں اور اساتذہ کو بھی استعمال کروائیں۔

ڈائری کے استعمال کے فوائد

❊ ہم ڈائری کے ذریعے پورے سال کی منصوبہ بندی کرتے ہیں، ہر ماہ کا منصوبہ بناتے ہیں اور ہر روز کا پروگرام (شیڈول) بناتے ہیں۔

❊ ہم ڈائری کے ذریعے اپنے یومیہ معاملات کا نظام الاوقات متعین کرتے ہیں، تاکہ خالق جل جلالہ نے ہمیں جو یومیہ ایک ہزار چار سو چالیس (۱۴۴۰) منٹ دیئے ہوتے ہیں، ان کو بہتر طور پر استعمال کرسکیں۔ ساتھیوں اور طلبہ کو سمجھائیں کہ ایک گھنٹہ ضائع ہونے پر یہ نہ کہیں ایک گھنٹہ ضائع ہوا، بل کہ تین ہزار چھ سو سیکنڈ ضائع ہوئے۔ ایک استاذ پانچ منٹ درس گاہ میں دیر سے گیا تو یہ نہ سوچے کہ پانچ منٹ دیر ہوئی، بل کہ یہ سوچے کہ تین سو (۳۰۰) سیکنڈ کی تاخیر ہوئی، اور درس گاہ میں ۲۰ طلبہ ہیں تو چھ ہزار سیکنڈ ضائع ہوئے، اب تو سیکنڈ کے بھی حصے ہونے لگے ہیں۔

❊ ہم ڈائری کے ذریعے ہر لمحہ اس پوزیشن میں ہوتے ہیں کہ اپنی زندگی کے متعینہ مقاصد اپنی سرگرمیوں اور ان پر اوقات کے استعمال کا جائزہ لے سکیں۔ یہ عمل ”احتساب“ کہلاتا ہے۔

❊ ڈائری کے ذریعے ہم اپنی تمام مصروفیات، معاملات، معلومات (فوری نوعیت

کی) اور ذمہ داریوں کو تحریری صورت میں لے آتے ہیں۔

❊ ڈائری میں کاموں کی یومیہ فہرست لکھ کر ہم تجزیہ کرتے ہیں کہ کتنا کام کر سکے اور کتنا نہیں، اس کے ساتھ ساتھ اگر اس فہرست کے سامنے استعمال شدہ وقت کی مقدار بھی لکھ دی جائے تو ہمارے لئے آسان ہوگا کہ ہم وقت ضائع کرنے والے عناصر کو احاطہ تحریر میں لاسکیں۔ جائزہ لے سکیں اور اپنی اصلاح کر سکیں۔

❊ ڈائری کے ذریعے ہمیں اپنی کامیابیوں کا احساس ہوتا ہے۔

❊ ڈائری کے ذریعے ہم مختلف معاملات میں گواہی اور ثبوت دے سکتے ہیں۔

❊ یومیہ منصوبہ بندی کریں، مدرسہ/اسکول آنے سے پہلے مہتمم، صدر مدرس اکیلے کسی کمرہ میں بیٹھ کر جہاں کوئی فون نہ آئے نہ کوئی ملنے آئے یومیہ منصوبہ بندی کرے۔

ہمارے لئے سب سے اہم یومیہ منصوبہ بندی ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ ہمارے پاس ایک فہرست ہو جس میں ہمارے غیر مکمل امور درج ہوں۔ یہ ذاتی نوعیت کے امور بھی ہو سکتے ہیں اور مدرسہ/اسکول کے متعلق امور بھی۔ اس کے علاوہ ہمارے کرنے کے دیگر کاموں کی بھی فہرست ہو۔ گھر اور مدرسہ کے یومیہ معمول کے کاموں کی بھی فہرست ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ کو مدرسہ/اسکول میں اپنے کام کی تفصیلات اور تقاضوں کا علم ہو، اپنے اوقات کار اور ذمہ داریوں کا علم ہو، اپنے ذمہ داران کے مزاج اور طریقہ کار کا علم ہو۔

❊ مہتمم/پرنسپل/انتظامیہ اپنے ماتحت افراد سے ضرور گفتگو کریں ان کی گفتگو اور رائے کو اچھی طرح سنیں۔

اگر آپ اپنے ماتحت فرد سے گفتگو کر رہے ہیں تو اس کا مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ آپ اس سے بہتر سے بہتر طریقے سے کام لیں۔ اس کی صلاحیتوں کا علم حاصل کریں اور اس کے مطابق کام دیں۔ دفتر میں کشیدگی (ٹینشن) پیدا نہ ہو، اس لئے

آپ کو چاہیئے کہ آپ ان کی شکایات سنیں، ان کے مسائل جاننے کی کوشش کریں۔ انہیں ماتحت سمجھ کر دھتکاریں نہیں۔ زندگی پہیے کی مانند ہے، کبھی ایک حصہ نیچے ہوتا ہے اور کبھی وہی حصہ اوپر، کئی کم مرتبہ لوگ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اپنے سابقہ سینئر حضرات سے آگے نکل جاتے ہیں، ہر انسان کی عزت نفس ہوتی ہے، اس کا احترام کریں۔ اپنے کام کے معاملے میں نظم وضبط کا خیال رکھیں۔ لوگ وقت پر آپ کو کام کر کے دے دیں، بہتر سے بہتر طریقے سے دیں۔ آپ ان کے ساتھ سخت رہنا ضروری سمجھتے ہیں تو ضرور رہیے، مگر سخت گیر مت بنئے۔

آپ عزت دے کر ہی عزت لے سکتے ہیں۔ آپ دلوں کی بھڑاس سن کر دل جیت سکتے ہیں۔ آپ کا کام تو معذور افراد کو بھی چلنے کی تربیت دینا ہے تاکہ وہ کامیابی سے ہمکنار ہو سکیں۔ اس کے لئے زبان کی شیرینی ضروری ہے۔ سختی اور ترشی آپ کو تباہ کر دے گی۔ ہم نے دیکھا ہے کہ بعض مینیجروں اور افسروں کو تو حکم دینے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی، بل کہ یہ کہتے ہیں کہ یہ کام ہے اور کل تک کرنا ہے۔ ان کے ماتحت خود ہی یہ کام سنبھال لیتے ہیں، پھر کام رات جاگ کر بھی کرنا پڑے تو لوگ کر لیتے ہیں، اس لئے کہ آپ کا مینیجر یا افسر ہر دلعزیز ہے۔ وہ آپ کی بات سنتا ہے، وہ آپ کو عزت دیتا ہے، وہ آپ کا خیال رکھتا ہے۔

بحیثیت افسر آپ کو اپنے ماتحت افراد کی بھی رہنمائی کرنی پڑتی ہے، کبھی نصیحت کرنی پڑتی ہے، کبھی مشورہ دینا ہوتا ہے، کبھی حوصلہ افزائی، کبھی تدریس کرنی ہوتی ہے۔ پھر وہ جب آپ سے بات کرتے ہیں تو اس کا تجزیہ کرنا ہوتا ہے، تنقید کرنی ہوتی ہے، تصحیح کرنی ہوتی ہے، فیصلہ کرنا ہوتا ہے۔ زندگی کا یہ سفر چلتا رہتا ہے، مگر جس شخص کے ماتحت اس سے خوش ہوں، اسے سازشوں کا خوف بھی کم ہوتا ہے اور رات نیند بھی اچھی آتی ہے۔

جو بھی آپ سے گفتگو کے لئے آئے، اسے پہچاننے اور سمجھنے کی کوشش کیجئے۔

اس پر انفرادی توجہ دیجئے، اپنے چہرے اور آنکھوں کے تاثرات سے اسے احساس دلایئے کہ آپ اس کی بات توجہ سے سن رہے ہیں۔ اپنی حرکتوں سے اسے خوفزدہ مت کیجئے، گھڑی کی طرف مت دیکھئے، اگر آپ کو ناپسندیدہ خبر سنائی جائے تو ناراض مت ہو جایئے، سنانے والے کو منحوس مت کہئے۔ لوگوں کی باتوں سے غیر ضروری نتائج اخذ کرنے کی کوشش مت کیجئے۔ خواہ مخواہ کے مطلب اخذ مت کیجئے۔ جب آپ کو بات سنائی جا رہی ہو تو حوصلہ کے ساتھ سنئے۔ کڑی کسیلی بھی سنئے، جذباتی ہو کر جواب دینا شروع نہ کیجئے۔ وہ شخص جو آپ کو اپنی بات سنانے آیا ہے، آپ اس کی سننے کے بجائے اپنی بپتا مت سنایئے، بل کہ اسی کی طرف توجہ دیجئے۔ جب گفتگو اہم ہو تو اہم نکات لکھتے جایئے۔

اپنے ساتھیوں سے متعلق اپنی ہر قسم کی رنجش کو مٹا دیں۔ انہیں سمجھنے اور پسند کرنے کی کوشش کریں۔ انہیں نقصان مت پہنچائیں۔ ان کی کامیابی پر حسد اور منفی اثرات کا اظہار مت کریں۔ مبارک باد دیں۔ جب لوگ آپ کو آئیڈیا دیں یا کوئی مشورہ دیں تو فوراً رد مت کر دیں۔ منہ نہ بگاڑیں۔ ہر فرد جو آپ کو تجویز دینے آتا ہے، وہ اپنے دل میں ادارے کی بھلائی کے لئے سوچ کر آتا ہے۔ آپ کا اس انداز کا منفی رویہ اس کی تخلیقی سوچ کو منجمد کر دے گا۔

✲ اساتذہ وعملہ کے احوال معلوم کر کے ہمدرد بنئے۔

اساتذہ/عملہ بیمار ہو جاتے ہیں۔ آپ ان کی خیریت معلوم کیجئے۔ آپ کا ساتھی پریشان ہے تو اس کی پریشانی معلوم کرنے کی کوشش کیجئے۔ گھر کا کوئی فرد بیمار ہے جس کی بناء پر وہ شخص تاخیر سے آیا ہے تو آپ خیریت دریافت کیجئے۔ تاخیر سے آنے پر سختی مت کیجئے۔ لوگ اپنی پریشانیاں ہر ایک کو نہیں بتایا کرتے، لیکن ادارہ میں ایک دو افراد ایسے ہوتے ہیں، جنہیں ان کے معاملات کا علم ہوتا ہے، ان کے توسط

سے ان کی پریشانیاں معلوم کیجئے اور دور کرنے کی کوشش کیجئے۔

یاد رکھئے اگر آپ کے معاون یا ماتحت فرد کو اس بات کا احساس ہوگا کہ اس کا مہتمم اس سے اور اس کے خاندان سے ذاتی دل چسپی رکھتا ہے تو پھر وہ آپ کے ادارے کا ایک وفادار کارکن بن جائے گا۔

✲ نظام بہتر بنانے کی کوشش کریں۔

ہر شخص کی غلطی کو اس طرح سوچیں کہ اس میں میری کب غلطی ہوئی کہ اس نے ایسی غلطی کر لی۔ یا میں اس کو سمجھا نہیں سکا۔ یا لکھ کر ہدایت نہیں دی تھی یا میں نے پوچھنا چھوڑ دیا تھا، نگران نے نگرانی میں تغافل کر دیا۔ یا میں نے ان کی تربیت اس طرح نہیں کی تھی، یا میرا کوئی گناہ جس کی سزا مجھے یہ ملی ہے......؟

یہ بات واضح رہے کہ کوئی بھی شخص جان بوجھ کر غلطی نہیں کرتا۔ غلطی کی نہیں جاتی، ہو جاتی ہے۔ انسانوں کو ان کی غلطیوں کی سزا دینے سے بہتر یہ ہے کہ نظام میں ایسی تبدیلی کریں اور تربیت کے نظام کو اتنا بہتر بنائیں کہ اس قسم کی غلطیاں نہ ہوں، البتہ جرائم کی سزا خاطر خواہ ہو اور فوری ہو، تاکہ ادارہ برقرار رہے۔

✲ غلطی تسلیم کر لینی چاہیے۔

جب آپ سے کسی معاملے میں غلطی ہو تو اسے بخوشی اور وسعتِ قلبی کے ساتھ تسلیم کر لیں۔ غلطی کو صحیح ثابت کرنے کی غلطی مت کیجئے۔ اگر آپ نے یہ کام کیا یعنی غلطی کو تسلیم کر لیا تو لوگ آپ کا زیادہ احترام کریں گے۔

جھگڑوں کو ختم کرنے کے لئے بنیادی چیز اعتراف ہے۔ اگر کسی استاذ سے جھگڑے کی وجہ آپ کی غلطی ہے تو اسے تسلیم کر لیجئے۔ دوسروں سے اختلافات کا جائزہ لیجئے۔ سامنے والے کو دشمن سمجھ کر بات نہ کیجئے، بل کہ اپنی غلطیوں کا جائزہ لیجئے جو زیادتیاں آپ نے کی ہیں، ان کا اعتراف ضروری ہے ”درحقیقت زندگی کی سب

سے بڑی حقیقت اعتراف ہے۔"

❊ اساتذہ کو اپنا معاون سمجھیں۔

مہتمم کو چاہئے کہ اساتذہ و غیر تدریسی عملہ کو اپنا معاون سمجھے کہ پورے مدرسہ/ اسکول کو چلانا میرے اکیلے کی ذمہ داری تھی، اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ معاونین عطا فرمادیئے ہیں۔

اس سوچ کے ساتھ ان شاء اللہ ہر استاذ کے ہر کام کو آپ حوصلہ افزائی سے دیکھیں گے اور ہر ایک کو اپنا محسن سمجھیں گے۔

❊ لہٰذا ادارہ، انسٹیٹیوٹ، دارالعلوم، جامعہ کو کامیاب بنانے کے لئے ان ذمہ داریوں کو اچھی طرح ادا کرنے کی کوشش کرنی ہوگی۔

ماتحتوں سے کام لینے کے لئے ان باتوں کا خیال رکھیں

آپ مہتمم اور ذمہ دار ہوتے ہوئے اساتذہ سے کام لینے کے لئے بھی آپ کو ان اصولوں کی رعایت رکھنی ہوگی، اور استاذ ہوتے ہوئے طلبہ کی تعلیم وتربیت میں بھی ان اصولوں کا خیال رکھنا ہوگا۔

① بدگمانی سے بچنا ہوگا۔

مختلف لوگوں کی باتیں سن کر دوسرے لوگوں کے متعلق بدگمانی میں مبتلا مت ہو جائیے۔ افواہوں پر کان مت دھریئے۔ جب اختلافی کیفیت ہو تو لوگوں کو بٹھا کر بات چیت سن لیجئے اور شکایت دور کرنے کی کوشش کیجئے۔ ظلم کی علامتوں میں سے ایک علامت یہ بھی ہے کہ آپ کسی بات پر بغیر تحقیق کے ایسا فیصلہ کرلیں، جس کا دوسرا شخص سزاوار نہیں تھا۔

② تعریف کیجئے اور حوصلہ افزائی کیجئے۔

جب لوگ آپ کے لئے کام کرکے دیں تو ان کے کام کی تعریف کیجئے۔ یہ

تعریف آپ سب لوگوں کے سامنے کیجئے۔ حوصلہ بڑھتا ہے، کام میں لگن پیدا ہوتی ہے، لوگوں میں ترقی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ لوگوں کو ان کے کاموں کا کریڈٹ دیجئے۔ یہ ظاہر مت کیجئے کہ یہ سب آپ نے کیا ہے یہ کہنا آپ کی ناکامی کی علامت ہے۔ دوسروں کی اور خاص کر اپنے معاونین کی اچھے کاموں کی تعریف کیجئے۔

اصول یہی ہے کہ اگر برے کام پر تنقید کرنی ہوتی ہے تو اچھے کام کی تعریف بھی کرو۔ جس شخص کی دو کاموں میں تعریف ہوگی، اگر دو کاموں میں تنقید بھی کردی اور ڈانٹ بھی پلادی تو وہ شخص خوشی کے ساتھ اس ڈانٹ کو برداشت کرلے گا اور آئندہ اپنی اصلاح کی پوری کوشش کرے گا۔ نبی علیہ السلام کا طریقہ کار یہی تھا۔ ایک صحابی تھے، تہجد کی نماز میں اٹھنا ان کے لئے مشکل تھا۔ چناں چہ نبی علیہ السلام نے ان کو بلایا اور نام لے کر فرمایا کہ یہ آدمی بڑا ہی اچھا ہے مگر تہجد کا پابند ہو تو کیا ہی بات ہے۔[1]

تو محدثین نے لکھا کہ نبی علیہ السلام نے ان کو تہجد کے بارے میں کہنا تھا لیکن (Direct) (سیدھا) نہیں کہا کہ تم تہجد نہیں پڑھتے بل کہ اسے بلاکر پہلے تعریف کی کہ یہ تو نوجوان بہت اچھا ہے، کیا مزہ ہو کہ یہ تہجد کا بھی پابند بن جائے۔ اب دیکھیں بات تو وہی کرنی تھی مگر اس انداز سے بات کی کہ دوسرے کے دل میں اتر گئی۔ اسی طرح مثلاً جب بیوی گھر میں اچھے کام کرتی ہے تو اس کی تعریف کرے پھر جو کام کمی یا کوتاہی کے ہیں ان کی جب آپ نشان دہی کریں گے تو آپ کی بات دماغ کے خانے میں بیٹھ جائے گی اور وہ بڑی جلدی آپ کی بات کو قبول کرلے گی۔ یہ بہت بہترین اصول ہے کہ انسان اچھے کام کی تعریف کرے پھر اس کی تنقید سنی جاتی ہے اور برداشت کی جاتی ہے۔ اور جب تعریف کرنے میں زبان گنگ ہو تو پھر اس کی تنقید بھی اچھی نہیں لگتی اور اس طرح گھر میں جھگڑے ہوتے ہیں۔ بیوی کہتی

[1] مسند احمد: ۱۴۶/۲، رقم: ۶۲۹۴

ہے کہ اسے تو میرے کاموں سے کوئی دل چسپی نہیں۔

آج کل تو سائنس نے بھی یہ بتا دیا کہ جانوروں کو بھی (Appreciate) کیا جائے تو وہ بھی اچھا کام کرتے ہیں۔ لہٰذا جو لوگ جانوروں کو ٹریننگ دیتے ہیں ذرا ان سے پوچھ کر دیکھئے۔ ان کا بھی ایک ہی طریقہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ڈالفن مچھلی کو تیراکی کے کرتب سکھانے کے لئے (Trainer) (سکھانے والا) عجیب طریقہ کار اختیار کرتے ہیں۔ دیکھنے میں عجیب سا کام ہے کہ ایک انسان کے اشارے پر یا آواز پر وہ ڈالفن مچھلی پانی میں سے چھلانگ لگا کر کتنے فٹ اونچا ایک فٹ بال لٹکا ہوتا ہے اس کو کک لگا دیتی ہے۔ مگر کیا ہوتا ہے کہ جیسے ہی اس نے کک لگائی اسی وقت وہ اپنے ٹریز کے پاس آتی ہے اور ٹریز فوراً اس کے منہ میں چھوٹی چھوٹی مچھلیاں ڈال دیتا ہے۔ یہ کیا ہے یہ اسے (Appreciation) مل رہی ہوتی ہے۔ تو ایک ہی اصول سب جگہ ہے۔ کہ جب کوئی کام ٹریز کی مرضی کے مطابق کر دیتے ہیں۔ ٹریز ان کو (Appreciate) کر دیتا ہے، انعام دے دیتا ہے اور اس انعام کے پیچھے حیوان بھی انسانوں والے کام کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ تو نتیجہ یہ نکلا کہ حیوان بھی (Appreciation) کے بعد انعام کے بعد انسانوں کی طرح باتیں کرنی شروع کر دیتے ہیں۔ جیسے طوطا ہے۔ طوطا بولتا تو نہیں ہے۔ لیکن لوگ اس کو ٹرینڈ کرتے ہیں تو طوطا آنے جانے والوں کو السلام علیکم کہتا ہے۔

ہم[1] امریکہ میں ایک گھر میں داخل ہوئے تو داخل ہوتے ہی کسی نے سلام کیا ایسی آواز تھی کہ ہم حیران ہی ہو گئے۔ ہم نے کہا تو ہی وعلیکم السلام لیکن ہمیں آگے پیچھے کوئی بندہ نظر نہ آیا۔ بڑے حیران ہوئے۔ صاحبِ خانہ سے پوچھا تو اس نے مسکرا کے پنجرے کی طرف اشارہ کر دیا۔ وہاں ایک طوطا تھا۔ وہ آنے والوں کو السلام علیکم کہتا تھا اور جانے والوں کو وہ گڈ بائے کیا کرتا تھا۔ اتنا عجیب

[1] یعنی مراد اس سے حافظ ذوالفقار احمد صاحب دامت برکاتہم ہیں۔

کہ انسان حیران ہو جائے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ آپ نے اسے یہ کیسے سکھا دیا۔ وہ کہنے لگا کہ جی پرندوں کو (Trained) (سکھانے) کرنے کا آسان دستور یہ ہے کہ اس کو ایک کام کہیں اور اگر یہ اس کو کر لے تو اس کو انعام دیں۔ اس کو (Appreciate) کریں چناں چہ جب پہلی مرتبہ اس نے کوئی لفظ ٹھیک بولا تو میں نے اس کو پیار کیا اور دانہ کھلایا۔ تو پھر اس نے میری بات کو قبول کرنا شروع کر دیا۔ یہاں سے پتا چلا کہ جب حیوانوں کو انسان (Appreciate) کرتا ہے اور ان کو (Reward) (صلہ) دیتا ہے تو حیوان بھی انسانوں والے کام کرنے شروع کر دیتے ہیں۔ پھر انسان تو بالآخر انسان ہے۔[1]

اگر آپ کے معاونین سے کوئی غلطی ہو جائے تو اس کی نشاندہی سب کے سامنے مت کیجئے، انہیں سب کے سامنے ذلیل مت کیجئے، انہیں ڈانٹنے اور دھمکانے کی کوشش مت کیجئے، ان کا مذاق مت بنائیے۔

اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اگر آپ کے پاس علیحدہ کمرہ ہے تو ٹھیک، ورنہ شام کو دیر سے اسے بلا کر وجہ پوچھئے کہ یہ غلطی کیوں ہوئی، اسے بتائیے کہ اس غلطی کا ادارے کو اور آپ کا ذاتی طور پر کیا نقصان ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتائیے کہ اس قسم کی غلطیوں سے بچنے کے لئے مناسب طریقہ کار کیا ہے۔ اس انداز سے غلطیوں کا سلسلہ کسی حد تک کم ہو جائے گا۔

۳ خواہ مخواہ کی تنقید مت کیجئے۔

اگر آپ باصلاحیت فرد ہیں تو پھر آپ کی ایک خوبی یہ ہوگی کہ آپ اپنے ساتھیوں اور ماتحت و معاونین پر غیر ضروری اور خواہ مخواہ تنقید نہیں کریں گے۔ اس تنقید کے ذریعے اپنی بڑائی اور وجود کو تسلیم کرانے کی کوشش نہیں کرائیں گے، بل کہ آپ میں وہ حکمت ہونی چاہئے کہ جس کے باعث آپ لوگوں میں موثر کردار ادا کر

[1] مثالی ازدواجی زندگی کے اصول: ص ۱۰۱ تا ۱۰۴

سکیں۔

④ وعدہ پورا کیجئے۔

اگر آپ لوگوں سے ان کی تنخواہوں، گریڈ اور پوزیشن کے سلسلے میں کوئی وعدہ کریں تو پھر آپ اسے پورا کرنے کی ضرور کوشش کریں۔ یہ کوشش حتی الامکان ہونی چاہیے، ورنہ لوگ آپ کو ٹالنے والا فرد محسوس کریں گے۔

⑤ حسن کارکردگی پر انعام دیجئے۔

مدرسہ، اسکول، مکتب جامعہ میں حسن کارکردگی کو تسلیم کرنے اور اس کا صلہ دینے کا نظام پیدا کیجئے جو لوگ اچھا کام کریں انہیں ان کی کارکردگی پر ہلکا سا، چھوٹا سا انعام ضرور دیں۔ ورنہ کم از کم تعریف تو ضرور کریں۔ لوگوں کے بوڑھا ہونے کا انتظار نہ کریں۔ وہ جھکی کمر کے ساتھ آپ کے انعام کو دیکھیں گے یا اپنی گزری ہوئی زندگی کو یا قبر کو، بہتر تو یہ ہے کہ انعامات کا سلسلہ ماہانہ بنیادوں پر اور اگر یہ ممکن نہیں تو سہ ماہی بنیادوں پر یا کم از کم سالانہ بنیادوں پر متعارف کرانا چاہیے۔

⑥ محض جاسوسی مت کیجئے۔

اپنے ساتھیوں کے پیٹھ پیچھے معلومات حاصل کرنے کی کوشش مت کیجئے۔ ان کی غیر موجودگی میں ان کی فائلیں، کاغذات اور درازیں مت دیکھئے۔ اگر یہ حرکتیں ہوئیں تو ادارہ کے ماحول میں کشیدگی پیدا ہو جائے گی۔

⑦ کام جس سے جو لینا ہے وہ اچھی طرح سمجھائیں یا لکھ کر دیں۔

اگر آپ مؤثر طریقے سے کام لینا چاہتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کو مستعد رکھنا چاہتے ہیں تو ضروری ہے کہ آپ جو کام بھی کریں وہ پہلے سمجھائیں کہ یہ کام کیا ہے، اس کی ضرورت کیا ہے، اس سے آگے کیا کام کیا جائے گا۔ یہ کام کس طرح سے کیا جائے گا، اس سلسلے میں کیا کیا وسائل استعمال ہوں گے، کام کے دوران کون کون سی مشکلات پیش آئیں گی اور ان مشکلات پر کیسے قابو پایا جا سکتا ہے۔ وہ کون سے

معاملات ہیں، جہاں تصوراتی بھول چوک یا غلطی کے امکانات ہو سکتے ہیں۔ اس طرح لوگ مستعد ہو کر کام کریں گے۔ کام دینے کے بعد اس خوش فہمی میں نہ رہئے کہ کام مکمل ہونے کے بعد وہ اطلاع دے گا، بل کہ خود ہی پوچھئے کہ کام مثلاً ایک ہفتہ کا ہے تو دو دن بعد پوچھے کام شروع ہو چکا پھر دو دن بعد پوچھے درمیان میں پہنچا پھر آخیر میں پوچھئے پورا ہو گیا۔

آپ اس خوش فہمی میں رہیں گے ہفتہ بعد بتلائے گا کام ہو گیا تو ایسے خوش قسمت کم لوگ ہیں جن کو ایسے وزراء یا معاونین ملے ہوں۔

لہٰذا خود پوچھئے تا کہ ہفتہ بعد وہ نفی میں جواب دے تو مزید افسوس ہوگا، اور ہفتہ مزید ضائع ہوا اسی طرح ہر کام جو کسی کو دیا گیا تو ڈائری میں لکھ لیں کہ دو دن بعد یا دو گھنٹے بعد یا دو ماہ بعد پوچھنا ہے۔

ہمیشہ مخاطب کے ذہن وفکر کا جائزہ لے کر گفتگو کیجئے۔ جو بات آسانی کے ساتھ عام فہم مثال کے ذریعے سمجھائی جا سکتی ہو اس کے لئے منطق اور ریاضی کے حوالے مت دیجئے۔

حقائق و اعداد و شمار حاصل کرنے کے بعد معاملات میں فیصلہ کیجئے۔ اپنے کان کچے مت رکھئے، تحقیق پوری کیجئے، جذباتی ہو کر فیصلے مت کیجئے۔ فوراً الزام نہ لگائیے۔ خواہ مخواہ کی عداوت مت رکھیں، بل کہ انسان کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ مخاطب کو سمجھنے میں غلطی ادارہ کے ماحول کو خراب کرتی ہے۔

اسی طرح مہتمم اور پرنسپل کو ان باتوں کو اپنی میز پر لکھ کر رکھنا چاہئے کہ ان باتوں پر روزانہ نظر ڈال کر عمل کرنے سے مہتمم اور اساتذہ کے درمیان غلط فہمیاں، بدگمانیاں اور اختلافات دور ہو کر الفت و محبت پیدا ہوگی۔

لہٰذا ان باتوں کے ذریعے تکلیف کو کم کیجئے یا دور کیجئے۔

❊ آپ ہمیشہ مثبت انداز اختیار کیجئے۔ یہ خیال مت کیجئے کہ دوسرا فرد آپ سے

دشمنی کر رہا ہے۔ لوگوں کے بارے میں اچھا گمان رکھئے۔ خواہ مخواہ عیب بیان کرتے مت پھریئے۔

✽ آپ زندگی کے تمام معاملات میں لوگوں کی بات سننے اور خود زیادہ خاموش رہنے کی کوشش کیجئے۔ جہاں غلط فہمی ہو، فوراً ہی گفتگو کر کے غلط فہمی کو دور کر لیجئے۔ اصل میں غلط فہمی کا احساس گفتگو کرنے کے بعد ہوتا ہے۔

✽ اجتماعی معاملات میں ایثار اور قربانی کا رویہ اختیار کیجئے۔ اپنی رائے کی قربانی بہت بڑی قربانی ہے۔ قوتِ برداشت اور صبر اختیار کیجئے، ضد اور ہٹ دھرمی سے بچئے، غصہ کو ضبط کیجئے۔

ہم نے سنا ہے حضرت مولانا انعام الحسن صاحب رَحِمَهُ اللهُ تَعَالَىٰ فرماتے تھے جب سے امیر بنا ہوں اپنی رائے ختم کر دی ہے، دوسروں کی کثرت رائے پر فیصلہ کر لیتا ہوں۔

✽ اجتماعی فلاح کا جذبہ پیش نظر رکھئے اور مصالحانہ انداز اختیار کیجئے۔

یاد رکھئے! شیطان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ مسلمان آپس میں لڑیں، روزانہ شام کو کارگزاری کے وقت شیطان کی خوشی کی کیفیت کیا ہوتی ہوگی، جب دو مسلمان آپس میں لڑ رہے ہوں، میاں بیوی اختلافات کا شکار ہوں، ہزاروں روپے خیرات اور زکوٰۃ دینے والے مسلمان اختلافات کے باعث کاروبار بند کر کے عدالت کے کٹہرے میں کھڑے ہوں۔ دفتر کے دو ساتھی، کلمہ گو ساتھی برابر کی میز پر بیٹھ کر ایک دوسرے پر فقرے کس رہے ہوں۔ شیطان کتنا خوش ہوتا ہوگا جب ایک کلمہ گو دوسرے کلمہ گو کو محض مسلک، پارٹی اور زبان کی بنیاد پر قتل کر رہا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ امت مسلمہ کو تباہ و برباد کرنے کے لئے سب سے بڑا حربہ جو شیطان نے اپنایا ہوا ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمان آپ میں کسی نہ کسی بنیاد پر لڑتے رہیں۔ یاد رکھئے! مسلمان

کو غیر مسلم شکست نہیں دے سکتے، لہٰذا اسے اپنوں ہی سے لڑایا جاتا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ شیطان کی غلامی اور اطاعت سے باہر آیئے۔ اعتراف، معذرت، معافی اور درگزر کے رویہ کو اختیار کیجئے۔ اپنے ظرف کو وسیع کیجئے اور آپس میں اختلافات کو ختم کیجئے، قربانی دیجئے، ایثار سے کام لیجئے۔ اس کے علاوہ آپ دو مسلمانوں کے درمیان مصالحت کروانے کی بھی کوشش کیجئے۔ یہ بڑی عبادت ہے۔ اللہ سے دعا کیجئے کہ وہ اس عبادت کو قبول فرمائے۔

تفویض

جو کام نائب مہتمم، ناظم الامور، ناظم تعلیمات، صدر مدرّس، محاسب، دارالاقامہ کا ذمہ دار ہاؤس ماسٹر، قیم، ناظم مطبخ کر سکتے ہیں ان کو لکھ کر اختیار دے دیجئے کہ اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے ان امور میں آپ فیصلہ کر سکتے ہیں۔

مرکزی فیصلہ کا انتظار نہ کریں۔ اگر کوئی ایسا امر ہے کہ مرکزی فیصلہ کی ضرورت ہے تو عارضی فیصلہ کر لیں کہ ہفتہ واری ذمہ داروں کا جو مشورہ ہوگا اس میں یہ امر رکھ لیں گے۔ چھوٹے چھوٹے معاملات کو ادارے کے سربراہ کی حیثیت سے اپنے کنٹرول اور فیصلے کے تابع مت رکھئے، ورنہ کافی پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا اور ادارہ کے ذمہ دار حضرات کو فیصلہ کرنے میں تاخیر اور آپ سے ملاقات کے انتظار میں کافی وقت ضائع ہو جائے گا۔ اگر ہم امور کو نچلے درجے تک تفویض کر دیں اور ہر مرحلہ پر عوامی احتساب کا نظام متعارف کرا دیں تو تاخیر اور بدعنوانی دونوں سے بچ سکیں گے۔

چند غلطیاں

(الف) اپنی غلطیاں دوسروں کے سر تھوپنے کی کوشش مت کیجئے۔

اس سے ادارے کا ماحول خراب ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں متعلقہ افراد سے

بالمشافہ گفتگو کر لی جائے تو بہتر ہے۔

(ب) کسی سے غلطی ہو جائے تو اعتراف کرانے کے لئے بحث نہ کیجئے۔

اگر سامنے والا مخاطب ضدی ہے یا بحث کی عادت ہے تو اس وقت خاموش ہو جائے۔ اس سے آپ کا وقار بھی مجروح ہوسکتا ہے اور آپ کا قیمتی وقت جو کسی اور مثبت کام میں لگ سکتا ہے وہ ضائع کر دیں گے، اور اس سے طبیعت میں مزید غصہ الجھن، ذہنی انتشار پیدا ہوگا جس کا اثر دوسرے کاموں پر پڑے گا۔

(ج) فوراً برطرف مت کیجئے۔

لوگوں سے متعلق شکایات سن کر انہیں فوراً برطرف مت کیجئے، بل کہ جن کے متعلق شکایات کی گئی ہیں انہیں صفائی کا موقع دیجئے۔

(د) سخت گیر مت بنئے۔

ادارہ میں پولیس مین بن کر مت رہیے۔ ماتحتوں پر اتنی کڑی نگاہ نہ رکھیں کہ لوگ فرار ہونے کی یا آپ سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ لوگوں کے لئے سخت گیر بھی مت بنئے۔ نرمی اور نرم دلی آپ کو فائدہ پہنچائے گی، لیکن کام کے معاملے میں رعایت نہ کریں۔

(ہ) بسا اوقات مہتمم/ پرنسپل دیر سے آتے ہیں اور اساتذہ صبح سے آئے ہوئے ہوتے ہیں، پھر مہتمم یہ توقع رکھے کہ عملہ بھی اس کے ساتھ دیر تک بیٹھا رہے۔ دفتر دیر سے پہنچنا، چاہے وہ ادارہ کا ہی کام ہو اور پھر ماتحتوں کو اپنی تاخیر کی سزا دینا بھی بہت بڑی غلطی ہے۔ اسی طرح اساتذہ ناظم تعلیمات کا بھی دیر سے پہنچنا غلطی ہے۔ دونوں وقت کا خیال رکھیں۔

ادارے سے نقصان دہ چیزوں کو ہٹائیں

مہتمم اور پرنسپل ادارہ میں خود بھی چکر لگائے کہ کوئی نقصان دہ چیز بچے کو تکلیف

نہ پہنچائے۔ مثلاً نجار (کارپینٹر) کا کام ہو رہا ہے اور کیل راستہ پر ہے خدا نہ کرے کسی بچے کے پیر کو لگ گئی اور اس لوہے کی کیل کا زہر بچے کے جسم میں چلا جائے اور وقت پر علاج نہ ہو تو بعد میں بڑی پریشانی پیدا ہو جاتی ہے۔

اسی طرح بجلی کے ننگے تار یا بجلی کی کوئی غیر مرمت شدہ چیز یا گیس کا خراب ہیٹر ان سب امور کا بہت خیال رکھا جائے۔

ہمارے دوست کا ایک بھانجہ کسی ادارہ میں شہید ہوگیا، وجہ یہ ہوئی کہ پانی کے کولر میں جو بلب جل رہا تھا اس پر پلاسٹک کا کور نہیں تھا، اس بچے نے وہاں انگلی رکھی اس کو کرنٹ نے کھینچ لیا اور شہید ہوگیا۔ بعض مدرسہ اور اسکول کے وضو خانہ اور مطعم وغیرہ پر ٹائلیں ایسی ہوتی ہیں جس پر بچے پھسل کر گر جاتے ہیں تو ایسی ٹائلیں ہٹا دی جائیں تا کہ بچے گرنے سے بچ جائیں۔

اسی طرح مدرسہ اور اسکول کی گیلری اور اوپر چھت کی طرف راستہ بھی بند کیا جائے کہ کوئی حادثہ پیش نہ آئے اور مدرسہ کے اسٹور میں بھی وقتاً فوقتاً دیکھا کرے کہ کوئی قیمتی اور ضرورت کی چیز وہاں پڑے پڑے خراب تو نہیں ہو رہی، اگر خراب ہو رہی ہے تو وہاں سے اٹھوا کر ضرورت میں استعمال کرا لیا جائے۔

ہفتہ واری مشورے کا ضرور اہتمام کیا جائے

مہتمم اور پرنسپل کو اساتذہ کے ساتھ ہر ہفتہ ضرور مشورہ کرنا چاہیئے اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ ادارہ میں بہتری آئے گی، مشورے کے چند آداب کو لکھا جاتا ہے۔

(الف) مشورہ میں ہر فرد کے احساس کو محسوس کیا جائے۔

(ب) اختلافی امور کو رد نہ کیا جائے بل کہ محسوس کیا جائے اور ان کا تجزیہ کیا جائے۔

(ج) میٹنگ/ مشورہ کے دوران ذاتیات، تعصب اور انا کی جنگ شروع نہ کی جائے۔

(د) طے شدہ امور پر عمل درآمد کا جائزہ لیا جائے۔ یعنی کارگزاری لی جائے کہ پچھلے

ہفتہ یہ امور طے ہوئے تھے فلاں، فلاں کے ذمہ یہ کام تھے، کتنے ہوگئے......؟

ہرایک اپنے آپ کو احتساب کے لئے پیش کرے اور اصلاح کے لئے تجاویز طلب کرے۔ دیکھئے ترقی کی راہیں کسی قدر کھلتی ہیں۔

(ر) دوسروں کی گفتگو میں خواہ مخواہ کی مداخلت نہ ہو۔ شخصی حملوں سے پرہیز کیا جائے۔ عزت تو جانور کو بھی بہت پیاری ہوتی ہے اس کا خیال رکھا جائے۔

(س) اپنی رائے اور خیالات کو ٹھونسنے کی کوشش نہ کرے اور اپنے کسی ساتھی کی رائے کو فضول نہ سمجھے اور اس پر نہ ہنسے تاکہ اس کی دل شکنی نہ ہو۔

(ص) کسی کی غلطی کو پکڑنے کی، لقمہ دینے کی اور بار بار حوالہ دینے کی کوشش نہ کرے۔

(ط) کم گو شرکاء کو بولنے کا موقع دے اور انہیں اس انداز سے گھیر لے کہ وہ ضرور شریکِ گفتگو ہوں۔ ہر شخص سے رائے لی جائے۔

(ع) کسی نقطہ نظر پر اجتماعی ہم آہنگی پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ ضد اور ہٹ دھری سے بچے۔ ناک اور انا کا مسئلہ نہ بنائے۔ اپنے اختیارات کو کم از کم استعمال کرنے کی کوشش کرے تاکہ ہم آہنگی برقرار رہے۔ ذاتی حملوں سے محفوظ رہے اور محفوظ رکھے۔



مثالی استاذ ایک نظر میں

آخر میں مختصراً مدرس کے فرائض کا خاکہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱ مدرس کو تدریس سے پہلے اس کے لئے تیاری کرنی چاہیئے۔

۲ مدرس طلبہ کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئے۔

۳ مدرس اپنے کام کو حصولِ رزق کا وسیلہ نہیں، بل کہ دینی ومعاشرتی خدمت تصور کرے۔

۴ طلبہ کے سامنے دوسرے اساتذہ کی ذات اور ان کے طرزِ تدریس پر نکتہ چینی نہ کرے۔

۵ مدرس اپنی جملہ توجہ طلبہ کے کردار کی تشکیل پر دے۔ مندرجہ بالا فرائض کے ساتھ مدرس کو چاہیئے کہ اپنا اندازِ بیان اور طریقہ تدریس آسان بنائے، اس لئے کہ جو شخص اپنے مخاطب کی ذہنی سطح کو نظر انداز کر کے نصیحت کرتا ہے تو اس کی گفتگو سے بعض اوقات نفع کم اور نقصان زیادہ ہونے کا خطرہ ہوتا ہے، مدرس کے قول وفعل میں تضاد نہ ہو اور اسے اپنے نفس کی اصلاح کی فکر ہو۔ جس کے لئے ضروری ہے کہ کسی صاحب باطن اہل دل سے مکمل رابطہ ہو، اس کے بغیر عادۃً تجربۃً معلومات معمولات نہیں بن سکتیں۔

مدرس طلبہ کی حوصلہ افزائی کرے، تاکہ وہ استاذ کی نقل وتقلید کے علاوہ خود بھی تعمیری کام کرسکیں۔ مدرس ذاتی طور پر تدریس کے میدان میں آگے بڑھنے کے لئے مطالعہ وتحقیق کرتا رہے۔

مدرس کو خوش مزاج اور پرامید ہونا چاہیئے اور دورانِ تدریس مناسب موقعوں پر خوش مزاجی کا مظاہرہ کرنا چاہیئے، کیوں کہ بعض دفعہ خوش مزاجی تدریس کے لئے بڑی مؤثر ہوتی ہے۔

❻ معلم کو اپنے کارِ منصبی نہایت ذمہ داری سے ادا کرنے چاہئیں، تا کہ جو درس وہ دے رہا ہو، وہ طلبہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرائے اور دورانِ تعلیم فضول گوئی، ہرزہ سرائی، جھوٹی سچی باتوں اور زمین و آسمان کے قلابے ملانے اور بے سروپا حکایات سنانے یا اپنے ذاتی حالات کا ذکر طلبہ کے سامنے کرنے سے گریز کرے، بل کہ طلبہ میں اپنی شخصیت لباس طرزِ عمل اور علمیت سے وقار قائم کرے۔

اپنا قلم اپنی کتاب ساتھ لے کر جائے، ایسا نہ ہو کہ خالی ہاتھ درس گاہ میں جائے اور طلبہ سے کتاب لے اور پوچھے کہ گذشتہ روز کہاں تک پڑھا تھا؟

❼ دورانِ سبق طالب علم کو حاضری رجسٹر لانے یا کسی دوسرے کام سے باہر بھیجا جاتا ہے، جس سے طالب علم کا وقت بھی ضائع ہوتا ہے اور طالب علم کو علمی نقصان بھی پہنچتا ہے، اس سے حتی الامکان گریز کرنا چاہیے۔

❽ نیز درس گاہ میں داخل ہوتے وقت سلام کرنا چاہیے اور سبق شروع کرنے سے پہلے حاضری لینا اور طلبہ کے پاس کتابیں وغیرہ دیکھنا ان کی صحت اور صفائی کا خیال رکھنا، غیر حاضر طلبہ کے بارے میں معلومات کرنا اور اگر بیمار ہوں تو ان کے لئے دعا کرنا۔

اور ممکن ہو تو ان کی عیادت کے لئے جانا اور غلط طریقے پر اور بے نیازی کے انداز میں بیٹھے ہوئے طلبہ کو سیدھا بیٹھنے کی ہدایت کرنا، معلم کی خوبی ہے نیز طلبہ کے ساتھ زیادہ فضول ربط وضبط بڑھانے سے گریز کرے اور طلبہ کی ہمت افزائی کے لئے وقتاً فوقتاً انعامات دینے کا سلسلہ جاری رکھے۔

❾ نیز بلا ضرورت رخصت پر نہ جائے، بل کہ مدرسہ میں داخل ہوتے ہی سارا وقت درس وتدریس اور مطالعہ میں گزارے، خوش گپیوں اور بیکار کاموں میں وقت ضائع نہ کرے حتیٰ کہ ادارہ میں اخبار بھی پڑھنے سے گریز کرے۔

کیوں کہ اخبار پڑھنا فرضِ منصبی میں داخل نہیں، بل کہ کوئی واقعی ضرورت ہو تو اپنے گھر جا کر اطمینان سے اخبار پڑھے اور واقعی ضرورت والی نوعیت میں بھی شرعی مفاسد سے مکمل طور سے بچتے ہوئے (مثلاً ناجائز مواد اور جاندار تصاویر پر نظر نہ ڈالنا) اخبار بینی کی گنجائش تو ہے ورنہ جس طرز پر چھاپنے والے چھاپ رہے ہیں اور جو پڑھنے والوں کے احوال ہیں یہ سب بے شمار کبیرہ گناہوں پر مشتمل ہیں۔[1]

نیز ڈپریشن خوف وغیرہ کی بیماری اخبار بینی سے پیدا ہوتی ہے، اسی طرح اخبار میں غیبت، جھوٹ اور چغلی پڑھنے کا الگ گناہ لازم آتا ہے اور ان میں چھاپی گئی وہ خبریں جو شرعاً معتبر بھی نہ ہوں، ان کو بلا تحقیق آگے بڑھا دینا کہ یوں ہو گیا یا فلاں یوں کہتا ہے یہ خود ایک مستقل غیر ذمہ دارانہ عمل ہے، جو شرعاً قبیح بھی ہے۔ آپ چالیس دن اخبار پڑھنا چھوڑ دیں ان شاء اللہ آپ کے دماغ کو بہت سکون ملے گا۔

اساتذہ کی جماعت کو تو چاہیے کہ اخبار اور موبائل فون سے بہت بچیں کہ یہ وقت ضائع کرنے کا آسان اور سستا نسخہ ہے، جتنا وقت روزانہ اخبار پڑھنے اور موبائل سے کھیلنے میں لگتا ہے، وہی وقت تلاوتِ قرآن کریم میں احادیث اور دوسری مفید کتابوں کے مطالعہ میں لگ جائے تو دنیا و آخرت کا کتنا فائدہ ہو جائے۔

یاد رہے کہ ناپ تول کی کمی جس کو قرآن میں تطفیف کہا گیا ہے صرف ڈنڈی مارنے اور کم ناپنے کے ساتھ مخصوص نہیں، بل کہ کسی کے ذمہ دوسرے کا جو حق ہے اس میں کمی کرنا بھی تطفیف میں داخل ہے، جیسا کہ مؤطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص کو نماز کے ارکان میں کمی کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: تو نے تطفیف کر دی یعنی جو حق واجب تھا، وہ ادا نہیں کیا، اس کو نقل کر کے

[1] دیکھئے امداد الفتاوی: ٤/٧٠/١٦٤، جواهر الفقه: ٢/٤٦٥، احسن الفتاوی: ٨/١٩٠/٢٣٣

امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ فرماتے ہیں لِكُلِّ شَيْءٍ وَفَاءٌ وَتَطْفِيفٌ۔[1] ''یعنی حق کا پورا دینا اور کمی کرنا ہر چیز میں ہوتا ہے''، (صرف ناپ تول میں ہی نہیں)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو ملازم اپنی ڈیوٹی پوری نہیں کرتا، وقت چراتا ہے، یا کام میں کوتاہی کرتا ہے، وہ کوئی وزیر وامیر ہو یا معمولی ملازم اور وہ کوئی دفتری کام یا علمی اور دینی خدمت کرنے والا ہو، جو حق اس کے ذمہ ہے، اس میں کوتاہی کرے تو وہ بھی مطففین میں داخل ہے، اسی طرح مزدور جو اپنی مقررہ خدمت میں کوتاہی کرے وہ بھی اس میں داخل ہے۔

۱۰ نیز صدر مدرس اور ناظم مدرسہ کے احکامات کی پوری طرح تعمیل کرے، انتظامی اور تدریسی امور میں متعلقہ حضرات کی ہر ممکنہ مدد کرے اور مقررہ وقت پر نصاب ختم کرنے کی کوشش کرے، اپنے ہر فعل اور قول میں طلبہ کی بھلائی کو مدنظر رکھے، مدرسہ کے اندر کوئی ایسی حرکت نہ کرے، جو کہ مدرسہ اور طلبہ وغیرہ کے لئے نقصان دہ ہو، بل کہ اپنے کردار سے یہ ثابت کرے کہ اگر طلبہ کو یہ مضمون دیا جائے کہ ''میرا پسندیدہ استاذ کون ہے'' تو وہ اس استاذ کا نام لیں۔

۱۱ استاذ شاگردوں پر شفقت کرے، ان کو اپنے بیٹوں کے برابر جانے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ''[2]

تَرجَمۂ: ''میں تم میں شفقت کے اعتبار سے ایسا ہوں جیسے باپ (اپنے بچوں کے لئے ہوتا ہے)۔''

گویا معلم شاگردوں کو آخرت کی آگ سے بچاتا ہے اور والدین دنیا کی آگ سے۔ اس لئے استاذ کا حق ماں باپ کے حق سے بڑھ کر ہے، باپ اس کی زندگی اور

[1] موطا امام مالک، کتاب وقوت الصلوٰۃ، باب جامع الوقوت: ص ۸

[2] نسائی، کتاب الطهارة، باب النهی عن الاستطابة بالروث: ۱/۱۶

وجود فانی کا سبب ہے اور استاذ اس کی ابدی زندگانی سنوارنے کا باعث ہے۔

۱۲ آداب تعلیم یعنی سکھانے میں صاحب شریعت کی پیروی کرے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کی نیت کرے۔ جزا یا شکریہ کا قصد نہ کرے اور نہ طلبہ پر احسان جتلانے کی نیت کرے۔

۱۳ شاگردوں کو نصیحت کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔

۱۴ طالب علم کو اگر سوءِ خُلق پر سزا دے تو بطریق تعریض اور بطریق رحمت دے۔

۱۵ جو علم پڑھا رہا ہو اس کے علاوہ جو دوسرے جائز علوم ہیں، ان کی مذمت طلبہ کے سامنے نہ کرے۔

۱۶ طالب علم کی سمجھ کے مطابق تقریر کرے ایسی تقریر نہ کرے جو اس کی سمجھ سے بالاتر ہو۔

۱۷ استاذ اپنے علم پر عامل ہو تا کہ اس کے فعل سے اس کے قول کی تکذیب نہ ہو۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

آدمی جتنے ہیں، وہ صورت میں ہیں سب ایک سے
باپ ہے تو سب کا ہے آدم، حوا سب کی ماں
ہو شرف پر اصل کے گر، فخر ان کو تو کہیں
اصل ان کا کیا ہے، پانی اور مٹی کے سوا
ہاں بدن پر عالموں کے ہے قباءِ فخر چست
کیوں کہ خود ہیں راہ یاب اور دوسروں کے راہنما
حسن جس شے سے حاصل ہے وہی انسان کی قدر
جاہلوں کو عداوت عالموں سے ہے صدا
سیکھ ایسا علم جس سے ہو تو زندہ تا ابد
لوگ سب مردے ہیں پر عالم ہے زندہ دائما

۱۸ ابتداء میں اتنا سبق پڑھائے کہ سہولت کے ساتھ مبتدی دو مرتبہ دہرا سکے اور پھر آہستہ آہستہ بتدریج زیادہ کرتا جائے۔

۱۹ ابتداء میں ایسی کتاب شروع کرائی جائے جو طالب علم زیادہ سمجھ سکے۔

۲۰ حکماء کا قول ہے کہ اگر کسی کو صرف اچھے اچھے کھانوں ہی کا شوق ہے تو یہ ایک جانور کی خصلت ہے، اگر کسی کو صرف بننے سنورنے ہی کا شوق ہے تو اس پر فقط نسوانی ذوق کا غلبہ ہے۔ اگر کوئی بے کار پڑے رہنے کا عادی ہے تو وہ گویا مُردہ ہے، اگر کسی کو صرف کھیلنے کا شوق ہے تو وہ گویا بالکل بچہ ہے۔

اگر کسی کو صرف مال کمانے ہی کی دُھن ہے تو وہ صرف تاجر ہے، ہاں اگر کسی کو علم حاصل کرنے کا شوق ہے اور جستجو کا مادہ ہے تو واقعی وہ ایک محقق مثالی استاذ کہلائے جانے کا مستحق ہے، ہمیں چاہیے کہ ہم اپنا محاسبہ کرلیں کہ ہم اپنے آپ کو کس فہرست میں شمار پاتے ہیں؟

۲۱ استاذ اس نیت سے پڑھائے کہ یہ سب بچے خود استاذ بن سکیں یعنی اگر یہی سبق آج کسی بچے کو کہا جائے کہ تم دوسروں کو سمجھا دو تو وہ سمجھا سکے۔ اگر اس طرح محنت کے ساتھ استاذ نے سمجھا دیا تو واقعتاً وہ مثالی استاذ ہے۔ اسی لئے ماہرین تعلیم کا کہنا ہے کہ کبھی کبھی استاذ بغیر تعین کے کسی بچے کو چاک (مار کر) ہاتھ میں پکڑا کر کہے: آج یا کل کا سبق تم دوبارہ ان سب بچوں کو سمجھاؤ یا آج تم لوگ مطالعہ کرکے آنا، کل تم خود ہی پورا سبق حل کرنا۔ اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ بہت ہی زیادہ فائدہ ہوگا۔

۲۲ استاذ، مجلس کا خود ہی ادب کرے، تپائیوں کتابوں کا ادب خود استاذ کرے گا تو بچوں پر بھی اس ادب کا اثر ہوگا۔

حضرات صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اپنی مجلس درس میں باوضو جاتے تھے، پہلے دو رکعت نماز پڑھتے، پھر نہایت ادب اور وقار کے ساتھ قبلہ رو بیٹھ کر بِسْمِ

اللّٰہِ اور حمد و صلوۃ کے بعد درس شروع کرتے۔ اثنائے درس میں اساتذہ و تلامذہ کثرت سے استغفار اور دعا کرتے تھے، الغرض احادیث میں مجلس کے جو آداب وحقوق بیان کئے گئے ہیں اور ان کے بارے میں جو تاکید آئی ہے، ان سب پر پورے طور سے عمل کیا جاتا تھا اور مجلس کے خاتمہ پر صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اپنے لئے اور اہل مجلس کے لئے دعا کرکے اٹھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا اس موقع پر یہ دعا پڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اسی دعا کو پڑھتے تھے:

"اَللّٰھُمَّ اقْسِمْ لَنَا مِنْ خَشْیَتِكَ مَا یَحُوْلُ بَیْنَنَا وَبَیْنَ مَعَاصِیْكَ وَمِنْ طَاعَتِكَ مَا تُبَلِّغُنَا بِهٖ جَنَّتَكَ وَمِنَ الْیَقِیْنِ مَا تُهَوِّنُ بِهٖ عَلَیْنَا مُصِیْبَاتِ الدُّنْیَا وَمَتِّعْنَا بِأَسْمَاعِنَا وَأَبْصَارِنَا وَقُوَّتِنَا مَا أَحْیَیْتَنَا وَاجْعَلْهُ الْوَارِثَ مِنَّا، وَاجْعَلْ ثَأْرَنَا عَلٰی مَنْ ظَلَمَنَا وَانْصُرْنَا عَلٰی مَنْ عَادَانَا، وَلَا تَجْعَلْ مُصِیْبَتَنَا فِیْ دِیْنِنَا وَلَا تَجْعَلِ الدُّنْیَا أَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَیْنَا مَنْ لَّا یَرْحَمُنَا"[1]

تَرجَمَہ: "اے اللہ! ہم کو اپنی خشیت دے جو ہمارے اور تیری معصیت کے درمیان حائل ہو جائے اور اپنی اطاعت دے جو ہم کو تیری جنت تک پہنچائے اور یقین دے جس سے ہم پر تو دنیا کے مصائب آسان کر دے، (اے اللہ!) اور جب تک تو ہم کو زندہ رکھے، ہمارے کان ہماری آنکھ، ہماری قوت سے ہم کو نفع پہنچا، اور ہماری طرف سے اس تمتع کو وارث بنا اور ہمارے خون بہا کو ہمارے ظالموں پر ڈال دے اور ہمارے دشمنوں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما، اور دنیا کو ہمارا سب سے بڑا مقصد

[1] ترمذي، كتاب الدعوات، باب دعا اللهم اقسم لنا: ۱۸۸/۲

اور ہمارے علم کا منتہیٰ نہ بنا، اور ہم پر ایسے (فرد یا قوم) کو مسلط نہ کر جو ہم پر رحم نہ کرے۔"

احادیث میں مجلس کے خاتمہ پر دوسری دعائیں بھی منقول ہیں، جن کو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام پڑھتے تھے۔[1]

۲۳ مہتمم اور پرنسپل کی ذمہ داری ہے کہ وہ اساتذہ، خدام اور غیر تدریسی عملہ کی تربیت کریں، ان کا ہفتہ وار بیان اور مذاکرہ رکھوائیں جس میں اپنے مقصد کا تعین، احساسِ ذمہ داری، اہتمام سے کام کرنے کے فوائد اور آخرت کے فضائل وغیرہ بیان کئے جائیں۔ اسی طرح ہر شعبہ کا نگران اپنے ماتحتوں کے اختیارات اور ذمہ داریاں متعین کریں اور انہیں کام حوالہ کریں اور پھر ان کے کاموں کا جائزہ لیتے رہیں کارگزاری پوچھتے ہوئے اُکتا نہ جائیں۔

۲۴ مہتمم اور پرنسپل کی ذمہ داری ہونی چاہئے کہ وہ اساتذہ اور عملہ کو "وقت کی اہمیت" پر کورس کروائیں، یا ان کو کتابیں لاکر دیں کہ پہلے باخبر ہوں تو باعمل بھی بن سکیں گے اور اساتذہ کرام کو سمجھائیں کہ تساہل، تکاسل سست روی، تاخیر اور پھر کبھی...... ہمارے دشمن ہیں، ہمارے مستقبل کے لئے انتہائی تباہ کن ہیں۔

۲۵ مہتمم اور پرنسپل اساتذہ اور عملہ کی خیریت معلوم کریں، آپ کا ساتھی پریشان ہے تو اس کی پریشانی معلوم کرنے کی کوشش کریں۔ گھر کا کوئی فرد بیمار ہے جس کی بناء پر وہ شخص تاخیر سے آیا یا نہیں آیا تو آپ خیریت دریافت کریں۔

۲۶ مہتمم اور پرنسپل ادارہ میں خود چکر لگائیں کہ کوئی نقصان دہ چیز بچے کو تکلیف نہ پہنچائے مثلاً کیل، بجلی کا ننگا تار، گیس کا خراب ہیٹر وغیرہ وغیرہ ان سب امور کا بہت خیال رکھیں۔

۲۷ مہتمم اور پرنسپل اساتذہ کے ساتھ ہفتہ وار مشورہ ضرور کریں اس سے ان شاء

[1] خیر القرون کی درس گاہیں: صفحہ ۱۲۶

اللہ تعالیٰ ادارے میں بہتری آئے گی۔

۲۸ مہتمم اور پرنسپل اساتذہ کے بارے میں بدگمانی سے بچیں، مختلف لوگوں کی باتیں سن کر اساتذہ کے متعلق بدگمانی مت کریں، افواہوں پر کان مت دھریں۔

۲۹ مہتمم اور پرنسپل اساتذہ کی حسن کارکردگی پر تعریف کریں اور حوصلہ افزائی کریں جو لوگ اچھا کام کریں تو انہیں ان کی کارکردگی پر ہلکا سا، چھوٹا انعام ضرور دیں ورنہ تعریف ضرور کریں۔

۳۰ مہتمم اور پرنسپل اپنے ساتھیوں کے پیٹھ پیچھے معلومات حاصل کرنے کی کوشش مت کریں، ان کی غیر موجودگی میں ان کی فائلیں، کاغذات اور دراز مت دیکھیں اگر یہ حرکتیں ہوئیں تو ادارہ کے ماحول میں کشیدگی پیدا ہو جائے گی۔



تعلیمی جائزہ کے طریقہ کار کو نافذ اور جاری کرنے کی اہمیت

سب جانتے ہیں کہ کسی بزرگ کا قول ہے کہ ماں باپ ذریعہ بنتے ہیں بچے کو عرش سے (عالم ارواح سے) فرش پر لانے کا اور استاذ ذریعہ بنتا ہے بچے کی تربیت کر کے اور اس کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کر کے اس کی روح کو بلندیوں سے آشنا کروا کے دوبارہ عرش پر پہنچانے کا، لیکن اگر یہ عظیم بول صرف کہاوت ہی کے درجے میں رہ جائے اور اس پر عمل نہ ہو تو حضرت استاذ کا منصب کیا ہوا؟

اصل میں اس عظیم منصب یا مسند کے پیچھے ایک درد دل ہے جو کام کرتا ہے، ایک کڑھن ہے کہ کسی کے یہ بچے جو امانت ہیں، کسی کی گود سے پل کے اب ہمارے پاس آئے ہیں، یہ اس درجہ تعلق مع اللہ والے ہو جائیں کہ اگلی نسلوں کی نسلیں ان کے ہاتھوں تربیت کے مراحل طے کریں۔

یہ ایسے مینارۂ نور بن جائیں، جس کی روشنی میں بھٹکے ہوئے ان گنت لوگوں کو صحیح راہ مل جائے، مگر یہ بیج سایہ دار اور پھل دار درخت اس وقت بنیں گے، جب ان کی صحیح آبیاری ہوئی ہو اور یہ تمام تر ذمہ داری حضرت استاذ کی ہے، لہٰذا استاذ ایسے انداز سے تربیت کرے، جس کو صرف اختیار کرنے ہی کے تصور پر "شفقت کی باڑ" ماں باپ کے ذہن میں آڑ بن جائے۔ استاذ کہیں نرم گرم ہو کر اور جیسے عدالت کے کٹہرے میں قاضی یا جج مجرم سے باز پرس کرتا ہے، اسی طرح کے طرز کو اختیار کر کے شاگرد کے اندر کو کھنگالے (کیوں کہ عمومی طور پر) ماں باپ ایسا نہیں کر پاتے۔

اب جب عقلاً اور شرعاً یہ امر مسلم ہے کہ اُستاذ ایک عظیم ہستی ہے جو سونے کو

کندن بنا سکتی ہے تو خود اُستاذ کو اپنے منصب اور ذمہ داری کا لحاظ کرتے ہوئے اور اس نازک ذمہ داری کی لاج رکھتے ہوئے، کس قدر محتاط اور چوکنا رہ کر کام کرنا ہوگا اور یہ اُسی وقت ممکن ہوگا جب شاگرد کا سارا کچا چٹھا (یعنی اُس کی ایکسرے رپورٹ) استاذ صاحب کے سامنے ہو بقول حضرت حکیم الامت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کے

"پالنے والا جانتا ہے کہ ابھی بچھڑے کے کتنے دانت نکلے ہیں۔"

لہٰذا اس کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ بچے کی استعداد اور قابلیت جو پڑھائی کی ابتدا کے وقت تھی وہ بھی محفوظ ہو، اور ابتدائی ایام اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ چند ایام کے بعد جو ترقی ہوئی ہو، یا خدا نہ کرے معاملہ جامد رہا یا مزید تنزلی والی نوعیت ہو، یہ سب اُستاذ کے سامنے ہو اور سبق میں کمزوری کی نوعیت اور اس کے اسباب پر بھی پوری توجہ ہو اور کوتاہی کے تدارک کی تدابیر سے بھی اُستاذ پوری طرح واقف ہو اور اُس کامل شیخ کی طرح ہو جائے جو ہر ہر مرید کا الگ الگ مزاج سمجھ کر ان کی تربیت کرتا ہے۔

ناقص شیخ کی طرح ایک ہی لاٹھی سے سب کو نہیں ہانکتا، اصل مرض کی صحیح تشخیص کرنے والے حکیم کی طرح جب اُستاذ شاگرد کو لے کر چلے گا تو وہ بچہ اور شاگرد غباوت اور بغاوت جیسے مہلکات سے پاک ہوتا جائے گا اور بچے کی عمر اور اوقات اور والدین اور اُستاذ کی محنت اور دُعائیں سب ٹھکانے لگیں گی۔

بچہ تو فرار چاہتا ہی ہے، مگر اُستاذ کا کمال یہی ہے کہ ڈھنگ سے لے کر چلے تا کہ پڑھائی سے فرار چاہنے والا بچہ، پھر پڑھائی ہی میں قرار پائے۔ گویا یہ اُستاذ اُس حکیم کی طرح ہو جو مریض کی مرضی کی بجائے مریض کا مرض دیکھ کر چلے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس آنے والے کی پوری فائل اُستاذ کے سامنے ہو اور اُس کے مالہٗ وما علیہ سے اُستاذ واقف ہو۔ اس مبارک غرض کے لئے بعض اہل دل نے جو تعلیمی جائزہ محفوظ رکھنے کا طریقہ کار کتابی شکل میں مرتب کیا ہے وہ کافی ہے۔

تعلیمی جائزہ

برائے ابتدائی سال

۱ یاد رکھیے! بچے کی قیمتی عمر آپ کے پاس امانت ہے، اگر آپ نے اس کی صحیح رعایت نہیں کی، اس کے وقت سے صحیح فائدہ نہیں اُٹھایا تو یہ بہت بڑی خیانت ہوگی اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے اس کا جواب دینا ہوگا۔

۲ پورے شوق ولگن کے ساتھ طالب علم/ طالبہ کے اوقات کی حفاظت کیجیے، ایک دن بھی اس کا ضائع ہونے نہ پائے، جتنا وقت بھی وہ مدرسے میں دیتا ہے آپ نے اس کے وقت کی حفاظت اس کا دینی ذہن بنانے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت پیدا کرنے اور اس کو دیندار بنانے کی ذمہ داری قبول کی ہے۔

لہٰذا اس میں آپ جتنی محنت کریں گے اتنا ہی اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے غیبی خزانوں سے آپ کو دنیا وآخرت میں مالا مال کرے گا۔

۳ اس بات کو نہ بھولیے! یہ بچے آپ کے لئے صدقہ جاریہ ہوں گے، اگر آپ نے صحیح تجوید کے ساتھ ان کو قاعدہ پڑھایا تا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو صحیح پڑھ سکیں، اور ان کو دعائیں یاد کرانے اور اخلاق وآداب سکھانے میں خوب محنت کی تو آپ کے دنیا سے جانے کے بعد بھی ان کی تمام نیکیوں کا ثواب آپ کو بھی ملتا رہے گا اور جو چیز بچے کے خالی ذہن ودماغ پر بچپن میں نقش کر دی جاتی ہے وہ پچپن تک رہتی ہے اس لئے معلم ہونا بہت مبارک ہے۔ خود

ہمارے نبی ﷺ فرماتے ہیں:

"إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا"[1]

تَرجَمَہ: "مجھے معلم بنا کر بھیجا گیا ہے۔"

معلم نے اگر اس کا صحیح حق ادا کر دیا تو اس کا اجر بھی بہت زیادہ ہے اور اگر خیانت کی تو پکڑ بھی سخت ہے۔

۴ غصے میں کبھی بچے کو سزا نہ دیجیے، اس لئے کہ اگر جرم سے زیادہ سزا دی گئی تو قیامت میں اس کا بدلہ دینا پڑے گا، اور دنیا میں اس کی سزا یہ کہ بندہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رحمت سے دور ہو جاتا ہے، پھر یہ کہ لوگ بجائے دین سے نزدیک ہوجانے کے، دور ہوتے جائیں گے۔ لہٰذا شفقت اور محبت والا معاملہ بچے کے ساتھ رکھیے۔

راتوں کو اُٹھ کر اور فرض نمازوں کے بعد دعائیں مانگ کر بچے میں من جانب اللہ حصولِ علم کی صلاحیت پیدا ہوجانے کی دعائیں کیجیے کہ وہ مدرسے میں آنے کے لئے بے چین ہو اور شوق سے مدرسے میں آئے، جیسا اسکول میں شوق سے جاتا ہے، ماں باپ اگر کہیں بھی کہ چھٹی کرلو تو پھر بچہ چھٹی کرنے پر آمادہ نہ ہو، بل کہ وہ اصرار کرے کہ میں تو مدرسہ جاؤں گا۔

۵ ہر بچے کو اپنے بچے سے بھی زیادہ عزیز سمجھیے، ہر بچے پر ایسی ہی محنت ہو کہ گویا وہ آپ ہی کا بچہ ہے اور اس کے اخلاق کی نگرانی، اس کے ۲۴ گھنٹے کی زندگی کو اسلامی زندگی بنانے کی فکر، بل کہ اس کے ذریعہ اس کے والدین میں بھی دینی زندگی پیدا کرنے کی فکر ہو تو قانونِ قدرت کے موافق جیسا آپ نے دوسرے کے بچے کے ساتھ کیا، اللہ تعالیٰ آپ کے بچے کے لئے بھی ایسے ہی استاذ مہیا فرمادیں گے اور آپ کے بچے کی بھی اللہ تعالیٰ ایسی ہی تربیت فرمائیں گے۔

[1] ابن ماجه، كتاب السنة، باب فضل العلماء والحث على طلب العلم، رقم: ۲۲۹

۶ اس لئے جائزہ لینے کا یہ طریقۂ کار مرتب کیا جارہا ہے، تاکہ بچے کی غفلت وسستی یا والدین کی عدم توجہی یا کم قسمتی سے استاذ ہی کی کوتاہی ہو تو اس کا احساس ہوجائے اور آئندہ بہتر سے بہتر کام کرنے کے جذبہ وشوق کے ساتھ پچھلی غلطیوں پر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ کر کام کیا جائے۔ اس لئے کہ بعض بچوں کے بارے میں یہ شکایت آئی کہ تین سال سے نورانی قاعدہ پڑھ رہے ہیں، بعض آٹھ تختیاں پڑھ لیتے ہیں، لیکن ہجا نہیں آتی جس سے بچے کی عمر اور استاذ کی محنت دونوں ضائع ہوتی ہیں۔

۷ جائزہ کے اندر تمام خانوں کو صحیح اور صاف پُر کیا جائے۔
''تاریخ ابتدا کے خانہ'' میں وہ تاریخ لکھی جائے، جس تاریخ کو یہ تختی شروع ہوئی۔ ''تاریخ انتہاء کے خانہ'' میں وہ تاریخ درج کی جائے، جس میں وہ تختی ختم ہوئی ہے۔ مدتِ تعلیم کے خانہ میں لکھیں کہ کتنے یوم میں یہ تختی یا کتنے یوم میں یہ پارہ...... ختم ہوا مثلاً ۱۵ ایام میں۔

۸ ہر ماہ کی غیر حاضریوں کی تعداد لکھ کر والدین کو بھیجیں اور ۳ ماہ کا نقشہ بنا دیا گیا ہے، اس میں بھی لکھیں کہ کل ایام مدرسے کے اتنے تھے اور اتنی غیر حاضریاں ہوئیں۔ اور جس بچے کی ایک بھی غیر حاضری نہ ہو اس کو انعام دیا جائے۔

۹ قاعدہ کے دوران ہی بچے کا ذہن یہ بنایا جائے کہ وہ حافظِ قرآن اور عالم باعمل بن کر دین کا داعی بنے گا اور دین کو دنیا بھر میں پھیلائے گا اور مجاہدِ اسلام بنے گا۔

۱۰ اس بات کو یاد رکھیے! آپ نے اس بچے کی دینی، اخلاقی تربیت کی ذمہ داری استاذ ہونے کی حیثیت سے قبول کی ہے، آپ اور ہم جس مسند پر بیٹھے ہیں وہ بہت ہی اہم اور عظیم مسند ہے، لہٰذا ہمارے پاس ایسے بچے بھی آئیں گے جو شریف الطبع ہوں گے اور ایسے بھی آئیں گے جو بہت ہی زیادہ شریر، بے ادب،

کمزور، بدتمیز ہوں گے، ان کی بھی اصلاح کرنے کی کوشش کرنا ہماری ذمہ داری ہے اور اخلاقی تربیت، ادب واحترام وغیرہ بھی ہمیں ہی ان کو سکھانا ہوگا، اور ایسے ہی بچوں پر محنت کر کے ہم رضاءِ خداوندی اور قربِ الٰہی بہت زیادہ حاصل کرسکتے ہیں اور ایسے بچوں پر محنت کرنا یقیناً بڑا مجاہدہ ہے۔ لہٰذا ہمیں کافی صبر وتحمل سے کام لینا ہوگا، بعض اوقات شدید غصہ آئے گا، ان کی نازیبا حرکتوں پر، ان کی عدمِ توجہی پر، ان کی قسمہا قسم کی شرارتوں پر، ان کی ذہنی کمزوریوں کے ظہور پر۔

لیکن کامیاب اور مہربان ومشفق استاذ وہی ہے جو اس کڑوے گھونٹ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی رضا کے لئے پی لے اور نئی نسل پر رحم کھاتے ہوئے بجائے اس کے کہ بچے کو مارے پیٹے اللہ کے آگے سربسجود ہو کر دعا مانگے کہ ''اے اللہ! میں بہت ہی کمزور ہوں، اس بچے کی اصلاح وتربیت نہیں کرسکتا آپ ہی مدد فرمائیے، رہبری فرمائیے اور میرے گناہوں کی وجہ سے اس بچے کو محروم نہ فرمائیے۔''

اس کے بعد بچے کو سمجھائیے، اس سے بھی صلوٰۃ الحاجت پڑھوائیے، ایک ایک بچے کی تعلیم وتربیت کے لئے کئی کئی مرتبہ صلوٰۃ الحاجت خود بھی پڑھیے اور خود بچوں اور ان کے والدین سے بھی پڑھوائیے۔ ان سب چیزوں کے باوجود بھی، اگر اس کی صحیح تعلیم وتربیت نہیں ہوسکتی تو کسی دوسرے استاذ کے پاس بھیج دیجیے۔ لیکن ایسا نہ ہو کہ مار پٹائی کر کے یا معمولی ڈانٹ یا تنبیہ کرنے کی بجائے شاگرد کو ذلیل کیا جائے کہ پھر وہ مدرسہ سے متنفر ہو کر بھاگ جائے یا ڈاڑھی رکھنے والوں سے ہی نفرت کرنے لگے یا استاذ اور والدین کے ظالم ہونے کا تصور اس کے ذہن میں بیٹھ جائے۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ایسی کوتاہیوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین!

۱۱ نیز یاد رہے کہ بعض بچے فطری طور پر کند ذہن ہوتے ہیں تو ان کی کمزوری کی

بنا پر والدین گھروں میں انہیں ان کے بہن بھائیوں کے سامنے اور اساتذہ درس گاہوں میں سب کے سامنے، ان کی تذلیل کرتے ہیں، خدارا ایسا کرنے سے اہتمام کے ساتھ اجتناب کریں۔ نیز ان کی ہمت وحوصلہ گرانے والے الفاظ یا ایسا کوئی طرزِ عمل اختیار نہ کریں، مثلاً یوں کہہ کر کہ فلاں کتنا آگے بڑھ گیا ہے تم تو کچھ بھی نہیں کر سکتے اور ویسے تو خوب تیز ہو دوسروں کی شکایتیں کرنے، کھیلنے کودنے، لڑنے، جھگڑنے، مارنے میں اور چاروں طرف دھیان دوڑانے میں۔ وغیرہ

ایسی باتیں کرنے والے اساتذہ یا والدین کا شاید یہ خیال ہوتا ہے کہ اس طرح کی ڈانٹ ڈپٹ یا طعنہ بازی سے بچہ کچھ اثر لے گا، لیکن یہ ان کی خام خیالی ہے۔ ان باتوں کا بچے کی شخصیت پر منفی اثر ہی پڑتا ہے، وہ جذباتی اور عدم تحفظ کا شکار ہوجاتا ہے، اس کے اندر منفی صلاحیتیں مختلف پہلوؤں سے اجاگر ہونا شروع ہوجاتی ہیں، وہ تنہائی پسند ہوجاتا ہے، اس میں چڑ چڑاپن پیدا ہوجاتا ہے۔

اکثر ایسے بچوں کو ایسے الفاظ دہراتے ہوئے پایا گیا ہے کہ "ہاں ہاں! میں براہوں۔"

"میں ہی بُری ہوں اللہ کرے میں مرجاؤں، مجھے ایک ہی دفعہ مار کیوں نہیں دیتے؟ مجھے اللہ سے مانگا ہی کیوں تھا؟" وغیرہ

لہٰذا والدین اور اساتذہ سے گزارش یہ ہے کہ اس خطرناک اور نازک ترین پہلو پر انتہائی دل سوزی کے ساتھ توجہ دیں اور پھر کوئی تعمیری قدم اُٹھائیں۔ آپ کی ذرا سی توجہ سے ان شاء اللہ تعالیٰ بہترین نتائج سامنے آسکتے ہیں اور ذرا سی عدمِ توجہی بچے کی زندگی اور نفسیات ہمیشہ کے لئے برباد کرسکتی ہے۔

۱۲ نیز بچوں سے کوئی کوتاہی اور قصور ہوجانے پر گرجدار آواز میں صرف یہ جملے "خبردار! آئندہ ایسا نہ کیجیو" "اب چھٹی کی تو خیر نہیں" "اور یا تو یہاں رہے گا

یا میں رہوں گا" استعمال کرنے کی بجائے کوشش کریں کہ ٹھنڈے دل ودماغ سے اپنا غصہ اترنے کے بعد اس کو اپنے پاس بلا کر پیار ومحبت سے اس طرح سمجھائیں کہ اس کے دل ودماغ میں اس برائی کی نفرت، غیر حاضریوں پر ہونے والے نقصان کی مذمت اس طرح بیٹھ جائے کہ وہ ازخود ذہنی طور پر آمادہ ہوجائے اور دل کی خوشی کے ساتھ خود اس برائی کو چھوڑ دے۔

۱۳ درس گاہیں جن میں بچوں کو تعلیم دی جارہی ہے، ان کی نظافت ونفاست کا اہتمام بھی نہایت ضروری ہے اور جہاں یہ ایک طرف استاذ اور مدرسہ کی ذمہ داری ہے، وہاں بچے کے والد اور اہل محلّہ کی بھی ذمہ داری ہے کہ بچے کی ٹوپی سے جوتی تک اور تپائی، میز، ڈیسک، دری، الماری، مدرسے کی دیواریں اور دروازے وغیرہ معیاری طرز کے دیرپا اور کارآمد ہوں اور صاف ستھرے ہوں۔

۱۴ ایک انتہائی قابل توجہ بات والدین اور مدرسے کے ذمہ دار حضرات کے لئے یہ بھی ہے کہ ہم اپنے بچوں کو جن معلّمین اور اساتذہ کرام کے حوالے کر رہے ہیں (کہ وہ انہیں دین کی تعلیم دیں) ان کی مکمل ضروریات اور اخراجات کا لحاظ رکھتے ہوئے، ان حضرات کے وظائف مقرر کیے جائیں، تاکہ وہ ذہنی یکسوئی کے ساتھ ہمارے بچوں پر محنت کر کے انہیں بھی پکا سچا مسلمان بنانے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان تمام پہلوؤں پر غور کرنے اور حقائق کو سمجھنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

گوشوارہ برائے ہر چھ ماہ

یہ گوشوارہ سعودی عرب میں جاری حفظ کے بعض مدارس کے جائزہ سے لیا گیا

ہے اور بعض باتیں وہاں کے علماء سے بالمشافہ گفتگو کے دوران لی گئی ہیں اور اس کے ساتھ چند وضاحتیں بھی ہیں، جن کا ترجمہ ہمارے مدارس کے لئے پیش کیا جارہا ہے۔ اُمید ہے کہ ان پر اگر عمل کیا جائے تو پڑھائی کے لئے آنے والے بچوں کے اوقات کی ان شاء اللہ تعالیٰ زیادہ سے زیادہ حفاظت ہوسکتی ہے۔ ہر چھ ماہ میں مکمل جائزہ ہوجانے اور پھر اس کے بعد ہر ماہ ہر بچے کی استعداد کے اعتبار سے نصاب مقرر ہوجائے کہ یہ بچہ ایک ماہ میں اتنا حفظ کرسکتا ہے، اب اس کے بعد کمی کی وجہ معلوم کر کے اس پر تنبیہ کی جائے کہ استاذ کی غفلت تھی...... یا بچے کی کوتاہی تھی........ یا والدین کی عدم توجہ تھی اور اچھی کارکردگی پر انعام دیا جائے۔

۱ مجموع أجزاء الحفظ في ستة اشهر .... چھ ماہ میں کتنا حفظ ہوا۔

۲ المقدار الواجب في كل شهر .... ہر ماہ اتنا .... یاد کرنا ضروری ہے۔

اس کو استاذ اپنے رجسٹر میں لکھے تاکہ استاذ، طالب علم، والد اور ناظم سب کو معلوم ہو کہ اس ماہ کے اخیر تک اتنا یاد ہونا چاہیے، اس سے زیادہ پر انعام اور اس سے کم پر تنبیہ کی جائے اور وقتاً فوقتاً اس میں تبدیلی بھی کی جاسکتی ہے، جس کی مقدار ہر استاذ اور ناظم مدرسہ بچے کی استعداد اور تجربے کی روشنی میں مقرر کرے۔ عام اہلِ تجربہ نے ہر متوسط استاذ کے پاس تقریباً (بیس) ۲۰ یا (پچیس) ۲۵ طلبہ کی تعداد مقرر کی ہے، اس سے زیادہ بالکل نہ ہوں ورنہ استاذ مجبور ہوجائے گا کہ طلبہ آپس میں ایک دوسرے سے سنیں یا انہیں سنائیں، اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اگر کسی طالب علم نے استاذ کو دوسرے طالب علم کی غلطیوں کی صحیح تعداد بتادی تو ان میں آپس میں ناچاقی ہوجاتی ہے اور اگر یہ ایک دوسرے کی دوستی نباہنے پر آتے ہیں تو غلطیوں کی صحیح تعداد سے استاذ کو آگاہ نہیں کرتے، جس سے پڑھائی کے معیار کو زبردست نقصان پہنچتا ہے۔

۳ حفظ کے زمانے سے ہی آہستہ آہستہ پڑھنے کی عادت ڈلوادی جائے، تاکہ پڑھنے والا ہمیشہ اسی طرز کو باقی رکھے۔

۴ افریقہ، ماریطانیہ، سوڈان اور بہت سارے ملکوں میں بچوں سے پورا نورانی قاعدہ اور سورۃ رحمٰن تک رسمِ عثمانی کے موافق لکھوایا جاتا ہے، جس کا ایک فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ عربی لکھنے پر قادر ہوجاتا ہے اور ناظرہ پڑھنے میں اسے کوئی تکلیف نہیں ہوتی۔

پورا دن صرف نورانی قاعدے کی ایک آدھ لائن کے سبق پر گزارنے کی بجائے لکھنے میں، خوشخطی میں مصروف رہتا ہے۔ جس کا دوسرا بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ وہ جو گھر چھوڑ کر دن کا اکثر حصہ مدرسے میں گزارتا ہے یہ سارا وقت قیمتی سے قیمتی بن جاتا ہے۔

۵ اُمید کی جاتی ہے کہ اساتذہ کرام وناظم تعلیمات اگر اس گوشوارہ کو انتہائی سنجیدگی اور کڑی نگرانی کے ساتھ پر کریں گے تو ایسا کرنے سے ان شاء اللہ تعالیٰ اس کا پورا پورا فائدہ حاصل ہوگا، اور آپ خود اس کا بھرپور فائدہ محسوس کریں گے کہ جو بچہ سال بھر میں جس مقدارِ خواندگی تک پہنچتا ہے، تھوڑی سی توجہ، اہتمام اور نظم وترتیب کا خیال رکھنے سے وہی مقدار چھ ماہ میں پوری ہوجائے گی، اس طرح آپ اُمتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے کتنے بچوں اور بچیوں کی زندگیوں کے قیمتی لمحات اور ساعات کی حفاظت کرسکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سے اپنی مرضی کے موافق کام لے لے اور ہمارے کاموں اور اوقات میں برکت عطا فرما کر اس کو قبول فرمائے، آمین یا رب العالمین!

ہدایات برائے والدین اور اساتذہ ومعلّمات

۱ ہر تین ماہ بعد امتحان لیا جائے اور کوشش کی جائے کہ ممتحن باہر سے بلایا جائے

اور اس کی رپورٹ تیار کر کے والدین سے دستخط لے لیئے جائیں، کمزوریوں پر غور کیا جائے، مشورہ کیا جائے اور آئندہ نتائج بہتر سے بہتر آنے کی نیت اور جذبے کے تحت کام کیا جائے۔

۲ ان باتوں کا استاذ اور والدین دونوں کو اہتمام کرنا چاہیئے کہ بچہ ہر حرف کو مخرج سے مع صفات کے ادا کرے اور ٹھہر ٹھہر کر قرآن پڑھنے والا ہو اور ہر حرف کو صاف صاف پڑھے اور عربوں کے لہجے کے موافق حرفوں کو ہموار کرتا ہوا خشوع وخضوع اور ادب اور وقار کے ساتھ پڑھنے والا بنے، خصوصاً ’س، اور ’ث، ’ح، اور ’ہ، ’ط، اور ’ت، ’ق، اور ’ک، ’ز، اور ’ض، ’ظ، اور ’ذ، میں فرق کرنے والا بنے، ہاں اگر بچہ معذور ہے ادا نہیں کرسکتا تو اس پر زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے۔ دعا کرتے رہیں اور کوشش جاری رکھیں اور بچے سے کہیں کہ دو رکعت نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مانگو، معصوم بچے کی دعا قبول ہوتی ہے، بچپن سے اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق پیدا کرنے کی کوشش کیجیے۔

(الف) یاد رکھیے! اگر ان حروف میں فرق نہ کروایا تو خصوصاً عربی زبان میں معانی بدل جاتے ہیں۔ لہٰذا ان حروف کی خوب مشق کروائی جائے مثلاً: ”قلب“ کے معنی دل، اور ”کلب“ کے معنی کتا ”ذلّ“ کے معنی ذلیل ہونا اور ”زلّ“ کے معنی پھسل جانا، ”ضَلَّ“ کے معنی گمراہ اور ”ظَلَّ“ کے معنی سایہ ”سَمِیْنٌ“ کے معنی موٹا اور ”ثَمِیْنٌ“ کے معنی قیمتی چیز۔

اور یہ اصول سب زبانوں میں ہیں کہ اگر اس کے صحیح جاننے والوں سے زبان سیکھی نہ جائے تو غلط ادائیگی سے معنی میں بہت فرق آجاتا ہے مثلاً ”منٹ“ اور ”مائنوٹ“ کی ہجا، انگریزی میں ایک ہی ہے، لیکن تلفظ اور معنی میں بہت زیادہ فرق ہے۔

(ب) یہ بھی یاد رکھیے کہ آپ کا ہر عمل اس بچے کے لئے نمونہ ہے۔ جیسے آپ اس کی

تربیت کریں گے ویسے وہ بھی آئندہ آنے والی نسلوں کی تربیت کرے گا۔ آپ کی محبت کی ڈانٹ، یا غصے کی حالت میں پٹائی، یا جرم سے زیادہ کی سزا، یا بچے سے غفلت ولاپرواہی، یہ سب چیزیں یا تو اس بچے کی زندگی بنارہی ہیں یا بگاڑ رہی ہیں۔ آپ ایک نئی نسل کی تعمیر کر رہے ہیں یا تخریب کر رہے ہیں۔ بچے نے کوئی غلطی کی ہے اور وہ اپنے آپ کو مجرم سمجھ رہا ہے، اس وقت آپ پٹائی کی بجائے اس کو پیار سے سمجھا کر دیکھیے۔ پیار ومحبت ان شاء اللہ اس کے دل میں جرم کی نفرت بٹھادے گا۔

حضرت حکیم الامت نوراللہ مرقدہ نے تو سبق یاد نہ ہونے پر بھی استاذ کو مارنے سے منع فرمایا ہے۔ چناں چہ خانقاہ میں سخت تاکید تھی کہ کوئی استاذ طالب علم کو نہ مارے، اس کی اطلاع تعلیم کے ذمہ دار کو دی جائے، وہ مناسب سزا تجویز کرے گا۔ استاذ کی طرف سے طالب علم کے دل میں اگر تکدر ہوگیا تو پھر اس کو فیض نہیں ہوسکتا، نیز بسا اوقات جو کچھ یاد ہوتا ہے، مار کے خوف کی وجہ سے بچہ وہ بھی بھول جاتا ہے۔

بعض اساتذہ تو چہرے پر مارنے سے بھی اجتناب نہیں کرتے، حالاں کہ حدیث پاک میں اس کی سخت ممانعت آئی ہے، یہ مارنے والے اس پر غور کریں کہ ہم اپنے بارے میں کیا چاہتے تھے کہ ہمارے ساتھ ہمارے اساتذہ کا کیا رویہ ہو؟

۳ بچے کی دینداری کی فکر کرنا، روزانہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے قصے سنا کر اس میں تعلق مع اللہ پیدا کرنے کی کوشش کرنا۔ حضور اکرم ﷺ والے پیارے اخلاق اور ہر موقع پر حضور اکرم ﷺ نے جو دعا مانگی اور امت کو سکھلائی، وہ اس بچے کو یاد کروانا، اس کو استاذ اپنی ذمہ داری سمجھیں، اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا وآخرت دونوں میں بہت بڑے درجات ملنے کی اُمید رکھیں۔

۴ نماز کی فضیلتیں، خوب اہتمام سے اسے یاد کرائیں، سات سال کی عمر سے اس کو

نماز کی اہمیت بتلائیں اور پوچھتے بھی رہیں۔ مثلاً فجر کی نماز آج کس نے پڑھی، عشاء کی نماز پڑھ کر کون سویا تھا؟

اللہ کے حکم کی اہمیت وعظمت اس کے دل میں اتنی بیٹھ جائے کہ اس کا مزاج یہ بن جائے کہ جان جائے تو جائے، اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا کوئی حکم نہ ٹوٹنے پائے۔

احادیثِ مبارکہ میں نماز کی جو اہمیت بیان کی گئی ہے یا اس کے پڑھنے پر اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے جو انعامات ملیں گے، ان کی تفصیل زبانی یاد کرائی جائے اور ہر بچے سے کہلوایا بھی جائے، تاکہ بچہ بچپن سے داعی بن جائے کیوں کہ آپ کے پاس سے وہ حفظ یا ناظرہ قرآن پاک سے فارغ ہوگا تو بظاہر مشکل ہے کہ اس کو بعد میں ایسا پاکیزہ دینی ماحول ملے، جو اس کو ہر وقت دین کے کاموں پر تیار کرتا رہے۔ (مثلاً نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھنا، بلا شدید ضرورت ہاتھ نہ ہلانا، آہستہ آہستہ نماز پڑھنا، سورۃ فاتحہ کی ہر آیت پر وقف کرنا، رکوع وسجود میں ۳ مرتبہ سے زائد تسبیحات پڑھنے کی عادت ڈلوانا، لمبی لمبی نماز پڑھنے کی ترغیب دینا) ان سب باتوں کی عملاً مشق کروائی جائے چوں کہ اس عمر میں جس طرح کی نماز کی عادت پختہ ہو جاتی ہے اسی طرح اکثر عمر بھر نماز رہتی ہے۔

۵ ان تمام باتوں کے لئے ''ایک منٹ کا مدرسہ'' نامی کتاب (مؤلفہ مولانا ابرار الحق صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی) فضائل نماز (مؤلفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ) حصن حصین مترجم (مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ) مسنون دعائیں مؤلف (مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ) قصص النبیین للاطفال (نبیوں کے قصے چھوٹے بچوں کے لئے) (مؤلفہ مولانا ابو الحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ) کھانے، سونے، سلام کرنے، عبادت، بڑوں سے ملنے، دعوت میں جانے، بچوں کو ناظرہ قرآن پڑھانے

کے آداب (مطبوعہ صدیقی ٹرسٹ)۔ بچوں کو قاعدہ اور قرآن کریم پڑھانے کا نصاب (مؤلفہ سیّد مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ) اسلام میں اولاد کی تربیت (مترجم مولانا حبیب اللہ مختار شہید رحمۃ اللہ علیہ) استاذ اور شاگرد کے حقوق (بیان کردہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی از مفتی محمد زید صاحب دامت برکاتہم) اسلام میں اولاد کی تربیت اور ان کے حقوق (حضرت مفتی عبد السلام چاٹگامی صاحب مدظلہم) آپ بیتی (حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ) ''جو تم مسکراؤ تو سب مسکرائیں'' (مؤلفہ شیخ سیّد رضی الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ) آسان نماز (مولانا عاشق الٰہی صاحب رحمۃ اللہ علیہ) معرفتِ الٰہیہ (حضرت مولانا عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ) یہ تمام کتابیں استاذ/معلّمہ اپنے مطالعہ میں رکھے اور ان سے بیان کر کے یا بچوں کو ان کی کاپی میں لکھوا کر ان کی عمر اور ان کی استعداد کی رعایت رکھتے ہوئے، ان کو خوب ذہن نشین کروائے اور خود بھی اس پر عمل کرنے کی کوشش کرتا/کرتی رہے۔

۶ حفظ کے اساتذہ سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ اگر آیتِ سجدہ کی تلاوت (سات سال سے بڑی عمر کے بچے سے) سنیں تو خود بھی سجدہ ادا کریں اور بڑے بچوں کو بھی اہتمام سے جلد از جلد سجدہ ضرور ادا کروالیں (کیوں کہ سجدہ کی آیت سن کر سجدہ واجب ہو جاتا ہے اور اگر اس کو عمر بھر ادا نہ کیا تو گناہ ہوگا)

۷ اخیر میں یہ بھی بہت ضروری ہے کہ ہر ہر بچے کے لئے خوب دعائیں مانگنے کا اہتمام کریں، اپنی کوشش میں جو کمی ہو جائے اس پر سچے دل سے ندامت اور استغفار کریں۔

اللہ تعالیٰ سے مانگیں، ''اے اللہ! آپ ہی ان بچوں کی تربیت فرما دیجیے، ان بچوں میں بلال حبشی، صہیب رومی، سلمان فارسی (رضی اللہ عنہم) کی جھلک پیدا

فرما دیجئے۔ ان بچیوں میں فاطمۃ الزہراء، زینب واُمّ کلثوم ورقیہ (رضی اللہ عنہن) کی صفات پیدا فرما دیجئے۔ آمین!

تعلیمی جائزہ پر ایک نظر

۱ اس میں حضرات اساتذہ کرام اور معلّمات کے لئے ترغیبی باتیں بھی درج ہیں۔

۲ بزرگوں کے ارشادات کی روشنی میں مفید اور ضروری مشورے بھی ہیں۔

۳ خود ماں باپ یا اُستاذ کی طرف سے کوتاہی ہو رہی ہو تو اُس پر چوکنا کرنے کی تدابیر بھی ہیں۔

۴ کمزور یا کند ذہن بچے کو چلانے کے نسخے بھی ہیں۔

۵ شفقت کا انداز اختیار کرنے کی ترغیب اور ترکیب بھی ہے۔

۶ بچے کی ہر ماہ بھیجی جانے والی رپورٹ اور کارکردگی کی تفصیل، ماں باپ کے دلوں پر اہل مدارس کے حسن انتظام پر حجت بھی ہے۔

۷ عمر عزیز کے مبارک اوقات اور لمحات کو مبارک بنانے کی کیمیاوی تدابیر بھی ہیں۔

۸ نیت درست رکھ کر محض اپنی آخرت بنانے اور بچے کی آخرت سنوارنے کی طلب رکھ کر محنت کرنے اور دُعائیں کرنے کی حکیمانہ ترغیب بھی ہے۔

۹ ہر ماہ یا چند ہفتوں کی کارکردگی اور حفظ کرنے والا بچہ کس پارے کے کتنے رکوع کتنے دن میں کر پایا، اس طور پر کہ سبقی پارہ اور منزل بھی محفوظ رہے، اس کے اندراج کے لئے بہترین ترتیب پر نقشے اور کالم بھی ہیں۔

الفاظ کی ادائیگی، صحیح تلفظ کا اہتمام، پڑھنے کی رفتار، مزید دینی معلومات (یعنی ضروری مسائل اور آداب) اور زبان نبوت ﷺ سے سکھلائی گئی دُعائیں

یاد کرانے کے اہتمام کے لئے الگ الگ خانے اور اندراج کے نقشے بھی ہیں۔

۱۰ اور بزرگانِ دین کی ایسی کتابوں کے نام بھی دیدیئے گئے ہیں، جن کے مطالعے سے خود اُستاذ کو بھی ہزاروں فوائد حاصل ہوں۔ وعلیٰ ہٰذا القیاس

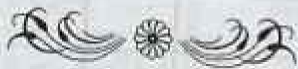
خلاصہ یہ:

ع کوئی قائل ہے زبان سے کوئی قائل دل میں ہے

کی مصداق ایسی دلی کیفیت پیدا کرنے یا بیدار کرنے کا یہ "تعلیمی جائزہ" ذریعہ ہے کہ شاید بعض نہیں اکثر اساتذہ کرام تک زبان سے نہ سہی دل سے تو کہہ اُٹھیں کہ اے کاش! کہ جب ہم شاگرد تھے، اُس وقت ہمارے اساتذہ کرام کو یہ گوہر کمیاب، بل کہ نایاب اُس وقت مل جاتا اور ہماری اس طرز پر نگرانی ہوتی تو آج ہم بھی جس درجے پر ہیں، اس سے کچھ درجے آگے ہی ہوتے پیچھے نہ ہوتے۔

دل سے دعا ہے کہ یہ "تعلیمی جائزہ" ترتیب دینے والے تمام حضرات کو حق تعالیٰ شانہ اجر عظیم سے نوازے اور دلی تمنا ہے کہ تمام اہل مدارس اور مکاتب اس طریقۂ کار کو اپنے یہاں نافذ اور جاری کریں، تاکہ جاگتی آنکھوں اور دل کی آنکھوں یعنی بصارت اور بصیرت دونوں سے اس کے فائدہ مند ہونے کی گواہی دے سکیں۔ (آمین)

تمت بالخیر



تعلیمی جائزہ برائے نورانی قاعدہ

نوٹ:- جائزہ کے اس طریقہ کار پر عمل کرنے سے بچے اور استاد دونوں کو فائدہ ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ بچے کی قیمتی عمر کے لمحات اور استاد کی محنت دونوں ضائع ہونے سے بچ جائیں گے۔

نمبر/نام تختی	تاریخ ابتداء	تاریخ انتہاء	مدت تعلیم	کیفیت	دستخط ناظم	دستخط والدین
تختی (۱)						
تختی (۲)						
تختی (۳)						
تختی (۴)						
تختی (۵)						

نوٹ:- اگر پانچویں تختی تک بچے حروف یا حرکتوں کو صحیح نہ بتلا سکیں تو پھر سے پڑھائیں اور کسی ماہر استاد سے جائزہ لینے کی گزارش کریں ______ اس کے بعد سے بچوں کو یہ تختیاں لکھوانے کی مشق کریں۔

تختی (۶)						
تختی (۷)						
تختی (۸)						
تختی (۹)						
تختی (۱۰)						
تختی (۱۱)						
تختی (۱۲)						
تختی (۱۳)						
تختی (۱۴)						
تختی (۱۵)						
تختی (۱۶)						
خاتمہ برائے اجرائے قواعد						

کیفیت حاضری تین ماہ

کل ایام	حاضریاں	غیر حاضریاں

کیفیت حاضری تین ماہ

کل ایام	حاضریاں	غیر حاضریاں

کیفیت حاضری تین ماہ

کل ایام	حاضریاں	غیر حاضریاں

کیفیت حاضری تین ماہ

کل ایام	حاضریاں	غیر حاضریاں

کیفیت حاضری تین ماہ

کل ایام	حاضریاں	غیر حاضریاں

کیفیت حاضری تین ماہ

کل ایام	حاضریاں	غیر حاضریاں

کیفیت حاضری تین ماہ

کل ایام	حاضریاں	غیر حاضریاں

کیفیت حاضری تین ماہ

کل ایام	حاضریاں	غیر حاضریاں

کیفیت حاضری تین ماہ

کل ایام	حاضریاں	غیر حاضریاں

کیفیت حاضری تین ماہ

کل ایام	حاضریاں	غیر حاضریاں

کیفیت حاضری تین ماہ

کل ایام	حاضریاں	غیر حاضریاں

کیفیت حاضری تین ماہ

کل ایام	حاضریاں	غیر حاضریاں

تعلیمی جائزہ برائے ناظرہ و حفظِ قرآنِ کریم

نمبر/نام پارہ	تاریخ ابتداء	تاریخ انتہاء	مدت تعلیم	کیفیت	دستخط ناظم	دستخط والدین
۳۰- عَمَّ یَتَسَاءَلُوْنَ						
۲۹- تٰبٰرَكَ الَّذِیْ						
۲۸- قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ						
۲۷- قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ						
۲٦- حٰمٓ						
۲۵- اِلَیْهِ یُرَدُّ						
۲٤- فَمَنْ اَظْلَمُ						
۲۳- وَمَالِیَ						
۲۲- وَمَنْ یَّقْنُتْ						
۲۱- اُتْلُ مَا اُوْحِیَ						
۲۰- اَمَّنْ خَلَقَ						
۱۹- وَقَالَ الَّذِیْنَ						
۱۸- قَدْ اَفْلَحَ						
۱۷- اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ						
۱٦- قَالَ اَلَمْ						
۱۵- سُبْحٰنَ الَّذِیْ						
۱٤- رُبَمَا						
۱۳- وَمَا اُبَرِّئُ						

تعلیمی جائزہ برائے ناظرہ و حفظِ قرآنِ کریم

نمبر/نام پارہ	تاریخ ابتداء	تاریخ انتہاء	مدت تعلیم	کیفیت	دستخط ناظم	دستخط والدین
۱۲- وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ						
۱۱- یَعْتَذِرُوْنَ						
۱۰- وَاعْلَمُوْا						
۹- قَالَ الْمَلَاُ						
۸- وَلَوْ اَنَّنَا						
۷- وَاِذَا سَمِعُوْا						
٦- لَا یُحِبُّ اللّٰهُ						
۵- وَالْمُحْصَنٰتُ						
٤- لَنْ تَنَالُوْا						
۳- تِلْكَ الرُّسُلُ						
۲- سَیَقُوْلُ						
۱- الٓمّٓ						

نوٹ: - جائزہ کے اس طریقہ کار پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ بچے کی عمر کے قیمتی لمحات اور استاذ صاحب اور والدین کی محنت ضائع ہونے سے بچ جائے گی۔ اسی طرح جو بچہ حافظ نہیں بن سکتا (اپنی کمزوری کی وجہ سے) تو اس کے تعلیمی مستقبل کے لئے مشورے سے کوئی راہ طے کرنا آسان ہوگا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آٹھ آٹھ سال حفظ کرانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں اس کے باوجود وہ حافظ نہیں بن سکا اور کسی دوسرے دینی کام میں بھی مشغول نہ ہوسکا۔

جائزہ بابت ماہ ____

موجودہ سبق پارہ [ ] سورۃ/رکوع [ ]

	کل نمبر	حاصل کردہ نمبر
پچھلی منزل کیسی یاد ہے		
تلفظ وادائیگی حروف		
دعائیں، آداب ودینی معلومات		
کل میزان		

اس ماہ پڑھائی میں کتنا اضافہ ہوا

پارہ [ ] رکوع [ ]

کتنی دعائیں [ ] کتنے آداب سیکھے [ ]

مدرسہ کے کل ایام [ ] غیر حاضریاں [ ]

کیفیت: ____

دستخط ناظم تعلیمات: ____ دستخط والد: ____

جائزہ بابت ماہ ____

موجودہ سبق پارہ [ ] سورۃ/رکوع [ ]

	کل نمبر	حاصل کردہ نمبر
پچھلی منزل کیسی یاد ہے		
تلفظ وادائیگی حروف		
دعائیں، آداب ودینی معلومات		
کل میزان		

اس ماہ پڑھائی میں کتنا اضافہ ہوا

پارہ [ ] رکوع [ ]

کتنی دعائیں [ ] کتنے آداب سیکھے [ ]

مدرسہ کے کل ایام [ ] غیر حاضریاں [ ]

کیفیت: ____

دستخط ناظم تعلیمات: ____ دستخط والد: ____

جائزہ بابت ماہ ____

موجودہ سبق پارہ [ ] سورۃ/رکوع [ ]

	کل نمبر	حاصل کردہ نمبر
پچھلی منزل کیسی یاد ہے		
تلفظ وادائیگی حروف		
دعائیں، آداب ودینی معلومات		
کل میزان		

اس ماہ پڑھائی میں کتنا اضافہ ہوا

پارہ [ ] رکوع [ ]

کتنی دعائیں [ ] کتنے آداب سیکھے [ ]

مدرسہ کے کل ایام [ ] غیر حاضریاں [ ]

کیفیت: ____

دستخط ناظم تعلیمات: ____ دستخط والد: ____

جائزہ بابت ماہ ____

موجودہ سبق پارہ [ ] سورۃ/رکوع [ ]

	کل نمبر	حاصل کردہ نمبر
پچھلی منزل کیسی یاد ہے		
تلفظ وادائیگی حروف		
دعائیں، آداب ودینی معلومات		
کل میزان		

اس ماہ پڑھائی میں کتنا اضافہ ہوا

پارہ [ ] رکوع [ ]

کتنی دعائیں [ ] کتنے آداب سیکھے [ ]

مدرسہ کے کل ایام [ ] غیر حاضریاں [ ]

کیفیت: ____

دستخط ناظم تعلیمات: ____ دستخط والد: ____

السنة: ____ الصف الإعدادى

المادة	مضمون	ذو القعدة	ذو الحجة	الفترة الأولى	ربع الأول	ربع الثانى	الفترة الثانيه	الفترة النهائية	للاحظات كيفيت
الأردوية	اردو								
الإنجليزى	انگریزی								
الرياضى	ریاضی								
علوم المعاشره	معاشرتی علوم								
الفقه	فقہ								
العربية	عربی								
السيرة	سیرت رسولؐ								
القراءة	عربی ریڈنگ								
التجويد	تجوید								
الكتابة	خوشخطی								
الكمبيوتر	کمپیوٹر								
مجموع الدرجات	کل نمبرات								
درجات الطالب	حاصل کردہ								
التقدير	گریڈ								
النسبة المئوية	فیصد								
أيام الحضور	حاضری								
أيام الغياب	غیرحاضری								
توقيع الأستاذ	دستخط استاذ								
توقيع الوالد أو ولي الأمر	دستخط والد یا سرپرست								

الصف الاول

السنة : ____________

المادة	مضمون	ذو القعدة	ذو الحجة	الفترة الأولى	ربيع الأول	ربيع الثانى	الفترة الثانيه	الفترة النهائية	للملاحظات كيفيت
الحديث	حدیث								
التجويد	تجوید								
النحو	نحو								
ألصرف	صرف								
ألفقة	فقہ								
ألحوار	عربی بول چال								
القراءة	عربی ریڈنگ								
الكتابة	خوشخطی								
مجموع الدرجات	کل نمبرات								
درجات الطالب	حاصل کردہ								
التقدير	گریڈ								
النسبة المئوية	فیصد								
أيام الحضور	حاضری								
أيام الغياب	غیر حاضری								
توقيع الأستاذ	دستخط استاذ								
توقيع الوالد أوولى الأمر	دستخط والد یا سرپرست								

الصف الثانى

السنة : ____________

المادة	مضمون	ذو القعدة	ذو الحجة	الفترة الأولى	ربيع الأول	ربيع الثانى	الفترة الثانيه	الفترة النهائية	للملاحظات كيفيت
الحديث	حدیث								
التجويد	تجوید								
النحو	نحو								
ألصرف	صرف								
ألفقة	فقہ								
ألحوار	عربی بول چال								
القراءة	عربی ریڈنگ								
الكتابة	خوشخطی								
مجموع الدرجات	کل نمبرات								
درجات الطالب	حاصل کردہ								
التقدير	گریڈ								
النسبة المئوية	فیصد								
أيام الحضور	حاضری								
أيام الغياب	غیر حاضری								
توقيع الأستاذ	دستخط استاذ								
توقيع الوالد أوولى الأمر	دستخط والد یا سرپرست								

الصف الثالث

السنة : ________

المادة	مضمون	ذوالقعدة	ذوالحجة	الفترة الأولى	ربع الأول	ربع الثانی	الفترة الثانیه	الفترة النهائية	للملاحظات کیفیت
التفسير	تفسیر								
الحديث	حدیث								
ألفقة	فقہ								
أصول الفقة	اصول فقہ								
ألعقيدة	عقیدہ								
ألمنطق	منطق								
ألنحو	نحو								
الأدب العربي	عربی ادب								
السيرة	سیرت رسولؐ								
ألانشاء	انشاء								
مجموع الدرجات	کل نمبرات								
درجات الطالب	حاصل کردہ								
التقدير	گریڈ								
النسبة المئوية	فیصد								
أيام الحضور	حاضری								
أيام الغياب	غیر حاضری								
توقيع الأستاذ	دستخط استاذ								
توقيع الوالد أوولی الأمر	دستخط والد یا سرپرست								

FIRST TERM

CLASS ________ SEC. ________ TERM DATE ________

NO. OF PUPILS IN THE CLASS ________ PUPIL'S AGE ________

SUBJECTS		PUPIL'S MARKS	MAX. MARKS	CLASS AVERAGE	SUBJECT TEACHER'S REMARKS	SIGNATURE
QUR'AN	TAJWEED					
	RECITATION					
	HIFZ					
ISLAMIAT	WRITTEN					
	ORAL					
	PRACTICAL					
ARABIC	WRITTEN					
	CONVERSATION					
ENGLISH	LANGUAGE					
	LITERATURE					
	CONVERSATION					
URDU	LANGUAGE					
	LITERATURE					
	CONVERSATION					
MATHEMATICS						
SCIENCE						
SOCIAL STUDIES						
COMPUTER	WRITTEN					
	PRACTICAL					
GRAND TOTAL					PERCENTAGE %	

GRADE CHART		RESULT	POSITION
A+	90+		
A	80+	EXTRA CURRICULAR ACTIVITIES	
B+	70+		
B	60+		
C	50+		
F	BELOW 50 FAILED		

NO. OF TERM DAYS ____________ ATTENDANCE ____________

PUNCTUALITY ____________

CLASS WORK ____________

HOME WORK ____________

CLASS PERFORMANCE ____________

DRESS ____________

CONDUCT ____________

MORAL ATTITUDE ____________

HOBBIES ____________

FORM TEACHER'S REMARKS ____________

____

SIGNATURE

ADMINISTRATOR 'S REMARKS ____________

____

____

SIGNATURE ____________ DATE ____________

PARENT/GUARDIAN ____________ DATE ____________

مراجع ومصادر

ابوداؤد.............. سلیمان بن الاشعث السجستانی رحمۃ اللہ علیہ ...... ایچ ایم سعید کراچی
ابن ماجہ .... حافظ ابوعبداللہ محمد ابن ماجہ .... قدیمی کتب خانہ کراچی
احیاء علوم الدین .... امام غزالی .... مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
اتحاف السادۃ المتقین .... سید محمد بن محمد الحسینی المرتضیٰ داراحیاء التراث العربی بیروت
اسد الغابۃ .... عزالدین ابن الاثیر الجزری .... دارالکتب العلمیہ
الاصابۃ.............. حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ ... دارالکتب العلمیہ، بیروت
الاحسان بترتیب صحیح ابن حبان ...... الامیر علاؤالدین علی .... المکتبۃ التجاریہ لبنان
اغاثۃ اللہفان.............. الامام ابن القیم الجوزیۃ .... مکتبہ نزار المصطفیٰ باز
ایہا الولد ....
اخلاق الطفل المسلم.............. ....
بخاری.............. محمد بن اسماعیل البخاری رحمۃ اللہ علیہ .... ایچ ایم سعید کراچی
ترمذی.............. ابوعیسیٰ محمد ابن عیسیٰ بن سورۃ الترمذی رحمۃ اللہ علیہ .... ایچ ایم سعید
تکملہ فتح الملہم .... مولانا محمد تقی عثمانی.............. مکتبہ دارالعلوم کراچی
الترغیب والترہیب .... الامام الحافظ زکی الدین عبدالعظیم بن عبدالقوی دارالکتب العلمیہ بیروت
تفسیر روح المعانی .... علامہ سیّد محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ .... امدادیہ ملتان
تفسیر ابن کثیر.............. اسماعیل بن کثیر الدمشقی ...... داراحیاء التراث العربی بیروت
تفسیر ابن کثیر.............. حافظ اسماعیل ابن کثیر الدمشقی .... دارالسلام للنشر والتوزیع
تفسیر کبیر.............. الامام فخر الدین محمد بن عمر التمیمی الرازی.......... دارالکتب العلمیہ
تفسیر در منثور.............. الحافظ جلال الدین سیوطی .... داراحیاء التراث العربی
تاریخ دمشق.............. علامہ ابن عساکر.............. ....
تذکرۃ الحفاظ .... حافظ شمس الدین ذہبی رحمۃ اللہ علیہ .... داراحیاء التراث العربی
تذکرۃ الموضوعات للفتنی.............. للفتنی .... المطبعۃ المنیریۃ بالقاہرۃ

تعلیم المتعلّم .... الامام برہان الاسلام الزرنوجی ...... نور محمد کتب خانہ، کراچی

تحاسد العلماء .... عبداللہ بن حسین الموجان رحمۃ اللہ علیہ . دارالمنارۃ، للنشر والتوزیع

حلیۃ الاولیاء .... حافظ ابونعیم الاصفہانی .... دارالکتب العلمیہ

حیاۃ الصحابۃ .... مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ .... کتب خانہ فیضی لاہور

الحزب الاعظم .... علامہ المحدث علی القاری رحمۃ اللہ علیہ مجلس دعوۃ التحقیق الاسلامی

الرسول المعلّم .... الشیخ عبدالفتاح ابوغدۃ .... مکتبہ غفوریہ عاصمیہ کراچی

سنن الکبریٰ .... حافظ ابوبکر احمد بن الحسین بن علی رحمۃ اللہ علیہ . ادارہ تالیفات اشرفیہ

سیر اعلام النبلاء .... محمد بن احمد .... مؤسسۃ الرسالۃ ۱۹۸۶ء

سمیر المؤمنین .... عبداللہ بدران .... دارالخیر، بیروت

شرح جامی .... شیخ نورالدین عبدالرحمن الجامی رحمۃ اللہ علیہ ..... مکتبہ حقانیہ کوئٹہ

شعب الایمان .... حافظ ابوبکر احمد بن الحسین بن علی مکتبۃ الرشد ناشرون

صور من حیاۃ الصحابۃ .... عبدالرحمن رأفت الباشا .... المکتبۃ الغفوریۃ العاصمیۃ کراچی

صفۃ الصفوۃ .... جمال الدین ابی الفرج ابن الجوزی .... دارالکتب العلمیہ

طبقات ابن سعد .... محمد بن سعد .... دارالفکر

طحطاوی علی المراقی .... احمد بن محمد الطحطاوی الحنفی ...... قدیمی کتب خانہ کراچی

عمل الیوم واللیلۃ .... ابوبکر بن السنی .... نور محمد کتب خانہ کراچی

العفو والاعتذار .... لابی الحسن ....

الغنیۃ .... عبدالقادر جیلانی نور اللہ مرقدہ ....

فن الامتحانات بین الطالب والمعلم ....

فیض القدیر .... العلامۃ محمد عبدالرؤوف المناوی .... دارالکتب العلمیۃ

قیمۃ الزمن عندالعلماء .... الشیخ عبدالفتاح ابوغدۃ . مکتب المطبوعات الاسلامیہ بحلب

کنزالعمال .... علامہ علاء الدین علی المتقی بن حسام الدین الہندی دارالکتب العلمیہ بیروت

مسلم .... مسلم الحسین بن الحجاج القشیری رحمۃ اللہ علیہ ... ایچ ایم سعید کراچی

مشکوٰۃ .... ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب .... ایچ ایم سعید کراچی

مسند احمد .... امام احمد بن حنبل ابی عبداللہ الشیبانی .... داراحیاء التراث العربی

مستدرک .... الامام ابی عبداللہ الحاکم النیسابوری .... دارالحرمین

مرقات شرح مشکوٰۃ .... علامہ المحدث علی القاری .... مکتبہ امدادیہ ملتان

مجمع الزوائد .... حافظ نورالدین علی بن ابی بکر بن سلیمان .. دارالکتب العلمیہ بیروت

مؤطا امام مالک .... امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ .... نور محمد کتب خانہ

المعجم الاوسط .... للطبرانی ....

المحدث الفاصل .... شیخ رامہرمزی رحمۃ اللہ علیہ .... لبنان بیروت

مختصر برالوالدین ....

المعلم الاول ....

المدرس و مہارات التوجیہ .... محمد بن عبداللہ الدویش .... دارالوطن للنشر، الریاض

مناقب امام احمد بن حنبل .... لابن الجوزی رحمہ اللہ ....

المجموع شرح المہذب .... امام نووی .... شرکہ من علماء ازہر

مواعظ الصحابۃ ....

نسائی .... حافظ ابوعبدالرحمن بن شعیب النسائی ..... قدیمی کتب خانہ کراچی

النبی الکریم معلّماً .... ڈاکٹر فضل الٰہی .... مؤسسۃ الجریسی الریاض

نداء الی المربین والمربیات .... استاذ محمد بن جمیل زینو

الاستیعاب .... ابوعمر یوسف بن عبداللہ القرطبی ...... دارالکتب العلمیہ بیروت

آدابُ المتعلّمین .... مولانا قاری صدیق احمد رحمۃ اللہ علیہ ... مجلس نشریات اسلام کراچی

احسن الفتاویٰ .... مفتی رشید احمد لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ .... ایچ ایم سعید کراچی

اشرف الاحکام .... مولانا اقبال قریشی .... ادارہ اسلامیات لاہور

اصلاحی خطبات .... مولانا محمد تقی عثمانی .... میمن اسلامک پبلشرز

افاضات الیومیہ .... حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ....

اکابر دیوبند کیا تھے؟ .... مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ ....

امداد الفتاویٰ .... مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ .... ادارۃ المعارف کراچی

بہشتی زیور .... مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ .... دارالاشاعت کراچی

پرانے چراغ .... مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ .... مجلس نشریات اسلام کراچی

پرچھائیاں .... مولانا محمد سعد .... مکتبہ بیت العلم کراچی

تذکرۃ الرشید .... مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب .... ادارہ اسلامیات لاہور

تراشے .... مولانا محمد تقی عثمانی .... ادارۃ المعارف کراچی

تفسیر احمدیہ .... ملاجیون ....

تفسیر بیان القرآن .... مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ .... تاج کمپنی لمیٹڈ

تفسیر عثمانی .... مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ .... دارالاشاعت کراچی

تفسیر ماجدی .... مولانا عبدالماجد دریابادی .... خان پبلشرز دریا گنج، نئی دہلی

تفسیر معارف القرآن .... مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ .... ادارۃ المعارف کراچی

تفسیر معارف القرآن .... مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ .... مکتبہ شہداد پور

التبلیغ ....

جواہر الفقہ .... مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ .... مکتبہ دارالعلوم کراچی

چند عظیم شخصیات .... مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ .... ادارۃ المعارف کراچی

خطبات حکیم الامت .... مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ...... مکتبہ سید احمد شہید لاہور

خلاصہ ملفوظ مبارک ....

خیر القرون کی درس گاہیں .... مولانا قاضی اطہر مبارک پوری .... ادارہ اسلامیات کراچی

دل کی دنیا .... مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ .... ادارۃ المعارف کراچی

رحمت دوعالم اور اسلامی اخلاق ..... مولانا محمد فاروق صاحب .... بیت العلوم لاہور

سیرۃ المصطفیٰ .... مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ ...... مکتبہ سید احمد شہید لاہور

صحابہ کے واقعات .... محمد حنیف عبدالمجید .... مکتبہ دارالہدیٰ

علمائے سلف .... مولانا حبیب الرحمان شروانی .... اسلامی کتب خانہ کراچی

فتاویٰ محمودیہ .... مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ .... کتب خانہ مظہری کراچی

فرشتوں کا درود پانے والے .... د، فضل الٰہی ....

فضائل اعمال .... مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ ...... ادارہ اشاعت دینیہ الہند

کتاب شوریٰ اور اہتمام .... مولانا مسیح اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ ....

کتابوں کی درس گاہ میں .... مولانا ابن الحسن عباسی صاحب .... مکتبہ عمر فاروق

ماہنامہ الفاروق .... ترجمان جامعہ فاروقیہ

ماہنامہ الوفاق .... ترجمان وفاق المدارس العربیہ پاکستان

مثالی ازدواجی زندگی کے اصول ....

مجالس مفتی اعظم .... مفتی عبدالرؤف سکھروی .... ادارۃ المعارف کراچی

محاسن اسلام ....

مخزن اخلاق .... مولانا رحمت اللہ سبحانی رحمۃ اللہ علیہ .... ناشر قرآن لاہور

مصنف ابن ابی شیبۃ .... عبداللہ بن محمد بن ابی شیبۃ .... دارالفکر بیروت

مطلع الانوار ....

مظاہر حق .... علامہ نواب محمد قطب الدین خان دہلوی رحمۃ اللہ علیہ .. دارالاشاعت کراچی

معارف الحدیث .... مولانا منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ .... دارالاشاعت کراچی

مکتوبات فقیر .... پیر ذوالفقار احمد نقشبندی صاحب مدظلہ .... مکتبۃ الفقیر فیصل آباد

مکارم و اخلاق رحمت دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ....

میرے والد میرے شیخ .... مولانا محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم .... ادارۃ المعارف کراچی



درسِ نظامی کے طلبہ اور اساتذہ کرام کے لئے انمول تحفہ

ترجمہ وحاشیہ

عقیدۂ طحاویہ

- ○ ہر جملہ کا حاصل بامحاورہ سہل اُردو ترجمہ
- ○ ہر جملہ کی مختصراً وضاحت قرآن وحدیث کی روشنی میں
- ○ مُفید اور آسان عربی حاشیہ سے مزین کتاب

مترجم
محمد حنیف عبدالمجید صاحب
فاضل جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن

محشی
مُفتی محمد تواب ٹکروی
فاضل جامعہ فاروقیہ کراچی

مکتبہ بیت العلم
G-30، اسٹوڈنٹ بازار، نزد مقدس مسجد،
اُردو بازار، کراچی۔ فون: 2726509

آیئے ہم ایک دوسرے کے مددگار بنیں......

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

امید ہے کہ مزاج بخیر وعافیت ہوں گے......گرامی قدر محترم جناب

آپ اور آپ کی آراء ہمارے لئے بہت اہم ہیں۔ بہت خوشی ہوگی کہ آپ ہمیں اس کتاب سے متعلق اپنی کوئی قیمتی رائے......اصلاحی تجویز......اور مفید بات بتائیں۔

یقیناً آپ اس سلسلے میں ہمارے ساتھ تعاون فرما کر ان شاء اللہ تعالیٰ ادارے کی کتب کے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے میں مددگار بنیں گے۔

امید ہے جس جذبے سے یہ گزارش کی گئی ہے اسی جذبہ کے تحت اس کا عملی استقبال بھی کیا جائے گا اور آپ ضرور ہمیں جواب لکھیں گے۔

◎ ٹرسٹ کی کس کس کتاب کا آپ نے مطالعہ فرمایا مثلاً ☆تحفۂ دلہن......☆تحفۂ دلہا ☆مثالی ماں......☆مثالی باپ......☆طریقہ وصیت......☆اسمائے حسنیٰ......☆مثالی اُستاذ ☆کسی کو تکلیف نہ دیجیے وغیرہ؟______

◎ کتاب کا تعارف کیسے ہوا؟______

◎ کیا آپ نے اپنے محلّہ کی مسجد......لائبریری......یا مدرسہ/اسکول......میں اس کتاب کو وقف کرکے یا کسی رشتہ دار وغیرہ کو تحفہ میں دے کر علم پھیلانے میں حصہ لیا؟______ اگر نہیں تو آج ہی یہ نیک کام شروع فرمائیں۔

◎ کتاب پڑھ کر آپ نے کیا فائدہ محسوس کیا؟______

◎ کتاب کی کمپوزنگ، جلد اور کاغذ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

معمولی ہے ☐ بہتر ہے ☐ اعلیٰ ہے ☐

◎ کتاب کی قیمت کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

سستی ہے ☐ مناسب ہے ☐ مہنگی ہے ☐

◎ کتاب کی تیاری میں مدد کرنے والے ناشر اور پڑھنے والوں کے لئے دعائیں تو کرتے ہوں گے......

کتاب میں اگر کوئی غلطی آپ کی نظر سے گزری ہو تو مندرجہ ذیل چارٹ میں تحریر فرمادیں تو عنایت ہوگی۔

صفحہ نمبر	سطر نمبر	غلطی کی نوعیت

◎ ڈاک پتہ

تاریخ: ____________

نام: ____________ پتہ: ____________

____

اس پتے پر خط پوسٹ فرما کر آپ بھی نیکی اور علم کے پھیلانے میں معاون بن سکتے ہیں۔

ہمت کیجیے اور اپنے مفید مشورہ اور دعا سے ادارہ کا تعاون کیجیے۔

مکتبہ بیت العلم کی اب تمام کتابیں آپ بذریعہ VP بھی منگوا سکتے ہیں۔

Bait-ul-Ilm

St-9E, Block-8, Gulshan-e-Iqbal, Karachi.

Ph: 021-4976339, Fax: 021-4972636

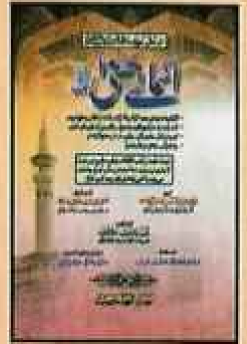
E-Mail: writers_panel@yahoo.com

بیت العلم ST-9E متصل الحمد مسجد

بلاک 8 گلشن اقبال کراچی۔

اسمائے حسنیٰ

(حصہ اول، دوم) ایک ایسی کتاب جس میں ایمان بنانے والے واقعات بھی ہیں مستند دعائیں بھی......



(حصہ اول)

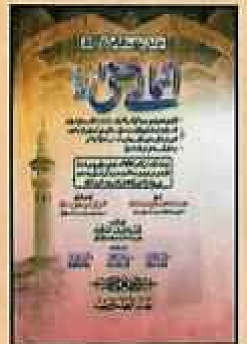
☆ قرآن کریم واحادیث نبویہ ﷺ سے ہر اسم کی تفسیر وتشریح ...... ائمہ کرام کے اقوال وتعریفات......

☆ دلوں کو تازگی بخشنے والی نصیحتیں وبزرگان دین کے ایمان افروز واقعات......

☆ توحید باری تعالیٰ سے محبت، شرک سے نفرت اوراس سے بچاؤ کی تدبیریں......

☆ ہر اسم مبارک سے متعلق فوائد ونصائح......

مزید اس کتاب کا مطالعہ ایمان ویقین...... عبادات ومعاشرت...... اور زندگی کے دوسرے تمام معاملات کی انجام دہی کے وقت بھی یادِ الٰہی کا باعث ہے، تقویٰ والی زندگی نصیب ہوجانے کا ذریعہ ہے، غرض ظاہری وباطنی دونوں طرح کی خوبیاں اس میں جمع کردی گئیں ہیں، ہر باذوق شخص سے اس کے مطالعہ کی سفارش کی جاسکتی ہے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کتاب میں محبت وعقیدت کی ملاوٹ بھی ہے اور ادب وانشاء کی مٹھاس بھی ہے، اساتذہ ومعلمات اور ائمہ مساجد اگر روزانہ ایک اسم مبارک کی تشریح طلبہ وعوام الناس کو کیا کریں توان شاء اللہ گناہ سے بچنا آسان ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی سچی محبت نصیب ہوگی۔



(حصہ دوم)

اللہ کرے کہ یہ کتاب زیادہ سے زیادہ مفید اور مقبول ہو، اور امت کو اللہ تعالیٰ کے پیارے پیارے ناموں کی صحیح پہچان حاصل ہو جو پہچان گناہوں سے بچائے اور نیکیوں پر لے آئے۔